شیلہ

ایک معاشرتی ناول

فرزانہ یاسمین

قیمت :- نو روپیہ پچاس پیسے

ناشر :- چمن بکڈپو، اردو بازار، دہلی

مطبوعہ :- سود لیتھو پریس دہلی

"اوہ ـــــ یہ کیا! ـــ"

اس نے گھبرا کر زور سے بریک لگائی ـــــ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ جسم میں کپکپاہٹ پیدا ہو گئی تھی اور ہاتھ ارتعاش پذیر تھے۔

اس حادثہ نے اسے پریشانی کی حد تک پہنچا دیا تھا۔ وہ اتنا اناڑی ڈرائیور بھی نہیں تھا کہ اس قسم کا حادثہ کر بیٹھتا ـــــ تو پھر یہ کیا ہو گیا تھا؟

یہ لڑکی اچانک کہاں سے آ کر چشم زدن میں اس کی برلینا کے سامنے پہنچ گئی تھی۔ وہ اس حادثہ کی توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن حادثوں کی توقع بے معنی چیز ہے۔ حادثے تو ہوتے ہی توقع کے خلاف ہیں۔ اور بعض حادثے تو انسانی زندگی میں کسی انقلاب کا موجب بن جاتے ہیں۔ لیکن اس وقت اس کے ذہن کی تہوں میں کسی انقلاب کا تصور نہیں بلکہ خوف کا سایہ لہرا رہا تھا۔ بریک لگنے کے بعد گاڑی رک چکی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔

آخر کار وہ سنبھلا، اپنے حواس مجتمع کئے۔ اور جلدی سے نیچے اترا۔ ہیڈلائٹس

کی روشنی میں ایک جوان لڑکی کو گرتے دیکھ چکا تھا۔ اس کے اعصاب ہنوز جھنجھنا رہے تھے۔ وہ خواب کے سے عالم میں چلتا اس طرف بڑھا۔ جہاں لڑکی گری تھی۔ اس سے پیشتر کہ وہ وہاں پہنچتا لڑکی اٹھ چکی تھی اور گھبراسے ہوئے انداز میں اپنے کپڑے جھاڑ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں جو شیشی تھی پختہ سڑک پر گر کر ریزہ ریزہ ہو چکی تھی۔

رات کے دس بج رہے تھے۔ سڑک ویران تھی اور اس سنسان ماحول میں لڑکی نے اچانک اس طرح سامنے آجانے پر اُسے شاید حیرت ہوئی تھی اور وہ اس حادثے سے بے حد پریشان ہو گیا تھا۔ لڑکی کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔

آسمان پر گھنیرے سیاہ بادل اُمنڈے پڑ رہے تھے اور ان بادلوں کی موٹی سیاہ تہہ کے نیچے بجلی آتشیں لکیر بن کر بار بار چمک رہی تھی۔ ہوا بھی تیز و تند تھی یوں لگتا تھا۔ جیسے عنقریب باد و باراں کا طوفان آ جائے گا۔ اگرچہ یہ طوفان ابھی امڈا نہیں تھا۔ مگر اس کے دل میں جذبات کے مدوجزر برپا تھے۔

لڑکی نے کس مپرسی کے عالم میں اپنی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر گردن جھکالی۔ نوجوان سہیل کا دل دھک سے رہ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے یہ خاموش کر دینے والی نظریں اس کا دل چیر گئی ہوں۔ آنکھیں کیا تھیں۔ غم و الم اور شکایت کا ایک سمندر اپنے اندر سمیٹے ہوئے ان کی گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی ہلکی سی اداس اور حزن و ملال کے تاثرات نے اسے پریشان کر دیا اس کا ضمیر اسے ملامت کے نشتر چبونے لگا۔

جب سکوت کے لمحے ناگوار ہونے لگے اور لڑکی بھی کپڑے جھاڑ چکی تو کچھ کہنے کے لیے لب ہلائے مگر وہ کوشش کے باوجود کچھ نہ کہہ سکا۔ جیسے لڑکی کے

سحر آفریں حسن کے جلال نے اس کی قوت گویائی سلب کر دی ہو. وہ ٹکٹکی باندھے لڑکی کی حرکات اور اس کے خاموش احتجاج کو دیکھ رہا تھا.

ہوا کی سرسراہٹ میں شدت آنے لگی تھی موسم گرما تھا مگر پھر بھی ہوا سکون پہنچانے کے بجائے خوف کا احساس دلاتی تھی. لڑکی نے اسے ایک نظر دیکھا اور پھر اس کی طرف سے نظریں گھما کر شیشے کے ان ریزوں کو دیکھا جو اس کے ہاتھ میں لی ہوئی شیشی کے ٹوٹنے سے منتشر ہوئے تھے. اس نے ایک ٹھنڈی گہری سانس لی. جیسے ان ریزوں کی طرح اس کی امیدوں کا سلسلہ بھی ٹوٹ گیا ہو.

لڑکی کے شہابی رخسار زرد ہو چکے تھے اور وہ بہت ہی مغموم دکھائی دے رہی تھی. سہیل لڑکی کی بے بسی اور افسردگی کو محسوس کر کے تڑپ اٹھا. وہ ہیڈ لائٹس میں اس کی بدلتی ہوئی کیفیت کو اچھی طرح محسوس کر چکا تھا.

بالآخر اس نے حوصلہ کیا ——"آپ —— آپ کو چوٹ تو نہیں آئی"۔

لڑکی نے شکوہ بھری نظروں سے ایک لمحہ دیکھا. اور پھر نظریں جھکالیں سہیل نے محسوس کیا. جیسے لڑکی کی نگاہیں، نگاہیں نہ تھیں، بلکہ برچھیاں تھیں. جو ایک دم اس کے سینے میں پیوست ہو گئیں تھیں. وہ اپنے دل میں ابھرتے ہوئے درد و کرب اور جلن کو دبا نہ سکا.

"میں نے" —— وہ رک کر بولا —— پوچھا تھا آپ کو چوٹ تو نہیں آئی ——"

تھوڑی جھجک، قدرے توقف اور رکاوٹ کے بعد لڑکی کے لب ہلے "چوٹ!" اس کا لہجہ انتہائی زہریلا تھا —— گاڑی میرے اوپر سے گزر

جاتی تو شاید موت کا بھی احساس نہ ہوتا۔ چوٹ تو بہت معمولی چیز ہے۔"

"اسے یوں لگا جیسے سارے جہاں کا درد، بے بسی اور لاچارگی اس مترنم آواز میں سمٹ کر ایک پرسوز نغمہ بن گئی ہو۔ اور وہ حزنیہ نغمے کی ان لہروں میں ڈوب گیا ہو۔

"مجھے افسوس ہے ——" اس کے لہجے میں تاسف تھا۔ —— میں نے آپ کو دکھ پہنچایا ہے۔"

"ہم تو پیدا ہی شاید دکھ سہنے کے لیے ہوئے ہیں" —— وہ ایک لمحے کے لیے رکی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیلی۔ لیکن جلد ہی معدوم ہو گئی۔ —— آپ کیا دکھ پہنچائیں گے!"

"آپ تو واقعی بہت دکھی معلوم ہوتی ہیں" —— اس نے ہمدردی جتائی۔

"ہمدردی کا شکریہ!" —— اس نے رک کر اسے گہری نظروں سے دیکھا —— "یہی کیا کم ہے مزید دکھ اٹھانے کے لیے بچ گئی ہوں۔"

"آپ نے مجھے بھی مرنے سے بچا لیا ہے۔" —— وہ غیر ارادی طور پر کہہ گیا۔

"آپ کو —— جی ہاں، تاکہ پھر کسی راہگیر کو کچل سکیں۔"

طنز کی برچھی اس کے دل میں اترتی محسوس ہوئی۔

میں نے معذرت کی ہے۔ شرمندہ ہوں، لیکن یہ سب کچھ دانستہ تو نہیں ہوا۔" سہیل کے لہجے میں تاسف کی گہرائی تھی۔

لڑکی کے رخسار ایک دم شہابی ہو گئے۔ ایک ہلکی سی شرم اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ جو چند لمحوں کے بعد ہی مٹ گئی۔ لڑکی نے اس کی طرف دیکھے بنا قدم

آگے بڑھا دیئے۔

وہ چونکا — "آپ — آپ کہاں جائیں گی؟" — اس نے شیریں آواز میں استفسار کیا۔

"گھر!" — لڑکی نے مختصر جواب دیا۔

"چلیے! — میں آپ کو پہنچا دوں۔"

"نہیں — میں خود ہی چلی جاؤں گی" — اس نے تیکھی آواز میں کہا — "میں پیدل چلنے کی عادی ہوں۔"

لڑکی رک چکی تھی۔ اس کے قدم ٹھہر گئے تھے۔ سہیل کی آواز نے اسے روک لیا تھا۔ جب پھر سکوت گہرا ہونے لگا تو لڑکی کے قدم پھر اٹھنے کے لئے مچلنے لگے۔ وہ بے چین ہو گیا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں آپ! — اس ویران سڑک پر اس طرح — اچانک کیسے آگئی تھیں؟"

لڑکی کے ہونٹوں پر ایک پھیکی مسکراہٹ دھواں بن کر پھیل گئی۔ اس کے خشک لب، دو تین بار لرزے۔

"تاکہ آپ جیسے بڑے لوگوں کی موٹریں میرے بیکار جسم کو کچل دیں —" اس کے لہجہ کی تلخی پھر پلٹ آئی — "اور مجھے ہمیشہ کے لیے غموں سے نجات مل جائے۔"

"یہ تو میں جان گیا ہوں کہ آپ بہت ہی دکھی ہیں۔ اور اس وقت بڑے حالات سے بھی دوچار ہیں۔" — وہ پھر تھوڑے وقفہ کے بعد بولا — "مگر کیا آپ طنز کو چھوڑ کر سنجیدگی سے بات نہیں کر سکتیں؟"

"اونہہ! سنجیدگی!" — اس نے سہیل کو بغور دیکھا۔ اس نے نظریں

جھپکالیں۔ اور وہ اس گرم گرم نظروں کی شاید تاب نہ لاسکا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی تھی۔ یکایک لڑکی کی زہریلی آواز اس کے پردۂ سماعت سے ٹکرائی۔

"وہ ڈاکٹر! ـــــ اس ڈاکٹر نے بھی یہی کہا تھا کہ سنجیدگی سے بات کرو۔ سنجیدگی، سنجیدگی! ـــــ آخر یہ کیا چیز ہے! ـــــ جیب میں پیسہ نہ ہو گھر میں بیماری ہو۔ ڈاکٹر محض اپنی بھاری فیس کے لیے سنجیدگی کا درس دیتا ہے۔ وہ مجھے صرف سنجیدگی کی تلقین کر کے اپنے آرام کدہ میں چلا گیا۔ وہ میرے ساتھ اس لیے نہ آسکا کہ میں فیس نہ دے سکتی تھی۔ آپ نے مجھے اپنی کار کے نیچے کچل ڈالنے کی کوشش کی اور اب سنجیدگی کا درس دے رہے ہیں سنجیدگی! سنجیدگی! کیا بے بس لوگوں کا ایک ہی علاج ہے سنجیدگی!"

اس کے دل میں کروٹیں لیتے ہوئے غم ایک دم باہر آ گئے۔ آنکھوں کے ذریعے انھیں باہر نکلنے کی راہ مل گئی تھی۔ لڑکی بہت ہی جذباتی ہو گئی تھی۔ اس نے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا تھا۔ اس کے آنسو ہاتھوں کے نیچے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔ جو اس کے انتہائی پریشان حالت کی غمازی کر رہے تھے۔ وہ چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے دکھ بھرے جذباتی لہجہ کو دیکھ کر وہ حواس باختہ ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ کیا کرے۔ وہ بوکھلا گیا تھا۔ لڑکی حسین تھی، بلاشبہ حسین تھی۔ اس کے رخساروں کو سرخ ہونا چاہیئے تھا۔ مگر برے حالات نے ان رخساروں کی سرخی کو ایک اداس زردی میں بدل دیا تھا۔

جانے وہ کیسے خوفناک غم تھے جنھوں نے اس گلاب کے پھول کو کمہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے حسن کو خزاں آلود کر دیا تھا۔ اس کے بال سیاہ چمکیلے اور

گئے تھے۔ مگر انھیں نامساعد حالات کی وجہ سے کسی قسم کی تزئین و آرائش سے دور ہی رکھا گیا تھا۔ وہ پریشانی سے ادھر اُدھر چہرے کے گرد بکھرے ہوئے تھے لڑکی کی عمر بمشکل سترہ سال یا اٹھارہ سال ہوگی۔

وہ روئے چلی جا رہی تھی۔ اور سہیل کے ذہن میں خیالات کے دھاگے اُلجھ رہے تھے۔ وہ انھیں سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر دھاگے سُلجھ نہ پا رہے تھے۔ انھیں سِرا نہ مل رہا تھا۔

"آپ رونے لگیں ——؟" اس کی آواز میں اپنائیت، ہمدردی اور درد کا احساس تھا —— "یوں رونے سے غم کم نہیں ہوتے اور بڑھتے ہیں۔ ان کا مقابلہ تو مسکراہٹ کے شگوفوں سے کیا جاتا ہے۔"

یہ سُن کر لڑکی نے آہستہ آہستہ ہاتھ نیچے کیے۔ آنسو بھری آنکھوں سے اُسے دیکھا۔

میں سمجھ گیا ہوں —— وہ ایک لمحہ کے لیے رُکا —— "آپ کے والد بیمار ہیں۔ اور آپ ڈاکٹر کے یہاں سے ناکام واپس آرہی ہیں ——" وہ چند لمحے خاموش کھڑا رہا پھر بولا —— "یہی بات ہے نا؟"

وہ بدستور چپ تھی۔

"میری بات کا جواب نہیں دیا آپ نے"! —— وہ بے چینی سے بولا۔

ٹھیک کہا ہے آپ نے —— وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولی۔ اس کی آواز اس کے سینے میں کسی جگہ اترتی چلی گئی۔ ایسی جگہ جہاں انجانی کسک اور درد کا احساس ہوتا ہے۔ لڑکی کی آواز شستہ اور، سحر خیز بھی تھی۔ اور غم آلود بھی۔

ہوا اب پہلے کی نسبت زیادہ تند ہونے لگی تھی اور بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ دفعتاً آسمان سے بارش کا پہلا قطرہ ٹپکا۔

وہ چونک پڑی۔ اس کی آنکھوں میں دہشت سمٹ آئی۔

"بارش! —" اس کی آواز میں حیرت اور پریشانی تھی۔

"ہاں بارش! — خدا کی رحمت!" — وہ مسکرایا۔ لڑکی نے اسے ایک نظر دیکھا۔ اور اس کے ہونٹوں پر طنز اور زہر بھری مسکراہٹ پھر سے پلٹ آئی۔

"خدا کی رحمت! — لڑکی کا لہجہ تلخ جذبات کی شدت سے دہک اٹھا — جو ہر ایک کے لیے نہیں۔"

"مایوسی گناہ ہے! — اس نے شکایت بھرے لہجے میں نرمی سے کہا۔ "میرے ساتھ آئیے! ڈاکٹر اب آپ کو مایوس نہیں کرے گا۔ اور آپ کو ناکام لوٹنا نہیں پڑے گا۔

وہ چونکی اور آنسو پونچھ کر اسے دیکھا۔ مگر وہ وہیں کھڑی رہی — اور عجیب کشمکش و پیچ کے عالم میں اسے دیکھتی رہی۔ جیسے سوچ رہی ہو۔ اس نوجوان پر بھروسہ کرے یا نہیں۔ اسے قابل اعتماد سمجھے یا نہیں؟

"شاید! آپ کو میرے ساتھ جانے میں عار ہے — سہیل نے سنجیدگی سے کہا — آپ مجھ پر اعتبار کرنا نہیں چاہتیں! — آپ مجھے اعتماد کے قابل نہیں سمجھتیں؟"

وہ خاموش ہو گیا۔ بارش کے قطروں میں دھیرے دھیرے اضافہ ہونے لگا۔ بادل زور سے گرجے۔ بجلی جلدی جلدی روشن لکیریں بنانے لگی۔

اب وہ بارش میں بھیگنے لگے تھے۔

"چلئے ـــــ اب تو بارش تیز ہو گئی ہے"۔ ۔ ۔ سہیل نے لڑکی کی طرف دیکھ کر تیسرے دفعہ سے کہا ـــ یہاں کھڑے ہیں کافی وقت گزر گیا ہے۔ آپ کو مجھ پر اعتبار کر ہی لینا چاہیئے۔"

لڑکی نے اسے غور سے دیکھا. شاید وہ آخری فیصلہ کر چکی تھی۔

وہ آگے بڑھی اور اس کے پیچھے چند قدم چلی. سہیل نے عقبی نشست کا دروازہ کھول دیا۔ وہ پیچھے بیٹھ گئی سہیل جلدی سے پلٹا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ بارش کے قطرے اس کی پتلون اور بش شرٹ پر کہیں کہیں چمک رہے تھے۔ اور آہستہ آہستہ کپڑوں میں جذب ہوتے چلے جا رہے تھے۔ بالکل اسی طرح اس کے پریشان خیالات لاشعور کے کسی کونے میں جا کر جذب ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔

لڑکی بھی اب قدرے پُرسکون حالت میں تھی جیسے وہ کسی بہت بڑے کربناک جذباتی موڑ سے گزر کر عافیت کے کنارے پہنچ گئی ہو. سہیل نے اُسے ایک نظر دیکھ کر یہی اندازہ لگایا تھا۔

سہیل نے پلٹ کر اسے پھر دیکھا. لڑکی کے بالوں پر بارش کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ اور کار کی دھیمی لائٹ میں ستاروں کی طرح دمک رہے تھے. وہ اسے ایک لمحہ کے لیے حسن کی دیوی دکھائی دی۔ مگر دیوی نے اس کے لیے اپنے ذہن میں کوئی خاکہ نہ بنایا تھا۔ اس نے سہیل کے کسی نفسیاتی نظریے کی تقلید میں کسی قسم کا تاثر نہیں دیا تھا۔ اُسے تو صرف اپنے بیمار باپ کا ہی خیال تھا اور بس ۔۔۔۔۔ ۔۔ اس کے چہرے سے کم از کم یہی عیاں تھا۔

کار کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔

"آپ کس ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں —" سہیل نے پوچھا۔

"ڈاکٹر ریاض کے پاس! —" لڑکی نے آہستہ سے جواب دیا۔"
یہاں سے تقریباً چار فرلانگ کے فاصلے پر ان کی کوٹھی ہے۔"

"ہوں! —" وہ بولا — "جبھی آپ اس ویران سڑک پر نکل آئی
تھیں۔" .... مگر .... مگر اس سڑک پر نہیں آنا چاہیئے تھا۔"

"اس سڑک سے واپس لوٹنے میں راستہ ذرا مختصر ہو جاتا ہے۔" لڑکی نے
مترنم آواز میں جواب دیا۔

ان کے درمیان پھر سکوت پھیل گیا۔

کار سڑکوں کے موڑ کاٹنے لگی۔ بارش تیزی سے برسنے لگی تھی۔ بادلوں کی
گرج اور بجلی کی چمک میں بھی تیزی ہو رہی تھی۔

"آپ کالج میں پڑھتی ہیں؟ —" سہیل نے جھجکتے جھجکتے پوچھا۔

"پڑھتی تھی! —" اس نے جواب دیا۔

"کہاں تک پڑھا ہے آپ نے؟"

"ایف اے کیا ہے! — اس نے جواب دیا اور ذرا تلخ آواز میں
کہا — خدا کے لیے یہ سلسلہ بند کیجئے۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ آپ ..
گاڑی کی رفتار بڑھائیے!"

لڑکی کے اس انداز پر اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اپنے دل میں۔
ندامت سی محسوس کر رہا تھا۔ اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ اس کا نام پوچھ لے۔
مگر لڑکی کے لہجے کی تلخی سے وہ اتنی جرأت نہ کر سکا۔ اور اس خیال کو ذہن
کے پردوں میں دفن کر دیا۔ اس نے ایکسیلیٹر دبا کر گاڑی کی رفتار کو بڑھایا۔
چند منٹوں میں کار ڈاکٹر ریاض کی کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو چکی تھی

اس نے لڑکی کو وہیں بیٹھنے کی ہدایت کی۔ اور خود پورٹیکو میں گاڑی سے اتر کر آگے بڑھا۔ اور بیل دی۔

ٹرن۔ ٹرن۔ ٹرن۔

گھنٹی کی آواز سن کر چند لمحوں بعد ایک نوکر نے آکر دروازہ کھول دیا۔

"ڈاکٹر ریاض ہیں؟"

"جی! ـــــ نوکر کچھ سوچنے لگا۔

"سنو! ـــــ ڈاکٹر صاحب سے کہو۔ ایک بہت ضروری کیس کی بنا پر انہیں جانا ہے میں گاڑی لے کر آیا ہوں۔"

سہیل اپنی باتوں کا عکس نوکر کے چہرے پر دیکھنے لگا۔ نوکر کا چہرہ مطمئن دکھائی دیا۔ اس سے اس نے گہرا سانس لیا۔ اور گیلری میں کھڑے ہو کر ہلکی سی سیٹی بجانے لگا۔ لڑکی اسے ترچھی نگاہوں سے اداس انداز میں دیکھ لیتی تھی۔ بارش کا پانی کار کی چھت سے پھسل رہا تھا۔ اور دروازوں کے شیشوں پر سے ہوتا ہوا نیچے بہہ رہا تھا۔ اسے انتظار کرتے ہوئے چند منٹ ہی گزرے تھے۔ کہ ڈاکٹر اپنا بیگ لے کر آگیا۔ اس نے رین کوٹ پہن رکھا تھا۔ سہیل نے ڈاکٹر کو گہری نظروں سے دیکھا۔

"چلئے ـــــ ڈاکٹر! ـــــ وہ بے تابی سے بولا۔

"چلو! ـــــ وہ عجلت سے گاڑی کی طرف بڑھے۔ ڈاکٹر نے پورٹیکو کے بلب کی دھندلی روشنی میں کار کے اندر بیٹھی ہوئی لڑکی کو دیکھا۔

ایک لمحے کے لیے اس کا رنگ اڑ سا گیا۔ لیکن جلد ہی شاطرانہ انداز میں وہ سنبھل گیا۔ اس نے ایک بار پھر لڑکی کو دیکھا۔ بے فکری سے مسکرایا اور کھڑکی کے قریب پہنچ کر بولا۔

"ہیلو لڑکی! کیسی ہو؟ ——" چند لمحے توقف کے بعد بولا —— "میں نے تمہیں چند منٹ رکنے کے لیے کہا تھا۔ مگر تم فوراً ہی بھاگ گئیں۔"

لڑکی کے ہونٹوں پر زہر بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے حیرت تھی —— بوڑھا ڈاکٹر کتنی ڈھٹائی سے جھوٹ بول گیا تھا۔

"ڈاکٹر! —— گاڑی میں تشریف رکھیے! —— اب آپ کو فیس کا شکوہ نہ رہے گا۔"

سہیل نے ڈاکٹر سے کہا اور دروازہ کھول دیا۔ ڈاکٹر اندر بیٹھ گیا۔ سہیل نے اس کے ہاتھ سے بیگ لے کر لڑکی کو تھما دیا۔ اور اپنی سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"ڈاکٹر صاحب! آپ کی بہت مہربانی۔ جو اس موسم میں میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے میں جلد ہی پچھلا ادھار بھی چکا دوں گی اور اس وقت کی فیس بھی آپ کو بہت جلد مل جائے گی۔" —— وہ ممنونیت بھرے لہجے میں کہہ گئی۔ ڈاکٹر کا ہشاش بشاش چہرہ ایک دم پھر تاریک ہو گیا۔ اندھیرے پھیل گئے۔ اس نے گھبرا کر نوجوان سہیل کی طرف دیکھا۔ سہیل کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔ وہ ڈاکٹر کی پریشانی سے محظوظ ہو رہا تھا۔

جب وہ کوٹھی سے کافی دور نکل آئے۔ تو سہیل چونکا۔ ایک لمحے کے لیے مڑ کر لڑکی کو دیکھا جو حزن و ملال کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔

"آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں۔ کہ آپ کو جانا کہاں ہے؟ ——" اس نے سکرین کی طرف دیکھا جس پر وائپر چل رہے تھے۔ اور پانی تیزی سے پھیل رہا تھا۔ وائپر شیشے صاف کرتے چلے جا رہے تھے۔

لڑکی یوں چونکی، جیسے کسی نے اس کے جسم پر ہلکی سی چٹکی لے لی ہو۔

پھر وہ ایک دم پشیمان سی ہو گئی۔

"اوہ! —— میں بھی کتنی بدحواس ہو گئی ہوں۔ آپ کو اپنا پتہ بتانا بھی بھول گئی۔" —— اس کا رنگ شرم سے سرخ ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر نے زہر خند کیا "اب تو بتا دیجئے۔"

"بنک کوارٹرز! —— آپ سمجھ گئے ہیں نا۔"

"ہاں —— میں وہ کوارٹرز جانتا ہوں" —— اس نے اسٹیرنگ کو ایک طرف گھماتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر اس دوران میں لاتعلق سا بیٹھا رہا۔ اس کا پہلے کا سا جوش و خروش ختم ہو چکا تھا۔ اب تو وہ مجبوراً اس سفر کو طے کر رہا تھا اچانک کہیں بجلی گری۔ لڑکی ایک دم سہم کر کھڑکی سے لگ گئی۔ ڈاکٹر کا رنگ زرد ہو گیا۔ مگر سہیل آرام سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔

چند ثانیے گزر گئے اور آخر کوارٹرز آ گئے۔ جب گاڑی کالونی کے قریب پہنچی۔ تو لڑکی بے چینی اور اضطراب محسوس کرنے لگی۔ اس کے لب مرتعش ہوتے مگر رک جاتے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ بڑی کوشش سے ایک مرحلے پہ پہنچ کر اس نے اپنے میں جرأت پیدا کی۔

"دیکھئے! ——" وہ آہستہ سے پر اخلاق لہجے میں بولی —— "میں چاہتی ہوں، آپ مجھے یہیں اتار دیں ——" اس کے لہجے میں تردد اور جھجک تھی۔ "آپ مجھے —— بداخلاق نہ سمجھ لیجئے گا۔ یہاں اترنے کی وجہ یہی ہے۔ کہ آپ میرے ساتھ ہوئے تو ہمسایوں کی کسی قسم کی غلط فہمی کا احتمال ہے۔"

"اوہ! —— وہ اس کا مقصد سمجھ گیا۔ اور اس کے ہونٹوں پہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ اچھل گئی۔ "ٹھیک ہے! لیکن بارش ابھی تھمی نہیں۔"

"اب بارش کا وجود سرد پڑ گیا ہے۔ صرف پھوار پڑ رہی ہے۔ اس سے

مجھے کچھ نہ ہوگا۔"

"جیسے آپ کی مرضی" ——— وہ ثنا سے اچکا کر بولا۔ پھر اس نے گاڑی ٹھہرائی۔ اور ڈاکٹر سے متوجہ ہوا۔

"ڈاکٹر صاحب! ——— آپ ان کے ساتھ جائیے۔ میں واپسی کے لیے آپ کا انتظار کروں گا۔"

ڈاکٹر طوعاً وکرہاً نیچے اترا۔ مگر اب سہیل کے وعدے نے اس کی قدرے ڈھارس بندھا دی تھی۔

"آئیے ڈاکٹر صاحب! ——— جلدی کیجئے! ———" وہ نوجوان کی کھڑکی کے قریب پہنچ گئی۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ! ——— آپ کے اس احسان کو شاید میں کبھی نہ بھول سکوں گی ———" پھر اس نے پلکیں اٹھائیں۔ اور مترنم آواز میں کہا ـ" خدا حافظ!"

"خدا حافظ ———" وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ ڈاکٹر کے ساتھ چلتی ہوئی ڈھلوان سڑک پر اترنے لگی۔ اُسے یوں لگا جیسے کوئی حسین خواب دیکھتے دیکھتے اچانک آنکھ کھل گئی ہو۔ نہ چاہتے ہوئے ایک ٹھنڈی آہ اس کے لبوں سے نکلی۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگایا۔ سگریٹ کا دھواں اس کے حلق سے نیچے اترا اور وہ غیر ارادی طور پر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں بجلی چمک رہی تھی اور بادل گرج رہے تھے۔ اور ان کے ہجوم میں بدستور اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

رات کے گیارہ بج گئے تھے۔ اس کی نظریں اس سڑک پر جمی ہوئی تھیں جہاں سے گزر کر لڑکی گئی تھی۔

لڑکی ڈاکٹر کو ساتھ لے کر نشیبی سڑک پر اتر تی چلی گئی۔ پھر وہ ایک طرف مڑ گئی۔ اس نے ایک گلی مجلت میں پار کی۔ پھر وہ دوسری گلی میں تھوڑی دور چلی اور ایک مکان کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ اس نے جلدی سے دروازے پر دستک دی۔

کھٹ ـــــ کھٹ ـــــ کھٹ کی صدا بھیگی ہوئی فضا کا سینہ چیر گئی۔ دوسرے ہی لمحے کسی نے دروازے کے قریب آکر آواز دی۔

"کون ہے؟ ـــــ" یہ کسی نو عمر لڑکی کی کھنکتی ہوئی آواز تھی۔

"میں ہوں شبیلہ! ـــــ" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"اوہ! آپی! ـــــ آپ ہیں"

دوسرے لمحے دروازہ کھل گیا۔ صحن میں بلب کی مردہ سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی میں ایک پندرہ سولہ سالہ حسین لڑکی بڑے اداس انداز میں آنے والوں کے استقبال کے لیے کھڑی تھی۔ بارش سے بچنے کے لیے دیوار کی اوٹ میں ہو گئی تھی۔

"ہا ـــــ ہائے ـــــ آپی! آپ تو بالکل بھیگ گئی ہیں ـــــ"

لڑکی کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"کوئی بات نہیں نجمی! ـــــ ابھی کپڑے لوں گی ـــــ" پھر اس نے پلٹ کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

"آئیے ڈاکٹر صاحب!"

ڈاکٹر ان کے پیچھے پیچھے اندر جانے لگا۔ وہ برآمدے سے گزر کر ایک کمرے میں آ گئے۔ گھر تین کمروں پر مشتمل تھا۔ کمروں کے علاوہ ایک کچن بھی تھا۔ ایک مختصر سا غسل خانہ جس کے لیے برآمدہ کافی تھا۔

کمروں کو متوسط طریقے پر آراستہ کیا گیا تھا عسرت کے باوجود کمروں کی آرائش سے ـــ نفاست اور سلیقے کا اظہار ہوتا تھا۔ فرنیچر گو معمولی تھا۔ مگر صاف ستھرا تھا۔ معمولی کپڑے کے اجلے کشن صوفوں پر پڑے تھے۔ تمام کمروں میں روشنی ہو رہی تھی۔ سب کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے پہلی ہی نظر میں سارے مکان کا جائزہ لے لیا ـــ

جس کمرے میں وہ آئے وہ اس کے والدین کا بیڈ روم تھا۔ ڈاکٹر کو دیکھ کر لڑکی کی ادھیڑ عمر والدہ اٹھ کر کھڑی ہوگئیں۔

"بڑی دیر سے آئی ہو شبیلہ بیٹی!! ـــ" اس کی ماں نے پیار سے شکوہ کیا۔

شبیلہ نے ایک لمحے کے لیے اپنے والد کی طرف دیکھا جو آرام سے بیڈ پر سو رہے تھے۔ ان کے صاف چہرے پر نقاہت کے آثار نمایاں تھے۔ کسی زمانے میں وہ ایک وجیہہ انسان رہے ہوں گے۔ مگر زمانے کے سرد و گرم نے ان کے تمام حسن کو جلا دیا تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں بند تھیں۔ مگر ان کا سانس ہموار تھا جس سے شبیلہ نے ایک اطمینان کا سانس لیا۔ اپنے والد کی طرف سے نظریں ہٹا کر اپنی پیاری امی کو دیکھا۔

"امی جان! ـــ دیر ہو ہی گئی۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب! ـــ میرے ساتھ آ گئے ہیں۔ ـــ" شبیلہ نے ملائم آواز میں کہا۔

"اب ان کی ضرورت نہیں بیٹی! ـــ" اس کی امی نے اخلاق آمیز لہجے میں کہا۔

شبیلہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اور اس نے چونک کر پریشان انداز میں دوبارہ اپنے والد کی طرف دیکھا۔ وہ پڑے سو رہے تھے۔ اس سے اس

کی گرتی ہوئی ہمتیں استوار ہوگئیں۔ اور اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"ڈاکٹر صاحب کی ضرورت نہیں رہی۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ امی جان ——" وہ تذبذب سے بولی —— وہ کچھ نہ سمجھ پائی تھی۔ دفعتاً اس کی نگاہ نجمی پر پڑ گئی۔ جو نظریں نیچی کئے شرمیلے شرمیلے انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں بیٹی! —— تمہارے جانے کے بعد تمہارے ابا کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ نجمی سے ان کی حالت دیکھی نہ گئی اور وہ سامنے والے ڈاکٹر کو بلا لائی۔ جو نئے نئے آکر اس کوٹھی میں ٹھہرے تھے۔ بڑے ہی خدا ترس اور رحمدل انسان ہیں۔ ابھی دنیا اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی —— "شبیلہ کی امی تشکر کے لیے رکیں اور ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر بولیں —— " ابا ان ڈاکٹر کو ہی دیکھ لو، اتنی بارش میں ہم غریبوں پر ترس کھانے آگئے ہیں۔ خدا ان کو اس نیکی کا صلہ دے گا۔"

وہ خاموش ہوگئیں اور ڈاکٹر کو یوں محسوس ہوا۔ جیسے اس پر کسی نے گھڑوں پانی ڈال دیا ہو۔ اسے ایک دم پسینہ آگیا۔ مگر پھر دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل گیا۔

"میری اب ضرورت نہیں رہی ہے! —— اچھا مجھے اجازت دیجئے۔"

"شکریہ ڈاکٹر صاحب! —— آپ یہاں تک آئے مہربانی —— میں دو چار روز میں آپ کے پیسے پہنچا دوں گی —— ڈاکٹر لمبے لمبے قدم رکھتا باہر آگیا۔ شبیلہ اپنی امی کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اسے یاد بھی نہ رہا کسی نے اس پر احسان کیا ہے اور کوئی اس کے حسین تصور کو ذہن کے پردوں میں چھپائے گاڑی میں بیٹھا ہے۔

"امی جان! —— خدا کا شکر ہے —— اباجی کی طبیعت سنبھل گئی —— مجھے تو کھلاہٹ میں یاد ہی نہ رہا کہ تھوڑے ہی دن تو ہوئے ہیں ہمارے

پڑوس میں ڈاکٹر صاحب کو آئے ہوئے ــــــ خدا ان کا بھلا کرے ــــــ"
وہ اطمینان سے بولی۔

"اپی! ــــــ بڑے ہی اچھے آدمی ہیں ــــــ میرے ذرا کہنے پر ہی اتنی رات گئے بھاگے ہوئے آ گئے تھے۔ ان کی بیگم بھی بڑے ملنسار عورت ہیں۔ اور بچے کتنے گول مٹول اور پیارے ہیں ــــــ" مجھی نے بڑے بھولے انداز میں ڈاکٹر کی تعریف کی۔

"خدا انھیں نظر بد سے بچائے ــــــ" اس کی امی نے ڈاکٹر کے بچوں کو دعا دی۔ اور شبیلہ اپنے والد کو محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ پھر وہ کپڑے بدلنے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

سہیل نے سامنے سے آتے ہوئے ڈاکٹر کو چونک کر دیکھا۔ اور سگریٹ کا ادھ جلا ٹکڑا پھینک کر ڈاکٹر کیلئے ساتھ والا دروازہ کھول دیا۔ ایک لمحے کے لیے ڈاکٹر کو اکیلا دیکھ کر اس کے دل میں ہلکی سی چبھن کا احساس ہوا تھا۔ اور وہ مغموم سا ہو گیا تھا مگر اس نے اپنی کمزوری کو زیادہ ابھرنے نہ دیا۔

"کیوں ڈاکٹر ــــــ بڑی جلدی آ گئے؟"

"وہاں پہلے ہی کوئی دوسرا ڈاکٹر ہو کر چلا گیا ہے ــــــ" ڈاکٹر نے ناگواری سے کہا۔

"اوہ! ــــــ ویسے مریض کا کیا حال ہے ــــــ" اس نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

"نارمل پوزیشن ہے ــــــ" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ڈاکٹر کو کوٹھی پر اتار دیا۔ ڈاکٹر اندر جانے لگا۔ مگر اس نے اسے روک لیا۔ اور اس کی فیس اسے دا کر دی۔ اور خود گاڑی لے کر اپنی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔

سہیل نے گاڑی اپنی کوٹھی کے پورچ میں کھڑی کر دی۔ اور خود اتر کر اندر چلا گیا۔ رات نصف کے قریب گزر چلی تھی۔ سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ اس نے نوکر کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اور خود بھی سیڑھیاں چڑھ کر اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔

سہیل ڈنر کے بعد عموماً گاڑی میں گھومنے جایا کرتا تھا۔ آج کی تفریح تو اس کے لیے دلچسپ حادثہ بن گئی تھی۔ اُسے وہ جذبات ملے تھے جس کی اس نے ابھی تک آرزو نہیں کی تھی۔ وہ شوخ و رنگین اور کھلنڈرا نوجوان تھا جس نے پچھلے سال ایم۔ اے۔ اکنامکس کیا تھا۔ اس کی فطرت میں لاابالی پن تھا اور شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ زندگی کو ایک کیف سمجھ کر گزارنا چاہتا تھا۔ اور اسی کیف کے سہارے وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

سہیل ایک خوب صورت اور وجیہہ نوجوان تھا۔ اس کا قد لانبا اور رنگ سرخ و سفید تھا جسم کسرتی معلوم ہوتا تھا۔ گھر میں فراغت تھی، اس لیے وہ نازو

نعم میں پلا تھا۔ اور کبھی کسی چیز کے لیے تردد نہ کرنا پڑتا تھا۔ ذرا سے اشارے پر ہر چیز مہیا ہو جاتی تھی۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں ہر وقت خواب سے تیرتے رہتے تھے۔

اس کے والد افتخار احمد خالص کاروباری آدمی تھے۔ ان کی فطرت اپنے بیٹے سہیل کے بالکل برعکس تھی، وہ متکبر، متلون مزاج اور سخت گیر انسان تھے وہ دولت کو ایمان سے بھی زیادہ فوقیت دیتے تھے۔ انھیں اپنے غریب عزیزوں سے نفرت تھی۔ وہ انھیں اپنے سامنے بالکل برداشت نہیں کرتے تھے۔ انھیں دیکھتے ہی وہ سیخ پا ہو جاتے اور ان کی پیشانی پر شکنیں ابھر آتیں۔

انھیں اپنی ذات کے سوا کسی دوسرے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اور نہ وہ کسی کو اپنے سے زیادہ فوقیت دیتے تھے۔ ان کا شمار شہر کے رؤسا میں.. ہوتا تھا۔ لاکھوں کا کاروبار تھا۔ کتنے ہی امپورٹ لائسنس انھیں ملے ہوئے تھے۔ جو ان کی دولت میں روز بروز اضافے کا باعث بن رہے تھے۔ ان کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ تھی۔ مگر ان کی صحت قابل رشک حد تک اچھی تھی رنگ سرخ وسفید اور کاٹھی مضبوط تھی۔ بال کنپٹیوں پر سے سفید ہو گئے تھے۔ جو ان کے مردانہ حسن میں اضافہ کا باعث بنے ہوئے تھے۔ ان کی شخصیت کافی وجیہہ تھی۔

سہیل کے علاوہ ان کے تین بچے اور تھے۔ ایک راحیل جو عمر میں سہیل سے بڑا تھا۔ اور سنجیدہ، کم گو اور ملنسار انسان تھا۔ افتخار احمد کے تمام کاروبار کا نگراں ان دنوں وہی تھا۔ ارم ان کی بڑی لڑکی تھی جو بی۔ اے کی طالبہ تھی۔ خوش شکل اور خوش گفتار ـــــ اس کے علاوہ ننھی شاہدہ جس کی.. معصوم شرارتوں سے یہ گھر مسکراہٹ کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔

یہ مختصر سا خاندان عیش و عشرت اور دولت و ثروت کے سایے میں ہنسی خوشی زندگی کے دن گزار رہا تھا۔ انھیں نہ فکرِ فردا تھی اور نہ فکرِ امروز ــــــ ان کے لیے ہر صبح کا سورج خوشی کا پیغام لاتا تھا۔

لیکن اس وقت صبح نہیں رات تھی اور سہیل نظروں کے تیر کھا کر واپس لوٹا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے نازک اندام شبیلہ کا حسن لہرا رہا تھا۔ کیف و مستی کے رنگین زاویے پیش کر رہا تھا جن میں وہ ڈوب ڈوب جاتا۔ فطرةً لاپرواہ ہونے کے باوجود وہ ان رنگوں کے زاویے۔ سے باہر نکل پا رہا تھا۔ اس کے دل کی لے کی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

اس کے اعصاب جھنجھنا رہے تھے۔ اس نے بڑی بے دلی سے سلیپنگ سوٹ پہنا تھا۔ اور بیڈ پر پہنچا تھا۔ کمرہ ایر کنڈیشنڈ تھا۔ جہاں ذرا بھی گرمی کا احساس نہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ بارش ہو جانے کی وجہ سے موسم اتنا گرم بھی نہ رہا تھا۔

وہ بستر پر لیٹا برقی لیمپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نیند اس کی آنکھوں سے بہت دور ہو چلی تھی۔ تصورات کے دائرے بڑھتے ہی چلے جا رہے تھے۔ رنگوں کے زاویے لاتناہی سلسلوں میں تبدیل ہونے لگے تھے۔ اس کے ذہن کے آئینے میں بار بار شبیلہ کی خوبرو شبیہہ منعکس ہو رہی تھی

وہ کتنی حسین اور دلربا تھی۔ اس رنگین تصور سے اس کے ہونٹوں پر ایک افسردہ سی آہ دم توڑ دیتی اور اس کے دل میں درد تیزی سے مچلنے لگتا۔ اس نے کتنی ہی تھکن آلود کروٹیں بدل ڈالیں۔ مگر وہ نیند کو بلا نہ سکا۔ آج رات اچانک پیدا ہونے والے تصور سے وہ نجات نہ حاصل کر سکا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ اس نے کتنی شان بے نیازی سے اس کے ساتھ وقت

گزارا تھا۔ اسے ذرا بھی لفٹ نہ دی تھی۔ اپنی کسی حرکت سے اُسے ملتفت جذبوں کا پیغام نہیں دیا تھا۔ بلکہ اُسے بڑے موڈبانہ طریقے پر اپنے راستے سے الگ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور وہ بھی اس کے راستوں سے الگ ہو جانا چاہتا تھا۔ مگر چاہنے کے باوجود بھی الگ نہ ہو پا رہا تھا۔ جانے اس نے اسے یاد بھی کیا ہوگا یا نہیں۔ اجنبی لوگوں کو کون یاد رکھتا ہے۔ اس تصور سے وہ افسردہ سا ہو جاتا تھا۔

اسی کش مکش میں وہ کروٹیں بدلتے بدلتے آخر کار نیند کی پُرسکون وادی میں اتر گیا۔

صبح جب نوکر نے اسے بیڈ ٹی کے لیے بیدار کیا۔ تو سورج کی سنہری کرنیں کھڑکیوں اور روشندانوں سے چھن چھن کر اس نئے کمرے کے قیمتی سامان سے کھیل رہی تھیں

اس نے جلدی جلدی چائے پی۔ اور فوراً ہی باتھ روم میں چلا گیا۔

چند لمحوں بعد وہ لباس تبدیل کر چکا تھا۔ پھر اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بال سنوارے اور نیچے اتر آیا۔ اس کے قدم ڈرائنگ روم کی جانب اٹھ رہے تھے۔

جب وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو میز پر ناشتہ لگ چکا تھا۔ اس کے ڈیڈی افتخار احمد چھری سے ٹوسٹوں پر مکھن لگا رہے تھے۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"آج دیر سے بیدار ہوئے ہو بیٹے!" ـــــ انھوں نے متانت سے کہا۔ سہیل کے چہرے پر خفت سی پھیل گئی۔ مگر اس نے جلدی سے خود کو سنبھال لیا۔ اس کی نگاہیں اچانک ارم اور شاہدہ پر پڑیں۔ ان کے ہونٹوں پر دبی

مسکراہٹیں لرز رہی تھیں۔ اس نے ان کی طرف دیکھ کر گردن ہلائی۔ پھر ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ کیونکہ افتخار احمد کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

"ڈیڈی اتنی زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی۔ ابھی تو ناشتہ لگا ہی ہے ——" پھر اس نے افتخار احمد کی دوسری طرف والی خالی کرسی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ڈیڈی! —— بھائی جان نظر نہیں آئے۔"

"بھائی جان شاید بھابی جان کی تلاش میں صبح ہی گھر سے نکل گئے ہیں۔" شاہدہ شوخی سے بولی۔

"چپ، دشریر! ——" ارم نے اسے ڈانٹا۔ اس پیار بھری ڈانٹ سے شاہدہ زور سے ہنسی۔ وہ دس گیارہ سالہ بڑی ہی شوخ ڈھنگ، اور معصوم سی صورت والی لڑکی تھی۔ وہ بڑے انداز میں باتیں کرتی تھی۔ اس کی باتوں سے سب ہی لطف اٹھاتے تھے اور اس کے اندازِ تخاطب پر سب کو پیار آجاتا تھا۔ شاہدہ کی بات سے افتخار احمد بھی زیرِ لب مسکرانے لگے تھے۔ اور شرم و حیا سے ارم کے رخسار گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح دکھائی دینے لگے تھے۔

"بیٹے تمہارے بھائی جان! کسی ضروری کام کی وجہ سے صبح سویرے ہی گھر سے نکل گئے تھے ——" افتخار احمد نے فخر سے کہا۔

"خالص کاروباری نوجوان جو ٹھہرے۔"

وہ اس کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ سہیل نے جلدی سے نگاہیں جھکا لیں۔ اور فوراً ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے کرسی پر بیٹھتے ہی اس کے والد نے اسے پھر گھورا۔

"میں چاہتا ہوں تم بھی ایک اچھے بزنس مین بن جاؤ۔ اور اپنے بھائی کا ہاتھ بٹاؤ۔"

"ڈیڈی! ___ میری تو یہی کوشش ہے کہ آپ کے خیالات کو عملی جامہ پہنا۔"

سکول ___" وہ ادب سے بولا۔

"ڈیڈی! ___ بھیا کو شوخیوں اور شرارتوں سے فرصت ملے تو یہ کاروبار کی طرف متوجہ ہوں نا ___ ارم ناشتے کی پلیٹ اپنی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"باجی! ___ بڑوں کی باتوں میں چھوٹوں کو دخل نہیں دینا چاہیئے آپ آرام سے ناشتہ کیجیئے! ___ بھائی جان کو آپ نے بچہ سمجھ رکھا ہے کیا۔؟"

" شاہدہ ایسی معصومیت سے بولی کہ افتخار احمد قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔ سہیل بھی زور زور سے ہنسنے لگا۔ ارم خفت مٹانے کی غرض سے پلیٹ سے ٹوسٹ اٹھا کر چبانے لگی۔

" تم کونسا کم ہو اسی لیے بھائی جان کی حمایت میں چہک رہی ہو ___"

ارم ٹوسٹ چباتے چباتے بولی۔

" خدا ہمارے بھائی جان کو ہمیشہ شوخ ہی رکھے! ___ شاہدہ نے بڑی بوڑھوں کی طرح منہ بنا کر کہا۔

" اچھا بڑی بی! ___ اب زیادہ باتیں نہ بناؤ اور ناشتے کی طرف دھیان دو ___" ارم نے شاہدہ کو متانت سے ڈانٹا۔

ابھی انھیں ناشتہ کرتے ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ دفعتاً باہر گیلری میں ایک مردانہ آواز گونجی ___ "ارے بھئی سہیل بھیا کہاں ہیں ___"

یہ ارشد کی آواز تھی۔

" وہ ناشتہ کر رہے ہیں ___" نوکر نے ادب سے جواب دیا۔

ارشد کی آواز سن کر افتخار احمد کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ ارشد ان کے مرحوم بڑے بھائی کا لڑکا تھا۔ سہیل اور ارشد ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے تھے۔ ارشد کے والد

اپنی عافیت اندیشی سے اتنی جائیداد چھوڑ گئے تھے جس سے وہ اپنے مصارف با آسانی پورے کر سکتا تھا۔ شہر میں وہ ایک چھوٹے سے مکان میں رہائش پذیر تھا۔ اور بی اے کا اسٹوڈنیٹ تھا۔ میانہ قامت کا اچھا خاصا شکیل آدمی تھا۔ ہر حال میں خوش رہنے کو زندگی کا نصب العین سمجھتا تھا۔ اسی لیے وہ بڑے سے بڑا زخم کھا کر بھی مسکرا تا رہتا تھا ــــ زمانے نے اسے بڑے بڑے گھاؤ لگائے تھے مگر اس کی مسکراہٹ میں فرق نہ آیا تھا۔

افتخار احمد اس کی آواز سن کر کبیدہ خاطر ہو گئے تھے۔ ان کے چہرے پر ناگوار تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ وہ بے چینی سی محسوس کرنے لگے تھے۔

"کمبخت، جانے کیا سمجھ کر یہاں آجاتا ہے!! ــــ ــــ وہ خود ہی تلخی سے بڑبڑائے۔ سہیل نے نظر اٹھا کر اپنے والد کو دیکھا۔ اس کی نظروں میں شکایت تھی۔ ایسی ہی نظروں سے ارم نے بھی افتخار احمد کو دیکھا اور اس کے چہرے پر تاریکی سی لہرا گئی تھی جیسے اپنے ڈیڈی کی یہ بات اُسے سخت ناگوار محسوس ہوئی تھی۔

"ڈیڈی! وہ اپنے انکل کا گھر سمجھ کر یہاں آتا ہے: ــــ" چائے کا گھونٹ حلق سے اتار کر سہیل نے سنجیدگی سے کہا۔

"میرے بھائی کی موت کے بعد یہ رشتہ ختم ہو گیا تھا۔ اب ہمارا اس آوارہ اور قلاش لڑکے سے کوئی تعلق نہیں ہے ــــ" وہ اپنے بیٹے کی طرف تیز نظروں سے دیکھ کر بولے۔ انھیں جیسے جوش آگیا تھا۔

"ڈیڈی! ارشد بھائی! ــــ آوارہ نہیں بلکہ بہت سلجھے ہوئے باذوق انسان ہیں۔ اگر وہ قلاش ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ آوارہ بھی ہو۔ سب ہی قلاش لوگ آوارہ نہیں ہوتے ..... ــــ سہیل نے مؤدبانہ طریقے سے اپنے خیال

کا اظہار کیا۔

اس کے والد جھنجلا گئے ——— "تم مجھے سمجھانے چلے ہو۔ تم نہیں جانتے ان قلاش لوگوں کو ——— جہاں ذرا دولت دیکھتے ہیں جیب کاٹنے شروع کر دیتے ہیں۔" وہ جوش میں بھر گئے۔

"ڈیڈی آپ ارشد بھائی کے متعلق اس نظریے سے مت سوچیے! آخر آپ کا خون ہے ——— سہیل نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"خون! ——— ہونہہ! ——— میں تو سوچ رہا ہوں۔ اس خود پر یہاں نہ آنے کی پابندی لگا دوں۔"

"ایسا غضب نہ کیجیے گا ڈیڈی! ——— سہیل نے اپنے لہجے میں پریشانی اور بے چارگی لا کر کہا۔ ارم گھبرائی گھبرائی اور مغموم دکھائی دینے لگی تھی۔

"ارے بھئی! ——— کیسے غضب کی باتیں ہو رہی ہیں ——— ارشد نے ——— مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ پھر فوراً ہی رک کر اس نے افتخار احمد کی طرف دیکھا ——— "انکل سلام عرض کرتا ہوں۔"

افتخار احمد نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ نیپکن سے ایک ثانیے کے لیے ہاتھ پونچھے اور پھر اسے زور سے ڈائننگ ٹیبل پر پھینک دیا۔ تمکنت وغرور اور نفرت بھرے انداز میں انہوں نے ارشد کو ایک نظر پلٹ کر دیکھا اور باہر نکل گئے۔ ان کے اس انداز سے ارشد کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آیئے! ——— ارشد بھائی تشریف رکھیے! ——— سہیل نے مسکراہٹ سے اس کا خیر مقدم کیا۔

"ارے بھئی! جب آ ہی گئے ہیں۔ تو تشریف کیوں نہیں رکھیں گے ———"

اس نے ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"ناشتہ کیجیے بھائی جان!" ——— شاہدہ نے اپنی پیاری آواز میں ارشد کو ناشتے کی دعوت دی۔
"نہیں ننھی گڑیا ——— میں ناشتہ کر آیا ہوں ———" اس نے ایک کرسی پر بیٹھ کر شاہدہ کے سر پر پیار سے ہاتھ مار کر کہا۔ وہ مسکراتی ہوئی آنکھوں سے ــ کنکھیوں سے اسے دیکھنے لگی۔ ارم بھی گھبرائی گھبرائی چور نظروں سے شرم آلود انداز میں اسے دیکھ لیتی تھی۔
ارشد نے ناشتہ کی میز پر اس کے بالکل قریب بیٹھا تھا۔ اور وہ بڑے متکلف انداز میں چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ شرم سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا دل کی دھڑکنیں بڑھ گئی تھیں۔ سہیل نے کپ ارشد کے آگے رکھ دیا۔ اور ارشد ایک ایک گھونٹ حلق سے نیچے اتارنے لگا۔ سہیل اس کے سوچوں میں ڈوبے ہوئے ــ چہرے کا جائزہ لینے لگا۔
"کہاں کھوئے ہوئے ہو ارشد ———" سہیل نے متبسم ہو کر کہا۔
"ایک پھیکی مسکراہٹ ارشد کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔
"کہیں نہیں! ——— اس نے سہیل کو گہری نظروں سے دیکھ کر خوشگوار لہجے میں کہا۔
"ڈیڈی کے اٹھ کر جانے کی وجہ تو تمہاری سوچوں کا باعث نہیں بنی ہوئی ہے؟"
پھر ایک لمحے کے لیے رکا۔ کہ اس نے اپنی بات کا ردعمل ارشد کے چہرے پر تلاش کرنا چاہا۔ مگر وہاں اسے کسی قسم کے جذبات دکھائی نہ دیئے۔ صرف ہلکا سا اندھیرا ایک ثانیے کے لیے اسے محسوس ہوا۔ پھر وہ سادہ تھا۔ مگر اس کی دلگر

بین نظریں معاملہ بھانپ گئیں۔ وہ کہنے لگا — "پاپا کا مزاج آج کل کچھ سخت رہنے لگا ہے۔ ان کی بات کا برا ماننا نہیں چاہیے۔ ہم بھی ان کی کسی بات کا برا نہیں مانتے — تم تو اپنے ہو — اپنا خون ہو —"

"خون کا ہی جوش ہے جو مجھے یہاں کھینچ لاتا ہے — انکل میرے بزرگ ہیں، میں ان کی کسی بات کا برا نہیں منا سکتا — یہ کہہ کر اس نے ارم کے چہرے پر نظریں ٹکا دیں۔ اس کے گرم گرم نظروں کے لمس کو ارم نے اپنے چہرے پر محسوس کیا۔ اور وہ شرم و حیا سے بے خود سی ہو گئی۔ پھر اس نے ترچھی نظروں سے ارشد کو دیکھا۔ ارشد کو محسوس ہوا جیسے اس کی نگاہوں میں پیار بھری شکایت مچل رہی ہو۔ نظریں جیسے آنکھ مچولی کھیل رہی ہوں۔ اگر تم اپنے ہو تو اپنائیت کا اظہار کیوں نہیں کرتے۔ ان جذبوں کو اچھال کر سامنے کیوں نہیں لاتے۔ جن میں چاہت اور اپنائیت ہوتی ہے۔ وہ جذبے آخر کب تک پڑے سوتے رہیں گے۔ کلیاں کب چٹکیں گی۔ پھول کب مہکیں گے۔ سپنے خوش گوار تعبیر میں کب ڈھلیں گے۔ بہلتی ہوئی زندگی کب اپنی راہ دکھائی دے گی۔ مچلتی امنگوں، تڑپتی آرزوؤں اور تشنہ نوازیوں کو سنوارنے کی ساعت کب نصیب ہوگی؟

اس نے خفیف سا ہو کر نظریں پھیر لیں۔ کہیں اس کے دل کا چور باہر نہ آجائے؟ کوئی اس کے دل کے سربستہ راز کی گہرائی تک نہ پہنچ جائے؟

"مجھے آپ سے جواب سے بے حد مسرت ہوئی ہے — ارشد! — یہی تو اپنائیت ہے۔ اپنا اپنا ہی ہوتا ہے — سہیل نے ملائم آواز میں کہا۔

"اپنا کیا ہوا بھائی جان — ارشد بھائی تو میرے بڑے اچھے بھائی جان ہیں" شاہدہ نے توسٹ کا ٹکڑا دانتوں سے کاٹ کر بڑی معصومیت سے کہا۔

"ارے تمہارا ناشتہ ابھی تک ختم نہیں ہوا — "سہیل نے ہنس کر کہا۔

"یہ بڑی پیٹو ہو گئی ہے بھیا! ــــ ارم نے شرمیلے انداز میں کہا۔
"آپ سے تو کم ہی ہوں باجی!" ــــ آپ بھی تو ابھی تک کھا رہی ہیں ـ" شاہدہ ٹوسٹ پلیٹ میں رکھ کر چائے کا گھونٹ حلق سے نیچے اتار کر بولی۔ ارشد اور سہیل زور سے ہنسنے لگے۔
"موٹی ہو جاؤ گی ــــ اور موٹی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں۔ تمہارے بھلے کی ہی کہہ رہی ہوں۔ میری بلا سے خوب کھاؤ ــــ اتنا کھاؤ کہ تم پھول کر کپا ہو جاؤ ــــ" ارم نے خفت مٹانے کی غرض سے سنجیدگی سے کہا شاہدہ نے ارم کی طرف نظریں پھیر کر دیکھا۔
"باجی! ــــ آپ میری فکر نہ کیجئے! خود پر نظر رکھیئے! ــــ ارم نے کوئی جواب نہ دیا۔
"اب اس نوک جھونک کو بند کرو بھئی! ــــ سہیل نے شاہدہ کو پیار سے ڈانٹ پلائی۔
ارشد نے شاہدہ کے سر پر پیار سے ایک دھول جما دی۔
"اوئی! اللہ! بھائی جان! آپ نے کتنے زور سے مارا ہے ــــ شاہدہ نے شوخی سے منہ بنا کر کہا۔
سب مسکرانے لگے۔
ناشتہ ختم ہو گیا۔ اور وہ لوگ اٹھ کر ڈرائینگ روم میں آ گئے۔ انھیں مسرت بھرے انداز میں ڈرائینگ روم میں جاتے افتخار احمد نے اپنے سٹڈی روم کی کھڑکی سے دیکھا۔ اور ان کی پیشانی پر سلوٹیں گہری ہو گئیں۔ جو ان کے دل میں پھیلی ہوئی نفرت کی غماز تھی۔ اذیت جو انھیں ارشد سے تھی ــــ اس کی غربت تھی ــــ اس کے یہاں آنے سے تھی ــــ اپنے بچوں سے

ساتھ میل جول سے تھی ——— اور ارشد! ——— اس نفرت کو۔۔ محسوس کرتے ہوئے بھی بے پرواہ تھا ——— وہ جانتا تھا۔ کہ ایک دن یہ نفرت محبت میں ضرور بدل جائیگی

"ابا جی! ——" شبیلہ نے محبت بھرے انداز میں مسرت سے کہا۔
"خدا کا شکر ہے آپ کی صحت بحال ہوگئی۔"

"ہاں بیٹی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے —— ذرا نقاہت سی ہے۔ وہ بھی دور ہو جائے گی۔"

شام کا وقت تھا۔ وہ برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ شبیلہ کروشیے سے جھالر بنا رہی تھی اسے اپنے کمرے کا ٹیبل پیس آراستہ کرنا تھا۔ نجمی کچن روم میں گھسی رات کے کھانے کا بندوبست کر رہی تھی۔ نجمی الہڑ لاپرواہ اور بے فکر لڑکی تھی۔ کالج کا پہلا سال تھا۔ گھر میں عسرت و ناداری تھی۔ مگر وہ ہر حال میں خوش رہنا جانتی تھی۔ اس کی بڑی بڑی مسحور کن آنکھوں میں ہر وقت شوخی ناچتی رہتی تھی۔ گالوں پر لاابالی فطرت کے رنگ بکھرے رہتے تھے پھیلتے رہتے تھے۔ اور بڑھتے رہتے تھے اگر اسے کبھی اپنے خاندان کی بے مائیگی، مجبوری اور بے بسی کا احساس ہوتا تو وہ شوخ قہقہوں کے بیچ اس احساس کو غبار کی طرح اڑا دیتی تھی۔

اس کے قہقہوں سے گھر میں خوشیاں بسیرا کر لیتی تھیں۔ سب ہی اسے محبت کی نظر سے دیکھتے تھے اور بچوں کے لیے اپنے تلخ احساسات کو بھول جاتے تھے۔ اس کے برعکس شبیلہ بہت حساس اور جذباتی لڑکی تھی۔ اسے گھر کی ناداری بے کل رکھتی تھی جو اندر ہی اندر اسے گھن کی طرح چاٹ رہی تھی۔ اس کے شب و روز زندگی میں گزرتے تھے۔ تلخیوں کے غبار اس کے ذہن کے راستوں پر اڑتے رہتے تھے۔

غبار جس قدر اس کے ذہن کے گرد ہر آن محیط ہوتا جا رہا تھا۔ اور اسے غم زدہ رکھتا تھا۔ وہ ہر وقت خیالوں میں ڈوبی رہتی تھی۔ اس کی امی رابعہ بیگم اور اس کے والد ارشاد احمد اس کے قریب تھے۔ مگر وہ ان کی موجودگی کو نظر انداز کیے تصورات میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور ڈوبتے سورج سے پیدا ہونے والی شفق کی لالی کو حسرت سے تک رہی تھی۔

"کن خیالوں میں کھوئی ہوئی ہو بیٹی! ———" رابعہ بیگم نے اسے مخاطب کیا۔

شبیلہ نے چونک کر ایک ٹھنڈی آہ بھری اور اپنی ماں کی طرف حسرت ناک نگاہوں سے دیکھا جن میں درد و غم کی جھلک نمایاں تھی۔

"امی جان! ——— زندگی کی تلخیوں کے بارے میں سوچ رہی ہوں ———" شبیلہ نے معصوم لہجے میں کہا۔

رابعہ بیگم کا چہرہ یکدم تاریک ہوگیا اور اس پر مضطرب تاثرات پھیلنے لگے۔ انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔ مگر لب نہ ہل سکے۔ ارشاد احمد نے اپنی بیٹی کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ ایک پھیکی اور سوگوار مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر ابھری، پھیلی اور ایک درد بن کر سمٹ گئی۔

"بیٹی! ـــــ جب تک میں زندہ ہوں، تمہیں کیا ضرورت کہ ان تلخیوں سے ؟
پھر انہوں نے اپنی آواز میں لاپرواہی لاکر کہا ـــــ "اور اب تو میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔ اب تمہیں کسی تردد کی ضرورت نہیں "
ارشاد احمد مسکرانے لگے۔ شبیلہ جانتی تھی۔ اس شفاف مسکراہٹ کے پس منظر میں کیسے خوفناک غم لہریں لے رہے ہیں۔
"خدا آپ کو جلد صحت دے میرے ابا جان! ـــــ" شبیلہ کا لہجہ اداس تھا ـــــ "کاش! کوئی ہمارا بھی عزیز ہوتا ـــــ ہم بھی کسی کو اپنا کہہ کر پکار سکتے۔"
ارشاد احمد کو یوں لگا جیسے کسی بے درد نے ان کا دل چٹکی میں لے کر مسل ڈالا ہو۔ ان کے چہرے پر درد کی لہر سی بکھر گیا۔
"میں ہوں تمہارا بیٹی! ـــــ" وہ مردہ چند لمحوں کے لیے بولے ـــــ "رشتوں پر نہ جاؤ۔ یہ کبھی کسی کے نہیں ہوتے۔ عزیزوں کے ہوتے ہوئے بھی انسان بعض اوقات اکیلا ہوتا ہے۔ اس دنیا میں کوئی کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ کوئی کسی کا نہیں ہوتا۔"
"ابا جان! ـــــ میرا مطلب تھا کوئی آپ کا بھائی ہوتا۔ جو اس وقت آپ کے دکھ درد میں شریک ہوتا۔ اپنائیت کا احساس دلاتا ـــــ" شبیلہ کی آواز بھر آسی گئی۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔ ـــــ "یا کوئی ہمارا بھائی ہوتا۔ جس کے ہوتے ہم اتنے بے بس نہ ہوتے۔ ہم لڑکیاں ہیں، ہم آپ کے کس کام آسکتی ہیں یہ بھی کوئی جینا ہے ـــــ اب کوڈ سنگ سے دو بھی میسر نہیں آتی۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے جس میں انسان بے بس و لاچار ہے ـــــ" اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔
"بیٹی! ـــــ" سسکیوں میں ڈوبی ہوئی چیخ۔ ان کے ہونٹوں سے نکلی۔

اور کرب بن کر صحن میں بکھر گئی۔ ——— "یہ تم نے کیا کہہ دیا ہے بیٹی! ——— میں نے تو آج تک کوئی شکایت نہیں کی۔ میں نے تو کبھی بھائی نہ ہونے کا شکوہ نہیں کیا۔ میں نے تو بیٹا نہ ہونے کا بھی گلہ نہیں کیا۔ میں نے تمہیں اور نجمی کو ہی بیٹوں کی طرح سمجھا ہے۔ ایسی شکایتیں تو مجھے کرنی چاہئیں۔ ایسے گلے تو میری طرف سے ہونے چاہئیں۔ ایسے شکوے کرنا تو میرا کام تھا۔ مگر میں نے تو تلخیوں کو بھی ہمیشہ ہنس ہنس کر اپنایا ہے۔ میں نے کبھی مصیبتوں کے سامنے سرنگوں کیا۔ تمہیں بھی حالات سے ہار نہ ماننی چاہیئے بیٹی۔ انسان حالات بدلنے کی طاقت رکھتا ہے۔ حالات انسان کو نہیں بدل سکتے۔ سدا یہ دن نہ رہیں گے۔ یہ دور ضرور بدلے گا۔ تم اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔ تم پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ تمہیں اس طرح کی باتیں نہ کرنی چاہئیں۔"

وہ چند لمحوں کے لیے رکے اور گہری نظروں سے ماں بیٹی کو دیکھا۔ رابعہ بیگم کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے تھے۔

"رابعہ! تم بھی بچی بن گئی ہو۔ تمہیں چاہیئے تھا بیٹی کو حوصلہ دیتیں۔ اس کی ہمت بڑھاتیں۔ تم خود ہی ہمت ہار بیٹھی ہو۔ اب رونا بند کرو۔ بیٹی کو دلاسا دو۔ مجھے تم سے یہ امید نہ تھی، تم بڑی جرأت مند ہو ——— " انہوں نے گمبھیر لہجے میں اپنی بیگم سے کہا۔

رابعہ بیگم سنبھلیں اور دوپٹے کے پلوؤں سے آنسو پونچھ کر بیٹی کو سینے سے لگالیا اور اپنے پلو سے ان کے آنسو صاف کر دیئے۔

"تمہارے ابا نے بالکل ٹھیک کہا ہے بیٹی! ——— تم ہمارے بیٹے ہی ہو۔ ہم سب تمہارے ہیں۔ تمہیں گھبرانا نہیں چاہیئے ——— لو اب سب غم اپنے دل سے مٹا دو ——— " ماں کے لہجے میں ممتا بھری ہوئی تھی۔

"امی! ——— میری پیاری امی! ——— " وہ اپنی ماں سے پرجوش طریقے

پر پیٹتے ہوئے بولی ـــ امی! ـــ میں بزدل نہیں ہوں۔ میں غموں اور مشکلوں سے گھبرانا نہیں جانتی ـــ مجھے اپنی بے مائیگی کا احساس بے کار رہتا ہے۔ میں اس احساس کو مٹانا چاہتی ہوں۔ جو انسانوں کے ہاتھوں دوسرے انسانوں کو ملتا ہے۔ کیا وہ لوگ بھی ہم جیسے انسان نہیں ہیں جو کاروں میں گھومتے ہیں۔ بنگلوں میں رہتے ہیں کروڑوں میں کھیلتے ہیں۔ ایک ہم ہیں جو دوا کے لیے دوسروں کے محتاج ہیں۔ پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے طرح طرح کے جتن کرنے پر مجبور ہیں ـــ وہ جذبات کی شدت میں بہنے لگی تھی۔ احساس کی تلخی نے اسے دیوانہ سا بنا دیا تھا۔

"بیٹی! ـــ" ارشاد احمد نے بلند آواز میں کہا ـــ "تم ایسی سوچنا چھوڑ دو۔ چند دنوں کی بات ہے۔ میں بالکل صحت مند ہو جاؤں گا اور تم بی۔ اے میں داخلہ لے لینا۔ میں چاہتا ہوں تم اپنی تعلیم مکمل کر لو۔ تم ایسے مسائل سوچنے کے لیے پیدا نہیں ہوئی ہو۔ ان کے متعلق سوچنا تو میرا کام ہے۔"

"لیکن ابا جان! ـــ ہمیں بھی تو سوچنے کا حق ہے ـــ آخر اس معاشرے میں ہمارا مقام کبھی بلند نہیں ہوگا کیا؟" شبیلہ نے ٹھہرے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"تمہارا مقام بہت بلند ہے بیٹی! ـــ اب اس بحث کو چھوڑ دو۔ اور اندر جا کر دیکھو۔ نجمی نے کھانا تیار کیا یا نہیں۔"

ایک پھیکی مسکراہٹ شبیلہ کے ہونٹوں پر پھیل کر مٹ گئی۔ وہ جانتی تھی۔ ارشاد احمد اس بحث کو سمیٹنا چاہتے ہیں۔ وہ کھڑی ہو گئی۔

رات کی سیاہی پھیلنے لگی تھی۔ کمروں کی بتیاں روشن کر دی گئیں۔ رات کا کھانا کھایا گیا۔ شبیلہ نے کھانے کے کچھ دیر بعد اپنے والد کے کمرے میں جا کر دوا پلائی اور باہر آ گئی۔ اس نے جھانک کر نجمی کے کمرے میں دیکھا چھت کا پنکھا چل

رہا تھا، اور وہ پڑھنے میں مشغول تھی۔

"آپی! آجائیے! ——" نجمی نے کتاب سے نظریں اٹھا کر شبیلہ کو دیکھا۔

"نہیں! —— تم پڑھو —— میں بھی اپنے کمرے میں چلتی ہوں ——"

اس نے محبت بھرے انداز میں کہا وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ اور خود کو تھکن آلود انداز میں بستر پر گرا دیا۔ سامنے کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ آسمان پر ستاروں کی قندیلیں روشن تھیں۔ ستارے کسی نوخیز آنکھوں کی طرح جگمگا رہے تھے۔ ایک دلربا تاثر ماحول پر چھایا ہوا تھا۔ لیکن اس کے دل میں اندھیرا تھا۔ اس کا ذہن تاریک تھا۔ تصورات کے پردوں پر ایک ہی سوال لرز رہا تھا۔ اگر ابا کی بیماری طول پکڑ گئی تو کیا ہوگا؟ ان کی نوکری چلی جائے گی تو گھر کی ہر چیز بک جائے گی۔ ہر طرف خزاں آلود فضا ہوگی۔ گھر بار اجڑ کر رہ جائے گا۔ امیدوں اور تمناؤں کے گلشن مرجھا جائیں گے۔ زندگی ویرانوں میں سسکیاں بھرنے لگے گی۔ ارمان بکھر جائیں گے۔

دل کی گہرائیوں سے دوسری آواز بھی ابھری۔ زندگی کے تاریک پہلو کے متعلق ہی نہ سوچنا چاہیئے۔ زندگی خوشیوں سے لبریز بھی ہو سکتی ہے۔ امیدیں مسرتوں کا لبادہ بھی اوڑھ سکتی ہیں۔ ارمان لطیف زاویوں میں بھی لہرا سکتے ہیں گلشن پہلے سے بھی زیادہ نکھار دے سکتے ہیں۔ ویرانوں میں قہقہے بھی سنائی دے سکتے ہیں۔ انسان کو نیک خواہشات کے سہارے جینا چاہیئے۔ اور اپنی جدوجہد کو جاری رکھنا چاہیئے۔

—— اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ اس کے دل نے جیسے آواز دی۔

مجھے بھی جدوجہد کرنا ہوگی۔ مگر کس قسم کی جدوجہد! —— میں کیا کر سکتی ہوں —— ؟ اپنے خاندان کے لیے مجھے کیا کرنا ہوگا۔ میں بڑی ہوں اور نجمی چھوٹی —— مجھے اس کی ضروریات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ والدین اور ان کی دیکھ بھال میرا فرض ہے۔ مجھے کچھ کرنا ہوگا، گھر کے مالی حالات بدلنے کے لیے

مجھے اپنی کوششوں میں تیزی لانی ہوگی — کوئی عملی قدم اٹھانا ہوگا — کوئی انقلاب لانا ہوگا۔

وہ بڑے سوچ بچار کے بعد اس فیصلے پر پہنچی کہ والدین سے چوری چوری کوئی ملازمت کرلی جائے۔ لیکن انھیں علم ہوگیا تو پھر — وہ اپنے والدین کی فطرت کو سمجھتی تھی وہ کبھی یہ برداشت نہ کریں گے کہ ان کی بیٹی نوکری کرتی پھرے۔ ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔ ہوسکتا ہے یہ صدمہ انھیں مزید الجھنوں میں مبتلا کردے۔ اور وہ پریشانیوں کے اتھاہ سمندر میں ڈوبتے چلے جائیں۔

ایک خیال اور آیا — کیوں نہ بہتر نہیں کہ وہ کسی سہیلی کی مدد کا بہانہ کردے۔ سہیلی سے قرض لینے کے بارے میں بتادے۔ مگر اس کے خوددار والدین قرض اور سہیلی کی مدد کو بھی گوارا نہ کریں گے۔ تب وہ نوکری کے بارے میں سب سچ سچ بتادے گی۔ اور اپنی بدحالی کا واسطہ دے کر نوکری کو جاری رکھنے پر انھیں مجبور کرے گی۔ اپنے برے حالات کو سہارا دینے کے لیے نوکری کوئی بری چیز تو نہیں۔ محنت میں کوئی عار تو نہیں۔ ملازمت کوئی گناہ تو نہیں۔

اس نے صبح سے ہی نوکری کرلینے کا تہیہ کرلیا۔ اور اس عزم کے بعد اس کی ڈھارس سی بندھ گئی۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے سر سے بہت بڑا بار اتر گیا ہو۔ وہ بالکل ہلکی پھلکی دکھائی دینے لگی تھی اور یوں محسوس کرنے لگی تھی جیسے وہ فضاؤں میں اڑنے لگی ہو۔

دفعتاً ذہن نے پلٹا کھایا۔

ایک ستارہ روشن ہوا۔ اور ذہن کی سطح پر اس کی روشنی پھیلتی چلی گئی چند روز قبل بارش والی رات کا واقعہ اسے یاد آگیا۔

وہ نوجوان کیسا تھا؟ — جس نے اخلاق و شرافت کی انتہا کی۔

بلندیوں تک جا کر اس کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا تھا جس نے اس کو ڈاکٹر کے ساتھ گھر تک پہنچایا تھا. جس نے موٹر سے ٹکر ہو جانے کی اس سے معافی مانگی تھی. جو رات گئے ایسے ماحول میں اس کے کام آیا تھا —— کتنا با اخلاق تھا وہ —— اور میں —— شبیلہ نے سوچا، میں نے اس سے کتنی بے رحمی کا سلوک کیا تھا. کیا سوچتا ہوگا وہ میرے بارے میں۔

شبیلہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ نہ جانے اسے تصور میں کیا کیا نظر آ رہا تھا۔ وہ اس نوجوان کی ایک ایک حرکت، ایک ایک بات کو ذہن کی تہوں میں کرید کرید کر تازہ کر رہی تھی۔ اس تصور میں اسے سکون کیوں مل رہا تھا —— ؟ یہی پرسکون تصور بالآخر اسے نیند کی پرسکون وادی میں لے گیا۔

صبح وہ اٹھی تو ہشاش بشاش تھی. باتھ سے فارغ ہو کر اس نے لباس.. تبدیل کیا. ارشاد احمد کی مزاج پرسی کی. رابعہ بیگم کو سلام کیا. نجمی کی چند شوخیوں کے بعد وہ ناشتہ کر کے گھر سے باہر نکل گئی. گھر میں اس نے سہیلی سے ملاقات کا بہانہ کیا تھا۔

وہ اخبار میں ضرورت کے کالموں کو دیکھ کر کئی دفتروں اور پرائیویٹ فرموں میں پہنچی. مگر وہاں کا ماحول پسند نہیں آیا. اسے یوں لگا جیسے وہ لوگ اس کے کام سے زیادہ اس کے حسن سے متاثر ہوئے ہیں. وہ ان کا مطلب خوب سمجھتی تھی. آخر وہ چلتے چلتے ایک فرم موٹر ٹریڈرز کے سامنے رک گئی. یہ آخری جگہ تھی. جہاں اسے قسمت آزمائی کرنا تھی۔

چپڑاسی نے شیشوں والی گیلری سے گزار کر اسے مینجنگ ڈائریکٹر کے جدید طرز پر سجے ہوئے آفس میں پہنچا دیا. وہ جھجکتی جھجکتی آگے بڑھی۔ اس کے قدموں کی آہٹ سے نوجوان مینجنگ ڈائریکٹر نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا. شبیلہ

نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ اس ایک نظر نے ہی نوجوان کے حسین چہرے پر پھیلی ہوئی شرافت کو عیاں کر دیا۔ اور وہ اپنے دل میں اطمینان سا محسوس کرنے لگی۔

"تشریف رکھیئے! ——— نوجوان کا لہجہ مودبانہ تھا ——— فرمایئے۔"

"میں آپ کی فرم کے اشتہار کے مطابق سروس کے لیے حاضر ہوئی ہوں ——" وہ بیٹھ کر ہچکچاہٹ کے ساتھ بولی۔

"ٹھیک ہے ——" نوجوان شریفانہ انداز میں مسکرایا ——"آپ کی تعلیم ——— اور نام —— —"

"میرا نام شبیلہ ہے ——— میں نے ایف اے کیا ہے ——— اس نے اپنے کاغذات آگے بڑھائے ——— یہ میری سند ہے ......"

نوجوان نے بہ اخلاق طریقے پر اس کے ہاتھ سے کاغذات لے لیے۔ اور چند لمحے معائنہ کرنے کے بعد میز پر رکھ دیئے۔

"آپ انگلش بخوبی لکھ سکتی ہیں نا ———"

"جی! ——— کوشش کروں گی کہ آپ کی توقع کے مطابق کام کر سکوں۔" اس نے مترجم لہجے میں کہا۔

"وہ چند ثانیوں کے لیے رکا پھر بولا ——— آپ کو ڈکٹیشن کا ٹیسٹ دینا ہو گا۔ کیا آپ تیار ہیں ؟"

"جی بالکل ——" اس نے مطمئن لہجے میں کہا ———"آپ لکھایئے میں لکھتی ہوں۔"

ایک لطیف مسکراہٹ نوجوان کے ہونٹوں پر پھیل گئی اس نے پاکستان ٹائمز اخبار اٹھایا۔

اس نے رائٹنگ پیڈ اور قلم اٹھا کر شبیلہ کے سامنے رکھ دیا۔ شبیلہ نے قلم اور پیڈ اٹھا لیا اور املا لکھنے کے لیے مستعد ہو گئی۔

" لکھیئے "

وہ لکھا رہا تھا۔ اور شبیلہ لکھتی جا رہی تھی۔ چند منٹ یہ سلسلہ جاری رہا اور پھر اس نے پیڈ نوجوان کو دے دیا۔ امتحان ہو چکا تھا۔ نتیجے کا انتظار تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ گومگو کی حالت میں نظریں جھکائے اپنی جد وجہد کے ردِ عمل کی منتظر تھی۔ آخر انتظار کی ساعتیں گزر گئیں۔

" ٹھیک ہے ۔۔۔ آپ ہمارے آفس میں چل سکیں گی ۔۔۔"

نوجوان نے محتاط لہجے میں کہا۔

" شبیلہ کے چہرے پر مسرتوں کے رنگ بکھر گئے۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے دل ۔۔ میں امیدوں کی کلیاں چٹک کر پھول بن گئی ہوں۔ وہ کہکشاں کی منور رانگہذر پر چھا گئے لگی ہو ۔۔۔ اس نے تشکر آمیز نظروں سے نوجوان کو دیکھا نوجوان کے ہونٹوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ رقصاں تھی۔ اور آنکھوں میں ایسی چمک ۔۔ تھی جسے ہوس کا نام نہیں بلکہ شرافت کا مظہر کہا جا سکتا ہے۔ وہ یوں محسوس کر رہی تھی جیسے وہ صحیح مقام پر آ گئی ہو۔

" میری اپوائنٹمنٹ کب ہو گی ۔۔۔" اس نے مسرت سے لرزتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ " کل صبح نو بجے آپ اپنی سیٹ سنبھال لیں گی۔" نوجوان نے ایک نظر اسے دیکھ کر کہا

" جی! ۔۔۔ شکریہ! ۔۔۔" اس نے مودبانہ انداز میں کہا۔

" آپ کو فی الحال دو سو روپیہ تنخواہ ملے گی۔ اس کے علاوہ سالانہ بونس بھی ملے گا۔ آپ کے سپرد جو کام کیا جا رہا ہے۔ وہ کافی اہم ہے ۔۔۔ جو غیر ملکی لیڈر آئیں گے۔ فرم کی طرف سے آپ کو ان کا جواب دینا ہو گا۔ جوابات میں آپ

لکھایا کر دوں گا۔"

اس کے ساتھ ہی گھنٹی کی ایک آواز گونجی۔ جو نوجوان منیجنگ ڈائریکٹر نے چپڑاسی کو بلانے کے لیے استعمال کی تھی ـــــ چپڑاسی آیا ـــــ اس نے کہا۔

"انھیں صدیقی صاحب کے پاس لے جاؤ۔ یہ کل سے ہمارے آفس میں کام کریں گی۔"

وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ ادھیڑ عمر کے صدیقی نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ اور چپڑاسی کی بات سننے کے بعد اسے اس کی سیٹ، دفتری اوقات اور ضروری معلومات مہیا کر دیں۔

چند لمحوں کے بعد وہ گھر کی طرف رواں تھی۔ اس کا دل مسرت سے کھلا ہوا تھا۔ اب افلاس اور احتیاج کے سائے چھٹ جائیں گے۔ اب ہمارے گھر میں بھی خوشی اور اطمینان ہوگا۔ وہ خوش تھی اور اس کی تیز رفتاری اسی خوشی اور خود اعتمادی کو ظاہر کر رہی تھی۔

سہیل نے اپنے دل کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اس لڑکی کو بہت ڈھونڈا مگر وہ نہ مل سکی۔ اس کی طبیعت بوجھل بوجھل رہنے لگی۔ کبھی کبھی اسے یوں لگتا۔ جیسے اس کا سکون چھن گیا ہو۔ اور اسے کربناک جذبات کے شعلوں میں.. جلنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہو۔

وہ اسے آگ کے حوالے کر گئی تھی۔ شعلوں کی لپٹیں اسے جلائے دے رہی تھیں۔ وہ لاپرواہ اور لاابالی طبیعت کا مالک ہونے کے باوجود آگ کی لپٹوں سے باہر نہ نکل سکا۔ اس کے خیال کو آئینہ دل سے صاف نہ کر سکا۔ اس کی نیندیں ویران ہو گئیں۔ سگریٹ کا تلخ دھواں اس کے کمرے میں کثرت سے جمع رہنے لگا۔ اسے شب بیداری کی عادت سی ہو گئی۔

اس کی بے کلی، بے چینی اور اضطراری کیفیت میں دن رات اضافہ ہو رہا تھا۔ اور اس اضافہ کی وجہ شبیلہ کی ذات تھی۔ جو اسے زندگی کے کسی موڑ پر نہ مل رہی تھی۔ وہ گھنٹوں بنک کو اٹرز کے سامنے کھڑا رہتا۔ کہ شاید اس کی جھلک نظر

آجائے۔ مگر وہ انتہائی خواہش کے باوجود بھی اس کی ایک جھلک نہ دیکھ سکا تھا۔

جب وہ واپس آتا تو اس کے دل کی آگ پہلے کی نسبت زیادہ دہک رہی ہوتی۔ اس کا دل اضطراب انگیز جذبات اور پریشانیوں کی آماجگاہ بنتا جا رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قنوطیت پسند ہونے لگا تھا۔ شوخ و شنگ طبیعت رکھنے کے باوجود وہ افسردہ رہنے لگا تھا۔

اس کی افسردگی کو شاہدہ نے بے طرح محسوس کیا تھا۔ وہ اسے بلاتی، اپنی طرف متوجہ کرتی، مگر وہ بالکل توجہ نہ دیتا۔ اور پھیکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر اس کے سر پر پیار سے ایک دھول جماتا اور آگے نکل جاتا۔ وہ گیلریوں میں پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگتی۔ اس کے ساتھ شرارتیں کرتی۔ مگر وہ اس کے ساتھ یونہی سی چھیڑ چھاڑ کر کے آگے نکل جاتا۔ پورٹیکو میں آتا اور گاڑی میں بیٹھ کر سڑکوں کی آوارہ گردی کے لیے نکل پڑتا۔ کار میں بے مدعا گھومنا اس کا روزانہ کا معمول بن گیا تھا۔

اس کی فطرت کے اس بدلتے ہوئے رخ سے سب ہی پریشان تھے۔ ناشتے لنچ اور ڈنر پر چہکنے والا نوجوان خاموش رہنے لگا تھا۔ وہ ادھر ادھر کی رسمی سی باتیں کرتا اور کھانے کی میز سے اٹھ جاتا۔ اسے کسی چیز میں دلچسپی نہ رہی تھی۔

آج بھی وہ ناشتے کی میز پر بیٹھا تھا تو اس کے والد افتخار احمد نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ وہ کچھ روز سے زیادہ ہی بجھا بجھا تھا۔ اس کے باپ نے نظریں ملائیں۔ باپ کی نظروں میں سوالیہ جذبے تڑپ رہے تھے۔ وہ ان نظروں کی تاب نہ لا سکا۔ اور گردن جھکا کر ناشتہ کرنے لگا۔

"آج کل بڑے اداس رہنے لگے ہو ——" اس کے والد نے محبت بھرے انداز میں کہا۔

"جی! نہیں تو! —— مجھے بھلا کیا غم ہو سکتا ہے؟"

"انسان کو کسی وقت بھی کوئی غم گھیر سکتا ہے ـــــــ تمہیں بھی اپنے غم کا اظہار کر دینا چاہیئے" ـــــــ ان کا لہجہ دوستانہ اور ہمدردی لیے ہوئے تھا۔

"مجھے کوئی غم نہیں ہے ڈیڈی ـــــــ ایسی کون سی ضرورت ہے جو پوری نہیں ہوتی" ـــــــ وہ مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"پھر اس اداسی کا سبب؟ ـــــــ"

"شاید آپ کی نظر کو دھوکہ ہوا ہو۔"

"میری نظر اور دھوکہ ـــــــ انھوں نے گہرے لہجے میں کہا ـــــــ بیٹے میری نظریں دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔ یوں لگتا ہے۔ جیسے تم ہی مجھے دھوکہ میں رکھنا چاہتے ہو ـــــــ"

سہیل کے ہاتھ کانپ گئے۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکا اور چہرہ کانوں تک سرخ ہو گیا۔ اس پر اضطراری کیفیت طاری ہونے لگی۔ اس کی آواز حلق میں اٹک گئی ـــــــ" میں اور آپ کو دھوکے میں رکھوں ـــــــ یہ کیسے ممکن ہے۔ ڈیڈی ـــ"

"بیٹے! ـــــــ افتخار احمد کے چہرے پر خوشی سی چمکی ـــــــ" بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ جو زبان سے نہیں کہی جا سکتیں۔ انھیں صرف محسوس کیا جاتا ہے۔"

"کیسی باتیں ڈیڈی! ـــــــ وہ متردد ہو کر اپنے باپ کو غور سے دیکھنے لگا ـــــــ" میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"تم سب کچھ سمجھ گئے ہو بیٹے! ـــــــ ان کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ رقص کرنے لگی ـــــــ جو تمہارے دل میں ہے وہ چہرے پر آ گیا ہے چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے۔

"تو پھر اس آئینہ میں آپ نے کیا دیکھا ــــ" اس نے گردن جھکا کر مضمحل آواز میں کہا۔

"ایک سجی سجائی دلہن کا چہرہ ــــ" ایک بے داغ مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر لہرانے لگی۔

ارم شرما کر سرخ ہو گئی ــــ سہیل کا رنگ اڑ گیا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ اس کی خاموشی اس کے ڈیڈی کو اس انداز میں سوچنے پر مجبور کر دے گی۔

"ڈیڈی! ــــ ابھی تو بھائی جان کی شادی نہیں ہوئی ــــ میری شادی کا مسئلہ کیسے بیچ میں آ گیا" ــــ وہ افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"شادی تمہاری پسند سے ہو گی بیٹے! ــــ پھر انکار کیسا ــــ وہ تھوڑی دیر کے لیے رکے پھر بولے ــــ اپنے دل کا حال تمہیں ظاہر کر دینا چاہیئے"

سہیل کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ وہ بے حد گھبرا گیا تھا۔

"میرے دل کا کیا حال ہو سکتا ہے ڈیڈی! ــــ میرے دل میں کچھ نہیں ہے"

افتخار احمد اس کی الجھن اور گھبراہٹ پر مسکرانے لگے۔ اور اسے غور سے دیکھنے لگے۔ سہیل کی پیشانی پسینہ سے تر ہو گئی تھی۔ جیسے اس کے دل کا چور پکڑا گیا ہو۔ اس کا وہ راز فاش ہو گیا تھا جس کو چھپانے کی کوشش میں وہ اداس اور ملول رہنے لگا تھا۔ جس کے لیے اس کی نیندیں ویران ہوئی تھیں۔ جس کے لیے وہ پریشانیوں میں گھرا رہتا تھا۔

"شاہدہ زور زور سے تالیاں بجا رہی تھی

"بھیا کی شادی ہو گی ــــ آہا ــــ بھیا کی شادی ہو گی"

افتخار احمد شاہدہ کو مسکرا کر دیکھ رہے تھے ــــ ارم نے پیار سے ڈانٹا ــــ اب چپ بھی رہے گی یا نیلا دے ہی جائے گی۔ بڑی خود سر ہو گئی ہے تو۔

"شاہدہ نے منہ بسور لیا

"باجی۔ وہ غصے میں بولی ــــ" آپ کو بھابی کے آنے کی خوشی نہیں ہے کیا؟"

ارم شرما گئی

"خوشی کیوں نہیں ـــ" پھر اس نے طنطنہ سے کہا ـــ" تو سمجھتی ہے میں تیری طرح چلانے لگوں ـــ ارم اسے ڈانٹ کر مسکرانے لگی۔ اور شاہدہ نے منہ پھلا لیا۔

"ڈیڈی ـــ دیکھ لیجئے ـــ باجی بلاوجہ ڈانٹ رہی ہیں ـــ" اس نے افتخار احمد سے شکایت کی۔

"میری بچی کو مت ڈانٹو بھئی! ـــ" افتخار احمد مسکرا کر بولے۔

"بھائی جان! آپ نے تو باجی کو کچھ کہا ہی نہیں ـــ اس نے سہیل کی طرف دیکھ کر کہا۔

سہیل چونکا اور شاہدہ کی طرف دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر.. کوشش کے باوجود بھی وہ حقیقی مسکراہٹ ہونٹوں پر نہ لا سکا۔

"اچھا بھئی ارم! اب ہماری ننھی گڑیا کو کچھ نہ کہنا۔ ـــ اس نے ارم کو دیکھ کر کہا ـــ ارم نے شاہدہ کی طرف دیکھ کر ہونٹوں کے کئی زاویے بدلے۔

"لیجئے اب کبھی کچھ نہ کہوں گی اس چڑیل کو ـــ وہ چائے پینے لگی اور دل ہی دل میں مسکرانے لگی۔

شاہدہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اسے جوش آ گیا۔

"باجی جان! ـــ میں چڑیل ہوں ـــ دل سے کہہ رہی آپ؟"

اُم) کی آواز غصہ میں بھری ہوئی تھی۔

"اور نہیں تو کیا تم کسی چڑیل سے کم ہو ـــــ" سہیل نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔

"بھائی جان آپ نے بھی باجی کی حمایت شروع کر دی ـــــ" وہ رونے کا سا انداز بنا کر بولی ـــــ "لیجیے میں ناشتہ نہیں کرتی" ـــــ

وہ اٹھنے لگی۔ ارم نے لپک کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"کہاں چلی میری پری جیسی بہن! ـــــ" اس نے پیار سے کہا ـــــ

"چھوڑ دیجیے مجھے ـــ میں پری نہیں ہوں، ـــــ میں چڑیل ہوں ـــ" وہ روہانسی ہو کر بولی

"چڑیل نہیں تم، بڑے دشمن! ـــــ" ارم اسے پیار سے کرسی پر بٹھا کر بولی۔

"وہاں بھئی! تمہارے دشمنوں کے لیے یہ بددعا خوب ہے! ـــــ" سہیل نے ذرا شوخ بن کر کہا۔

بھائی جان! اگر آپ کہتے ہیں تو پھر ٹھیک ہے ـــــ" وہ کرسی پہ ٹھیک سے بیٹھ کر بولی۔ ـــــ "اچھا یہ بتایئے بھائی جان، بھابی جان کب آئیں گی؟"

افتخار احمد نے بھرپور بے اختیار ایک قہقہہ لگایا۔ سہیل کو کھلا گیا، چائے کا کپ چھلک پڑا۔

"تمھی ہماری بیٹی بڑی شریر ہے ـــــ" افتخار احمد قہقہہ روک کر مسکرا کر بولے

"میں نے کونسی شرارت کی بات کی ہے ڈیڈی! ـــــ" اس نے معصومیت سے کہا ـــ

"یہ کیا کم شرارت ہے گزری ہوئی بات کو پھر اسی راہ پر لے آئی ہو ـــــ"
سہیل نے جھینپ کر کہا۔

"بھیا ـــــ ایک روز بھابی کو اس گھر میں آخر آنا ہی ہے ـــــ"
شاہدہ نے دانستہ چہرہ سنجیدہ بنا کر کہا۔

"جب تک دو چڑیلیں اس گھر میں موجود ہیں۔ تمہاری بھابی نہیں آسکتیں۔"
وہ ہنس کر بولی۔

ارم حیا کی گڑیا بن کر کچھ بل کھا گئی۔

"بھائی جان! آپ نے اس کے ساتھ مجھے بھی چڑیل بنا دیا ـــــ" اس کے لہجے میں ناز بھرا غصہ تھا۔

"بھئی! اب اس لڑائی جھگڑے کو بند کرو ـــــ" افتخار احمد ناشتہ ختم کرتے ہوئے بولا۔ پھر سہیل کی طرف متوجہ ہوئے۔

"تم دیکھ رہے ہو بیٹے! تمہارا بڑا بھائی آج بھی ناشتہ کی میز پر موجود نہیں ہے اس سے تم اس کی مصروفیت کا اندازہ لگا سکتے ہو ـــــ" ایک لمحے کے لیے رکے پھر بولے ـــــ "اور اس نے کبھی شکایت نہیں کی کہ تم اس کا ہاتھ نہیں بٹاتے تم ایم۔ اے کر چکے ہو۔ اب تمہیں کاروبار میں دلچسپی لینی چاہیئے! ـــــ اگر تم کچھ اور کام کرنا چاہتے ہو تو بتا دو۔ تاکہ تمہاری مرضی کے مطابق اس کا انتظام کر دوں۔"

"میں کچھ نہیں چاہتا ڈیڈی! ـــــ" اس نے پرعزم لہجے میں کہا۔

"آپ بے فکر رہیں۔ میں بھائی جان کی مصروفیت کم کرنے کی کوشش کروں گا۔"
افتخار احمد کا چہرہ مسرت سے جگمگانے لگا۔

"مجھے تمہاری اس سعادت مندی سے دلی مسرت ہوئی ہے بیٹے ـــــ"
یہ کہہ کر وہ اٹھے۔ وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ آہستہ آہستہ ٹہلتے ہوئے پورٹیکو کی طرف آیا۔ اس نے ریلینا کا دروازہ کھولا۔ اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سگریٹ کا دھواں اڑا کر گاڑی اسٹارٹ کی پھر اس نے شیشے پر نظر کی تو اسے بھاگ کر آتی ہوئی ارم دکھائی دی۔ اس نے ایکسیلیٹر سے پاؤں اٹھالیا۔ دوسرے لمحہ ارم دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"چلئے بھائی جان ـــــ" اس نے فائل سیٹ پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"کہاں چلوں۔"

"کالج۔"

"ارے بھئی۔ میں بھائی جان کی مدد کے لیے جا رہا ہوں۔"

"کیوں! بھائی جان کا کسی سے جھگڑا ہو گیا ہے کیا ـــــ" ارم نے شرارت سے کہا۔

"تم کتنی بور لڑکی ہو ـــــ" وہ ناگواری سے بولا ـــــ "جھگڑا کیسا۔ میں آج ان کے ساتھ مل کر کام کروں گا۔ تمہیں اور تم دوسری گاڑی میں کالج چلی جاؤ۔"

"بھائی جان! ـــــ" اس نے اٹھلا کر کہا ـــــ "مجھے پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔ گاڑی جا چکی ہے۔ جب تک ڈیڈی گاڑی واپس بھیجیں گے مزید دیر ہو جائے گی۔"

"اوہ! ـــــ کیا مصیبت ہے؟"

"آپ مجھے ساتھ لے جانے کو مصیبت کہتے ہیں ـــــ وہ غصے سے بولی "لیجئے میں اتر جاتی ہوں۔ آج کالج جاؤں گی ہی نہیں ـــــ" وہ منہ بسورنے لگی۔

"اچھا بھئی بیٹھو ـــــ" وہ نرمی سے بولا۔

"دیکھا منالیا! آپ کو ـــــ" وہ مسکرا کر بولی۔

"اچھے تم تو بہت شوخ ہو۔ یونہی جھوٹ موٹ سنجیدہ بنی رہتی ہو۔۔۔۔" وہ ہنس کر بولا۔

وہ لینا سڑک پر تیزی سے دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ چند منٹوں کے بعد ارم کا کالج آگیا۔ اس نے گیٹ کے قریب گاڑی ٹھہرائی۔

"لیجئے! ۔۔۔ بھیا کی لاڈلی اب نیچے اتر جائیے۔" ۔۔۔ اس نے پیار سے کہا۔ ارم شرما گئی۔

"بھائی جان! آپ تو بڑے بور ہیں۔ ۔۔۔" یہ کہہ کر وہ ہنستی ہوئی نیچے اتر گئی۔ سہیل نے قہقہہ لگایا۔

ارم کو کالج چھوڑ کر سہیل نے موڑ کاٹا اور گاڑی کی رفتار بڑھانے لگا۔ مختلف سڑکوں سے گزرنے کے بعد وہ شاہراہ پر آگیا۔ اور گاڑی کو پارکنگ میں کھڑا کر کے ایک عمارت کے اندر گھس گیا۔ یہ اس کی اپنی فرم کا آفس تھا۔

اس نے دروازہ کھولا۔ چپراسی اسے دیکھ کر مؤدبانہ کھڑا ہوگیا تھا۔

"بھائی جان! ۔۔۔" سہیل ٹانگ ٹیبل کے پاس پہنچ کر بولا۔ اور پچھلے گدے والی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بھائی نے چونک کر اسے حیرت سے دیکھا اور فائل بند کر دی۔

"یہ آج کدھر بھول پڑے؟ ۔۔۔ وہ پیار سے سہیل کی طرف دیکھ کر بولا۔

"یہ ہم صحرانشینوں کی یاد کیسے آگئی؟"

"صحرانشینوں کی نہیں آفس نشینوں کی کہئے بھائی جان! ۔۔۔" وہ شوخی سے بولا۔

"اچھا ۔۔۔ یونہی سہی سمجھ لو ۔۔۔" اس کے بھائی نے قہقہہ لگایا۔

"ڈیڈی سے ڈانٹ پلائی ہوگی؟"

"ڈیڈی تو ہر بعد کی ذانٹ پلاتے ہیں ـــــ اس نے لاپرواہی سے کہا ـــــ "آج اپنے دل نے ہی کہا کہ بھائی جان کی خدمت کرنی دینی چاہیئے"

"بزرگوں کی سیوا کرو گے. تب ہی کچھ پاؤ گے ـــــ اس کے بھائی نے محبت بھری نظروں سے اُسے دیکھ کر کہا۔

"یہی سوچ کر آگئے ہیں! ـــــ وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔

"زہے نصیب تو پھر آئیے! ـــــ یہ تو سیٹ سنبھالیے"

"آپ کو سیٹ مبارک ہو ـــــ میں دوسرے کمرے میں سیٹ سنبھال لوں گا"

"اوہ! ـــــ تم تو بالکل سنجیدہ ہو کر آئے ہو"

"کچھ ایسی ہی بات ہے ـــــ اس نے چہرے کو ذرا ضرورت سے زیادہ متین بنا کر کہا۔ اس کا بھائی ہنسنے لگا۔

"اسی لیے تو کہتا ہوں ـــــ میری سیٹ پر بیٹھو ـــــ" اس کا بھائی کرسی چھوڑ کر بولا ـــــ مجھے ایک ضروری کام یاد آگیا ہے. کل تمہارے لیے دوسرے کمرے میں آفس کا انتظام کر دیا جائے گا۔

"بہت اچھا ـــــ وہ اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ اس کے بھائی نے پیار سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"اب تو عقلمند ہو گئے معلوم ہوتے ہو"

"زیادہ عقلمندی خود ہی غرض دیتا ہے معاف کیجئے بھائی جان"

"اب تو فلاسفر بھی ہو گئے ہو ـــــ وہ حیرت اور پریشانی نظروں سے سہیل کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میں نے فلاسفی میں نہیں اکنامکس میں ایم. اے کیا ہے بھائی جان!"

"اسی لیے تو میں نے اپنی سیٹ دی ہے اپنے شبیر کو ـــــ لو اب دل جما کر کام کرو۔ میں دو گھنٹے تک واپس آجاؤں گا۔"

"او۔ کے بھائی جان! ـــــ سہیل اپنے بھائی کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اور اس کے بھائی نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا۔

سہیل دانتوں میں قلم دبا کر خیالوں کی وادیوں میں سرگرداں تھا۔ ابھی چند منٹ ہی اسے اس حالت میں گزرے تھے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے کریڈل سے رسیور اٹھا کر فون سنا۔ ابھی وہ فارغ ہوا تھا کہ دوسرے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ پھر تیسرے اور چوتھے فون کی بھی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ بوکھلا گیا۔ اس نے بڑی مشکل سے باری باری سب فون سنے اور مختلف قسم کے جوابات دیئے۔ وہ تھوڑی دیر میں ہی انتہائی مصروف ہو گیا۔ فون سننے کے بعد اگر ذرا وقت ملتا تو کوئی نہ کوئی آفس کلرک کھڑا ملتا۔ ضروری کاغذات پر دستخط کر کے ذرا سر اٹھاتا تو دوسرا کلرک اس کی جگہ آموجود ہوتا تھا۔ وہ خود اپنی مصروفیت سے گھبرا سا گیا تھا۔ آخر اس نے تنگ آکر فون سننے بند کر دیئے۔ اور رسیور کریڈل سے اتار کر میز پر رکھ دیئے۔ فائلیں بند کر کے ان پر شیشے کے پیپر ویٹ رکھ دیئے اور کلرکوں کو ٹرخانے لگا۔ اس طرح اسے چند منٹ فرصت کے میسر آ گئے۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

دفعتاً کمرے میں قدموں کی آہٹ ہوئی۔

"باس! ـــــ یہ ضروری لیٹر ہے اسے دیکھ لیجئے! ـــــ وہ چونکا اور بجلی کی سی سرعت سے نگاہیں اٹھائیں۔ یکبارگی اس کی نگاہیں ستاروں کی طرح جگمگائیں اور دل تیزی سے دھڑکا۔ رنگ زرد ہوا اور پھر ایک دم سرخ ہو گیا۔ جسم میں ایک اضطراری کیفیت کرنٹ کی طرح پھر گئی۔ اس کی نگاہوں میں

تعجب، حیرت، پریشانی اور خوشی کے ملے جلے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ وہ شبیلہ کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

شبیلہ کی بھی یہی حالت تھی وہ بھی ساکت وجامد کھڑی تھی۔ گہری حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹ سی گئی تھیں۔ اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ دل کی دھڑکن میں شدت آگئی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا، جیسے اس کے بدن کا تمام خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

"آپ! ——— آخر کار بمشکل سہیل کے لب ہلے۔ اس کی آواز پہ وہ چونکی اسے اپنی حالت کا احساس ہوا ——— وہ سنبھلی ——— اس نے اپنے جذبات کو قابو میں کیا۔

"باس! کہاں ہیں ———" اس نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا ———"

"یہ ضروری خط دکھانے ہیں ———" اس نے خط سامنے کیا۔ وہ گھبرائی گھبرائی سی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ کہ باس کی جگہ اس نے کیسے لے لی اس دوران میں وہ خود کو کافی سنبھال چکا تھا۔ اور اس کی ہراسان کیفیت سے محظوظ ہونے کی ٹھان چکا تھا۔

"لائیے! یہ خط مجھے دے دیجئے ———" اس نے ہاتھ بڑھا کر رعب سے کہا۔

"آپ کو ——— وہ ہچکچائی ———" مگر آپ کی حیثیت کا بھی تو پتہ چلے۔"

"اپنے باس کی سیٹ پہ مجھے دیکھ کر بھی میری حیثیت کا پتہ نہیں چل سکا۔ آپ کو ———" پھر اس نے بھاری آواز میں کہا ——— لائیے خط ———"

شبیلہ بدستور الگ تھلگ سی کھڑی رہی۔

"سنا نہیں تم نے ۔۔۔۔ وہ مصنوعی انداز میں گرجا ۔۔۔۔ تم آخر ہو کون؟"
وہ اس کے لہجہ سے ایک دم گھبرا سی گئی۔ اس کے جسم میں ہلکی سی تھرتھراہٹ پیدا ہوئی۔
"بہار کی معمولی کلرک ۔۔۔۔ پھر اس نے ذرا حوصلہ کرکے کہا ۔۔۔۔ "میرا خیال ہے آپ مجھے جانتے بھی ہیں۔"
وہ دل ہی دل میں ہنسا، مگر اس نے اس کیفیت کو اپنے چہرے سے ظاہر نہ ہونے دیا۔
"میں نہیں جانتا کسی کو ۔۔۔۔ پھر وہ پر رعب آواز میں بولا۔
"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ ایسی جاہل لڑکی کو یہاں کس نے ملازم رکھا ہے۔"
"جی! باس نے مجھے ملازم رکھا ہے! ۔۔۔۔" وہ بے حد خوفزدہ ہو گئی تھی۔
"باس ۔۔۔۔ باس کی رٹ لگا رکھی ہے ۔۔۔۔ باس تو تمہارے سامنے بیٹھا ہے ۔۔۔۔ پھر اس نے رک کر اسے گہری نظروں سے دیکھا۔
"تمہارا نام کیا ہے؟"
"جی! ۔۔۔۔ وہ گھبرائی جا رہی تھی۔ دہشت سے اس کا جسم مرتعش تھا۔
"میرا نام شبیلہ ہے۔"
"بہت پیارا نام ہے ۔۔۔۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔
"جی۔ حیرت، پریشانی اور تعجب سے شبیلہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔
"میرا مطلب ہے کہ نام کی طرح تمہارا کام بھی اچھا ہوتا تو کتنی خوشی کی بات ہوتی ۔۔۔۔ اس نے ذرا نرمی اختیار کی
"میرے کام میں آپ نے کیا خرابی محسوس کی؟"
"یہ بات کیا کم خراب ہے کہ تمہیں حکم کی تعمیل کرنا نہیں آئی ۔۔۔۔ اس نے

تیکھے لہجے میں کہا۔

"کس کے حکم کی تعمیل! ـــــ اب وہ ہراساں کیفیت کے دورے سے باہر نکل چکی تھی۔

"میرے حکم کی تعمیل! ـــــ وہ خشمگیں لہجے میں بولا۔

وہ دانستہ اس چپقلش کو طول دیئے جا رہا تھا۔

"میں ابھی تک آپ کی دفتری حیثیت سے لاعلم ہوں ـــــ" وہ بے خوف ہوکر بولی ـــــ "اس لیے آپ کے کسی حکم کی تعمیل نہیں کر سکتی۔"

"میں جا رہی ہوں ـــــ" وہ واپس مڑی۔

"ٹھہریئے! ـــــ" اس نے شبیلہ کو روکا ـــــ "آپ کو اسی وقت استعفا پیش کرنا ہوگا۔"

وہ جوش سے بل کھا کر پلٹی۔ اور طنطنے میں آکر دو قدم آگے بڑھی۔

"مجھے یہاں آئے ہوئے دن ہی کتنے گزرے ہیں۔ میری طرف سے ابھی استعفا لے لیجئے! ـــــ" اس کی آواز بھرّا گئی۔ اس کا چہرہ مغموم ہوگیا۔ دل کا سارا درد آنسوؤں میں ڈھل کر بہنے کے لیے راہ تلاش کرنے لگا۔ مگر شبیلہ نے اسے راہ نہ دی۔ اور آنسوؤں کو آنکھوں کے پیچھے ہی کہیں دفن کر دیا۔

سہیل اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی تازہ کیفیت سے وہ تڑپ گیا اس کا دل لرز گیا۔ اس نے اپنے جسم میں ایک اضطراب انگیز سنسناہٹ سی محسوس کی۔ وہ اپنے اس مذاق پر سخت ندامت محسوس کر رہا تھا۔ اس کی شوخی نے شبیلہ کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے تھے۔ اسے زبردست ٹھیس پہنچائی تھی۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا جس لڑکی کی تلاش میں وہ سڑکوں کی خاک چھانتا پھرا تھا جب وہ ملی تو اس نے کتنی بے دردی سے اس کا دل دکھایا تھا۔ وہ اپنے کیے

پر بے حد متاسف تھا۔

"میں استعفیٰ دینے کے لیے تیار ہوں ـــــــ" وہ افسردگی سے بولی۔

"جب آپ کو میری دفتری حیثیت کا علم نہیں ہے تو آپ مجھے استعفیٰ کیوں دے رہی ہیں۔ وہ نرم ہو کر بولا۔

"ایک معمولی کلرک اور کر بھی کیا سکتی ہے۔ ـــــــ شبیلہ نے کربناک انداز میں کہا۔

اس نے شبیلہ کے اداس چہرے پر ایک ثانیے کے لیے نظریں مرتسم کر دیں۔ جب شبیلہ نے نظریں اٹھائیں تو وہ اپنی نظر ادھر ادھر بھٹکا چکا تھا۔ وہ اس کے درد و غم میں ڈوبی ہوئی اندوہناک نظروں سے نظریں نہ ملا سکا۔ ـــــــ"

آپ یہ سوچ سکتی ہیں کہ میں آپ سے استعفیٰ لے لوں گا؟ ـــــــ وہ ایک لمحے کے لیے رکا پھر گہری سوچ میں بولا ـــــــ" آپ نے ٹھیک کہا ہے، کہ میں آپ کو جانتا ہوں۔ یقین جانیے مجھے یوں لگتا ہے۔ جیسے میں آپ کو بچپن ہی سے جانتا ہوں ـــــــ مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہم ایک ہی راستے پر چلتے ہوئے اس منزل پہ آپہنچے ہیں ـــــــ" پھر اس نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر ایک گہرا سانس لیا ـــــــ یقین کیجئے! میں آپ سے مذاق کر رہا تھا ـــــــ"

"اور ـــــــ میں آپ سے مذاق نہیں کر رہی ہوں ـــــــ" اس نے اپنے لہجے کو مستحکم بنا کر کہا ـــــــ" میں اب سنجیدہ ہوں ـــــــ میری طرف سے استعفیٰ ہی سمجھئے ـــــــ"

وہ اس کے مستحکم لہجے سے گھبرا گیا۔ اس کے چہرے پر ہراس اور خوف بکھر گیا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں آپ کو کسی قسم کا صدمہ پہنچاؤں۔ میری وجہ

سے آپ استعفیٰ نہ پیش کیجئے! ـــــ میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں ـــــ"
وہ پریشانی سے بولا۔

"میں آپ سے بھی زیادہ الجھن میں پھنس گئی ہوں ـــــ" وہ متین لہجے میں
بولی۔

"آپ نے بارش والی رات میں کہا تھا کہ میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں
گی۔ اگر آپ میرے کسی سلوک سے متاثر ہیں تو خدا کے لیے استعفیٰ نہ دیجئے۔ ورنہ میں
خود کو زندگی بھر نہ معاف کر سکوں گا۔"

اس نے سہیل کے متردد چہرے کو بغور دیکھا۔ جب اس نے اس کی نظروں
سے نظریں ملائیں۔ تو چونک کر دیوار کی طرف دیکھنے لگی۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور راحیل ہنستا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"کہو بھئی! ـــــ کیا پراگرس ہے؟"

"بھائی جان! کیا خاک پراگرس ہو گی ـــــ یہاں تو الجھنیں ہی الجھنیں
ہیں ـــــ" لفظ بھائی جان پر وہ زور سے چونکی۔ اسے اس کی دفتری حیثیت
کا اچھی طرح علم ہو گیا۔ وہ کچھ دل گرفتہ اور ملول سی نظر آنے لگی۔

راحیل نے میز پر پڑے ہوئے رسیوروں کی طرف حیرت سے دیکھا۔ اور
قہقہہ لگایا۔

"تمہاری پراگرس کا اندازہ تو میز دیکھ کر ہی ہو گیا ہے۔ کیوں کچھ غلط
کہا میں نے؟"

"آپ نے ٹھیک ہی کہا ہے بھائی جان! ـــــ سمجھ میں نہیں آپ کس طرح
کام کرتے ہوں گے۔"

راحیل نے لاپرواہی سے قہقہہ لگایا۔

"ابھی دیکھ لینا ــــــ تمہارے سامنے سب کام اصول کے مطابق ہوتا چلا جائے گا۔ ــــــ پھر اس نے سہیل کو محبت سے دیکھا ــــــ "دراصل تم ابھی اتنی مصروفیت کے عادی نہیں ہوئے۔ آہستہ آہستہ ہو جاؤ گے"

"بھائی جان یہ تو بڑی الجھن کا کام ہے۔ شاید عادی نہ ہو سکوں ــــــ"

وہ آنکھیں پھیر کر راحیل کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں تو دو گھنٹوں میں ہی بدحواس ہو گیا ہوں"

"اگر حوصلہ کر کے یہاں آ گئے ہو۔ تو اب بھاگنے کی تیاری نہ کرنا ــــــ" وہ ہنسا۔

"اب یہاں سے کون بھاگ سکتا ہے؟"

"اس نے ایک بھرپور نظر شبیلہ پر ڈالی۔

شبیلہ اس کے گرم گرم نظروں کے لمس سے لجا گئی۔ اور اس نے جلدی سے اپنا رخ پلٹا۔

"باس ــــــ یہ ایک ضروری لیٹر ہے ــــــ اس نے راحیل کی طرف دیکھ کر سرد سے لہجے میں کہا۔

"اوہ! ــــــ لائیے! ــــــ یہ کہہ کر وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور سہیل اس کے پاس والی کرسی پر براجمان ہو گیا۔ اور اپنے بھائی سے نظریں چرا کر شبیلہ کے حسین چہرہ کو دیکھنے لگا جس پر معصومیت کی ردا پھیلی ہوئی تھی۔ اور کمسلمندی کے آثار چھائے ہوئے تھے۔

"تشریف رکھیے ــــــ" راحیل نے نزدیک کھڑی ہوئی شبیلہ سے بااخلاق لہجے میں کہا۔

شبیلہ بیٹھ گئی۔ پچھلے گدے ذرا سے دَبے اور اس کے نازک اور

گداز جسم کا بار بڑے پیار سے سنبھال لیا۔ اس انداز سے سہیل کے دل میں نشہ سا اتر گیا۔

"راحیل نے جلدی جلدی خط کی عبارت پڑھی۔ اور بولا ——— "ہاں جواب لکھیئے میں لکھاتا ہوں ———" وہ لکھنے کے لیے تیار ہوگئی۔ وہ ڈکٹیشن بولنے لگا۔ شبیلہ بڑے انداز میں لکھنے لگی۔

سہیل شبیلہ کے حسین چہرے کو دیکھتا رہا۔ وہ کام میں مگن اس کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کر بیٹھی تھی۔ جب وہ ڈکٹیشن مکمل کر چکی تو اس نے ایک گہرا سانس لیا اور غیر ارادی طور پر اس کی نظریں سہیل کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

نظروں کا تصادم ہوا ——— ایک برقی رو سی جسموں میں دوڑ گئی مگر دوسرے ہی لمحہ وہ لڑکھڑا گئی ——— چند لمحوں بعد اس نے خود کو۔۔ سنبھال ——— یہ انداز راحیل نہ دیکھ سکا تھا۔ کیونکہ اس کی نظریں فائل پر جمی ہوئی تھیں۔

"باس! ——"

"فرمایئے! ——— راحیل نے نظریں اٹھا کر شبیلہ کو دیکھا ——— سہیل کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اسے ڈر محسوس ہوا کہ کہیں شبیلہ اس کی شرارت راحیل کو نہ بتا دے۔ اس نے شبیلہ سے آخر کی بھی تو زیادتی تھی۔ اس نے اسے بہت تنگ کیا تھا۔

"باس! میں آج ——— ذرا جلدی گھر جانا چاہتی ہوں"

سہیل کو یوں لگا۔ جیسے اسے نئی زندگی مل گئی ہو ——— اس کے دل کی دھڑکن کو قرار آگیا ——— اور

اس کے دل میں شبیلہ کی توقیر افزوں ہو گئی ـــــ مگر شبیلہ نے اس کی طرف ـــ نظر اٹھا کر دیکھا تک بھی نہیں ـــــ اور وہ کاغذات اٹھا کر باہر آ گئی ـــــ

بھائی جان! ــــــ آپ کو تو ہر وقت بس اپنی فرم کا خیال رہتا ہے"۔ شاہدہ نے چہک کر کہا ــــــ "کبھی ہماری سیر و تفریح کا بھی.. خیال آیا ــــــ"

راحیل زور سے ہنسا۔

"تمہاری سیر و تفریح کاروبار سے زیادہ ہے کیا؟ ــــــ" راحیل نے ہلکا سا چپت شاہدہ کے گال پر لگایا ــــــ "تمہیں تمہارے مطلب کے بھائی جان ملے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ تفریح کو چلی جایا کرو۔ جیسی تم شرارتی ہو ویسے ہی یہ شوخ ــــــ"

"مگر بھائی جان ــــــ! اب تو سہیل بھائی بھی ہمیں لے کر نہیں جاتے"

اس نے منہ کا زاویہ بدل کر سہیل کی شکایت کی۔ سہیل نے مسکرا کر شاہدہ کے سر پہ ایک دھول جما دیا۔

"شکایت کرتی ہو بڑی بی! ——— وہ اس کی طرف جھک کر بولا۔
"اوہ آپ مارتے کیوں ہیں بھائی جان! ——— شاہدہ ناک سکیڑ کر بولی۔

اس کی حالت دیکھ کر سب مسکرانے لگے۔ سہیل نے زور سے قہقہہ لگایا۔
"ارے بھئی ارم! جلدی سے کیمرہ لاؤ اٹھا کر ——— اس وقت ہماری بڑی بی اچھے موڈ میں ہیں ——— ایک دو تصویریں ہی لے لیں ان کی ——
سہیل اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔
"بھائی جان جانے دیجئے ——— تصویریں کیوں ضائع کی جائیں ——"
ارم نے ہنس کر کہا۔
"باجی! ——— آج تو آپ کھلم کھلا دشمنی پر اتر آئی ہیں۔———"
اس نے روہانسی صورت بنا کر کچھ ایسے معصومیت سے یہ الفاظ کہے کہ سب ہی بے اختیار قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گئے۔ اور ارم کو اس پہ شدید پیار آ گیا۔
اس نے اسے پیار سے کھینچ کر اپنے سینے سے لپٹا لیا۔
"میں اپنی ننھی منی پیاری پیاری گڑیا کی دشمن بن سکتی ہوں بھلا ———"
وہ محبت سے بولی۔

فرحتوں کی کہکشاں اور مسکراہٹوں کی روشنی چھاور کر رہی تھی۔ اور وہ ڈائننگ ہال میں بیٹھے بڑے ہشاش بشاش انداز میں شام کی چائے پی رہے تھے۔

چہرے پھول کی طرح کھلے ہوئے تھے۔ کئی دن بعد آج سہیل بھی مطمئن نظر آ رہے تھے۔ تاہم ان کے چہرے پہ دل کی ہلکی سی خلش کے آثار کبھی کبھی جھلک جاتے تھے۔

"ڈیڈی! آج تو سہیل نے بڑا کام کیا ہے ـــــ" راحیل نے سہیل کی طرف مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے ـــــ" افتخار احمد تحسین آمیز نظروں سے سہیل کو دیکھ کر بولے۔

"دیکھ لیجئے! ڈیڈی! میں نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا ـــــ" سہیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے تو جب یقین ہوگا جب تم باقاعدگی کے ساتھ فرم آنے لگو گے ـــــ" راحیل نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"تو پھر بھائی جان لیجئے! ایک ناغہ بھی نہ ہوگا میرے لیے اب جلد ہی اپنے ساتھ والے کمرے میں آفس میں بندوبست کر دیجئے!"

"اگر یہ بات ہے ـــــ تو پھر سمجھ لو ـــــ تمہارے لیے آفس بن گیا ـــــ"

"شکریہ بھائی جان!"

"آج مجھے جتنی خوشی ہو رہی ہے۔ میں بیان نہیں کر سکتا ـــــ" افتخار احمد مسرت آمیز لہجہ میں بولے۔

"ایسی خوشی کی کیا بات ہوئی ہے ڈیڈی! ـــــ" سہیل نے شرارت سے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"یہی بات خوشی سے کیا کم ہے کہ تمہیں بھی اپنی ذمے داری کا احساس ہو گیا ہے۔ پھر وہ ذرا رک کے ـــــ اس کے علاوہ آج سے ہماری ٹیکسٹائل مل نے بیرونی ممالک کے آرڈرز کے لیے کام شروع کر دیا ہے جس میں کافی منافع کی امید ہے"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے ڈیڈی ـــــ سہیل ادب سے بولا۔
"درست کہتے ہو بیٹے! ـــــ" یہ کہہ کر وہ چائے پینے لگے۔ اتنی مہلت پاکر راحیل اٹھ کھڑا ہوا۔ سہیل نے جلدی سے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔
"چل دیئے بھائی جان! ـــــ وہ مسکرایا۔
"مجھے لارڈز میں کچھ کاروباری لوگوں سے ملنا ہے ـــــ وہ نرم لہجے میں بولا۔

"جاؤ بیٹے! ـــــ افتخار احمد نے اسے اجازت دے دی۔ جانے سے پہلے اس نے شاہدہ کی طرف پیار سے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں بے پناہ محبت کروٹیں لے رہی تھی۔
"سہیل! ـــــ بھئی ہماری شاہدہ کو گھما لایا کرو ـــــ" اس نے سہیل سے کہا۔
"کیوں نہیں بھائی جان! میں اسی کا تو ملازم ہوں ـــــ وہ شرارت سے بولا۔

"ارے بھئی کس کے ملازم ہو گئے آپ؟ ـــــ ارشد نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ اسے دیکھ کر افتخار احمد کے چہرے پر ناگواریت کے آثار پیدا ہو گئے۔
"پھر آ گیا ـــــ" وہ آپ ہی آپ بڑبڑائے۔
ان کی بڑبڑاہٹ کو سب نے سن لیا۔ سب کے چہروں کے رنگ بدل گئے۔ مگر یہ رنگ عارضی تھا۔
"بیٹھو، ارشد کھڑے کیوں ہو! ـــــ راحیل نے خوشگوار لہجے میں کہا۔
گھر میں سوائے افتخار احمد کے اسے سب اچھا جانتے تھے اور اس سے محبت کرتے

انہیں محبت کرتے تھے۔
"شکریہ بھائی جان! ـــــ" ارشد کرسی پر بیٹھ گیا۔
"ارم چائے بنا کر ارشد کو دو ـــــ" راحیل نے ارم سے کہا۔ ارم نے فوراً تعمیل کی اور مجائے لجائے انداز میں چائے بنانے لگی۔ وہ ارشد کو دیکھ کر سرخ ہو گئی تھی اور گہری شرم وحیا اس پر مسلط تھی۔
"بھائی جان میں تو چائے پی کر ہی آیا تھا ـــــ" ارشد نے قدرے تکلف سے کام لیا۔
"کوئی بات نہیں۔ ایک بار پھر پی لو ـــــ" راحیل نے اصرار کیا۔ اور وہ خاموش ہو گیا۔
اسی لمحہ رشیدہ بیگم اپنی نوجوان حسین وجمیل بیٹی فاخرہ کو لیے ہوئے آ گئیں فاخرہ نے ہلکا سا میک اپ کیا ہوا تھا۔ اس کے گندمی رنگ پر یہ میک اپ بڑی بہار دے رہا تھا۔ آسمانی ریشمی ساڑی میں وہ کافی نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔ اس کا قد سرو کی طرح تھا۔ اور آنکھوں میں ستاروں کی جگمگاہٹ تھی جسم بھرا بھرا اور سڈول تھا۔ اور اس کے انگ انگ میں بلا کی مستی تھی۔
"خالہ جان! اور فاخرہ! ـــــ ارم سب سے پہلے بولی
سب کی نگاہوں نے گیلری میں جھانکا اور چہرے کھل گئے۔ آنکھوں میں اپنائیت لہریں لینے لگی۔ مگر افتخار احمد کبیدہ خاطر نظر آنے لگے۔
ارشد نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور پھر نظریں نیچی کر لیں۔
"اوہ! انہیں بھی اسی وقت آنا تھا ـــــ" وہ جھنجلا کر بولے۔
راحیل، سہیل اور ارم اپنے ڈیڈی کے ایسے جملوں کے عادی ہو گئے تھے انہیں اس بارے میں ان سے شدید اختلاف رائے تھا۔ وہ تینوں اپنے رشتہ داروں کی

بڑی آؤ بھگت کرتے تھے اور رشیدہ بیگم سے تو وہ اپنی ماں جیسا محبت و سلوک کرتے تھے۔ اور ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔

وہ سب جلدی سے باہر نکل آئے۔

"خالہ جان! اسلام!"

"خالہ جان! آداب عرض!"

سب نے باری باری رشیدہ بیگم کو سلام کیا اور رشیدہ بیگم نے انہیں پر شفقت انداز میں دعائیں دیں۔

"انکل آداب! ـــــ فاخرہ نے بڑی پر محبت آواز میں افتخار احمد کو سلام کیا۔

انھوں نے پوری رعونت کے ساتھ گردن ہلا کر سلام کا جواب دیا۔

"کیسے ہو افتخار بھائی؟ ـــــ" رشیدہ بیگم نے افتخار احمد کی خیریت دریافت کی۔

"ٹھیک ہوں ـــــ" ان کا لہجہ سخت اور اکھڑا سا تھا۔ جیسے سب نے محسوس کیا۔

رشیدہ بیگم الجھ سی گئیں۔ ـــــ مگر پھر انہوں نے اپنے چہرے کے تاثرات بڑی خاموشی سے بدل ڈالے۔ اور بچوں کی طرف محبت سے دیکھا۔ افتخار احمد اپنے کمرے میں چلے گئے اور وہ سب ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ چائے کے دو چار گھونٹ اندر جانے کے بعد ارشد بھی جلد بد طرز پر آراستہ ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

"خالہ جان بڑے دنوں کے بعد ادھر کا راستہ یاد آیا ہے ـــــ" راحیل نے گہری اپنائیت کا اظہار کیا۔

"کیا کروں بیٹے گھر سے نکلا ہی نہیں جاتا ـــــ" رشیدہ بیگم نے مشفقانہ

انداز میں کہا ـــــ گھر کے کام کاج فرصت ہی نہیں لینے دیتے۔

"رشیدہ بیگم ادھیڑ عمر عورت تھیں۔ ان کا خاوند عرصہ ہوا فوت ہو چکا تھا۔ ان کی صرف ایک ہی لڑکی تھی۔ مرنے والا اپنی عقلمندی سے اتنا پس انداز کر گیا تھا۔ جس سے ماں بیٹی کو اپنے اخراجات کے لیے پریشان نہ ہونا پڑتا تھا۔ اتنی جائیداد تھی جس کے کرایہ سے ان کی گزر بسر بہ آسانی ہو جاتی تھی۔

فاخرہ بی اے کی اسٹوڈنٹ تھی۔ اور کلاس میں بڑی ذہین سمجھی جاتی تھی۔ اسے اپنی ہم جماعت لڑکیوں میں کافی مقبولیت حاصل تھی۔ اس کی موجودگی کے بغیر لڑکیوں کی محفلیں سونی سونی رہتی تھیں۔ وہ ڈی بیٹر بھی بہت اچھی تھی۔ اس کا کالج پچھلی ڈی بیٹ میں اسی کی وجہ سے فرسٹ آیا تھا۔

رشیدہ بیگم کا حسن جو کسی زمانے میں مثالی ہوگا۔ اب ڈھلتی پرچھائیں بن کر رہ گیا تھا۔ اس پرچھائیں کے خط و خال اب بھی اپنے حسین ماضی کا فسانہ سناتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ ان کی گہری بڑی بڑی آنکھیں اپنی گزشتہ کی کہانی سناتی نظر آتی تھیں۔ عمر کی زیادتی کی وجہ سے گو ان کا سفید رنگ ماند پڑ گیا تھا۔ تاہم ان کی چمک اب بھی تانبے کی طرح دمکتی تھی۔ ایک دو جھریاں لبوں کے قریب آگئی تھیں۔ اس کے علاوہ ان کا چہرہ صاف تھا۔

فاخرہ اور ارم ایک طرف صوفوں پہ بیٹھی آپس میں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ ارم، فاخرہ، کے کالج میں ہی پڑھتی تھی، اس لیے ان کا آپس میں کافی میل جول تھا ان کی رفاقت دوستی کی سرحدوں تک پہنچ گئی تھی۔

"باجی! ـــــ یہ کیا کھسر پھسر ہو رہی ہے"ـــــ شاہدہ نے تاک کر کہا۔ "محفل میں باتیں۔ اس طرح ـــــ کرنا چاہئیں۔ کہ سب سنیں۔

"تو چپکی بیٹھی رہ شاہدہ ـــــ ہر وقت کی شرارت مجھے ایک آنکھ

نہیں سمجھاتی۔"

ارم نے سنجیدگی سے اُٹھتے ڈانٹا۔

شاہدہ کو پھر کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

"ارے بھئی شاہدہ نے ٹھیک ہی کہا ہے اس رازونیاز کے لیے کوئی اور وقت اٹھا رکھیے۔"

سہیل نے منہ بسورتی ہوئی شاہدہ کی حمایت کی۔ اس حمایت پر شاہدہ کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔ ارم اور فاخرہ شرم سے سرخ ہو گئیں۔

فاخرہ نے شرمیلی شرمیلی اور گہری گہری نظروں سے دلبرانہ انداز میں سہیل کی طرف دیکھا۔ مگر اس نے ان نظروں سے کوئی تاثر نہ لیا۔ وہ جانتا تھا کہ فاخرہ اس کی ذات سے دلچسپی رکھتی ہے۔ اس کی نظروں میں اس کے لیے ایک پیغام ہوتا۔ ایسا پیغام جسے ہر جوان دل اور ہر جوان نظر بخوبی سمجھ سکتی ہے۔ اس کی نظریں لمسِ بہار کی کہانیاں سناتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ ان کی مسکراہٹ سے نئی راہیں دکھاتی ہوئی ضوفشانی کرتی تھی۔ مگر سہیل نے کبھی ادھر توجہ نہیں کی تھی۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس نے ان جذبوں کا کوئی اثر قبول نہیں کیا تھا۔

سہیل نے اپنے دل میں چھپے ہوئے جذبات کو کئی بار ٹٹولا تھا مگر فاخرہ کے لیے اسے ہر وقت نفی ہی میں جواب ملا تھا۔ وہ فاخرہ کو اپنا آئیڈیل نہ بنا سکا تھا۔ اپنی تمناؤں کا محل نہ سمجھ سکا تھا۔ یہ اور بات ہے فاخرہ اسے اپنا سب کچھ مان چکی تھی اس نے اس کی شخصیت کو اپنے من مندر کا دیوتا بنا لیا تھا۔ اور دیوتا تھا کہ اس سے دور ہی دور رہتا تھا۔ دیوتا نے کسی اور داسی سے ناطہ جوڑ لیا تھا۔

وہ داسی کون تھی؟

داسی جو بڑی کٹھور اور بے پروا تھی جس نے ابھی تک دیوتا کی طرف توجہ بھی

نہیں کی تھی۔ اس کے چرنوں میں پھول تک نہ چھینکے تھے۔ جو دیوتا سے دور وہ بھاگی تھی!

اور یہ داسی تھی شبیلہ۔

شبیلہ جب سہیل کی لاپرواہ زندگی میں آئی تھی۔ اس نے اس کے وجود کو بہار کا ایک پیغام سمجھا تھا۔ ایک دلنواز نغمہ جانا تھا۔ اور اب وہ لاابالی سا نوجوان ہر دم اسے پانے کی جدوجہد ہی میں لگا رہتا تھا۔ وہ تو حسنِ اتفاق تھا۔ کہ وہ نرم گیا اور اس کی ملاقات شبیلہ سے ہو گئی۔ ورنہ اسے ابھی کتنے اور دن دیوانگی اور بیگانگی کی حالت میں گزارنے پڑتے ان حالات میں فاخرہ کے لیے کسی گنجائش یا توجہ کا امکان بالکل ہی ختم ہو چکا تھا۔

فاخرہ نے کتنے ہی دن سے سہیل کو نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے وہ اپنی امی کو ارم سے ملنے کا بہانہ کر کے یہاں لے آئی تھی۔ اور ارم کی باتوں کی آڑ لے کر چوری چوری سہیل کو دیکھ رہی تھی۔ سہیل ان نظروں کا مطلب خوب سمجھتا تھا۔

یکایک راحیل دروازے کی طرف بڑھا۔

کدھر چلے بیٹے! ــــــ رشیدہ بیگم نے اسے محبت سے پکارا

"خالہ جان! مجھے ایک ضروری کام ہے۔ جلد ہی آجاؤں گا۔ امید ہے رات کے کھانے پر آپ سے ملاقات ہو گی۔ ــــــ" یہ کہہ کر وہ دروازے سے باہر نکل گیا

اس کے جانے کے چند لمحوں بعد ہی سہیل بھی اٹھ گیا۔

آپ بھی چلے ــــــ یہ تو بری بات ہے مہمان آپ کے گھر آئیں اور آپ چلے جائیں۔ ــــــ ارشد نے ہنس کر مزاحیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا

ــــــ "آپ کی غیر حاضری سے مہمانوں کے دل ٹوٹنے کا خطرہ ہے"

"فاخرہ اس چوٹ سے شرما گئی ارم کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیل گئی

اور سہیل جھینپ گیا۔

"بھئی! ـــــ مہمانوں کے پاس ارم جو ہے اور پھر ہمارا بھائی ارشد گلفام بھی ـــــ" سہیل خوش بخت ہو کر بولا۔

"نا بھائی جان! ـــــ آپ کے مقابلے میں ہماری گلفامی نہیں چلے گی ـ" ارشد بے ایہ مذاق کیے جا رہا تھا۔

سہیل ایک بار پھر خفیف ہوتا۔ ـــــ ندامت کا حسین رنگ اس کے چہرے پر پھیل گیا۔ ـــــ فاخرہ تو شرم سے کٹی چلی جا رہی تھی۔ ارم اس کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ اور اس کی دبی دبی مسکراہٹ ہر لمحہ ابھر رہی تھی۔

"ارشد تم بھی ایک ہی حضرت ہو! ـــــ" سہیل بے دلی سے دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ارشد بیٹے! جانے دو اسے! کسی کام سے جا رہا ہوگا ـــــ" رشیدہ بیگم نے پرسمت آواز میں کہا۔

"خالہ جان انھیں کیا کام ہو سکتا ہے اس وقت ـــــ" پھر وہ دانستہ چہرہ بنا کر بولا ـــــ "کام ہو بھی تو مہمانوں کے لیے اسے التواء میں ڈالا جا سکتا ہے۔"

"جانے دیجیے ارشد بھائی! کوئی اپنی مرضی سے نہ بیٹھنا چاہے۔ تو اسے مجبور نہیں کیا کرتے ـــــ" فاخرہ نے افسردہ سا چہرہ بنا کر پہلی بار لب کشائی کی ہزاروں مایوسیاں اس کے لہجہ میں سمٹ آئی تھیں۔ جیسے سب ہی نے محسوس کیا۔

"دیکھو بھئی! اب تو مہمانوں کی طرف سے کلی اجازت مل گئی ہے۔ اب تو جا سکتا ہوں نا ـــــ" سہیل نے انتہائی ڈھٹائی سے کہا۔

فاخرہ کا چہرہ تاریک تر ہو گیا۔ سہیل نے ایک نظر فاخرہ کو دیکھا۔ اس کی بدلتی ہوئی رنگت کو محسوس کیا۔ مگر اس کا دل نہ بے چین ہوا نہ اس نے کوئی تاثر لیا۔ وہ عجیب سی مسکراہٹ لبوں پر لیے باہر نکل آیا۔ اور گاڑی میں بیٹھ کر مال کی طرف چلدیا۔ اس نے یوں ہی بے مدعا مال کے دو چکر لگائے اور پھر شیزان میں آکر بیٹھ گیا۔ وہ سوچوں میں ڈوب گیا۔ اس کے ذہن کی دیواروں سے دو نام ٹکرانے لگے۔

فاخــــرہ!

شبیلہ!

دونوں نام اس سے اٹھکیلیاں کرنے لگے۔ بے چین کرنے لگے۔ آخر شبیلہ کا نام اس تصادم میں ابھر آیا۔ نمایاں ہو گیا اور ذہن پر چھا گیا۔

فاخرہ اس کے ذہن سے بالکل نکل گئی۔ شبیلہ پوری رعنائیوں اور جلوہ آرائیوں کے ساتھ اس کی نگاہوں کے سامنے مسکرانے لگی۔ اب ذہن کی دیواروں سے دو ناموں کا ٹکراؤ ختم ہو چکا تھا۔ وہ شبیلہ نام کی دلفریبی میں کھو گیا۔ شبیلہ اس کے دل کے کتنا قریب ہو گئی تھی۔ کیا وہ بھی شبیلہ کے دل کے قریب پہنچ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا وہ خود تو ایک ہی ملاقات میں اس کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے پیالوں میں کھو گیا تھا۔ اس کے دلفریب خیالوں میں گم رہنے لگا تھا۔ اس کی ایک مسکراہٹ پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کی سوچنے لگا تھا۔ اس کی ذہن کے گرد خیالوں کی ریشمی سرسراہٹ محیط ہوتی چلی گئی۔ اسے بے خود بنا رہی تھی۔ مدہوش سا کر رہی تھی۔

دفعتاً اسے احساس ہوا۔ جیسے اس کے سامنے کوئی کھڑا ہے۔ اس نے چہرہ اٹھا کر غور سے سامنے دیکھا تو اسے اپنے اس خیال پر شرمندہ ہونا پڑا کہ اس کے سامنے اس کا عزیز دوست راشد کھڑا ہے۔ جو مسکراتا ہوا اس کی محویت کو پر شوق

انداز میں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دروازے میں داخل ہوتے ہوئے اس کی نظریں سہیل پر پڑی تھیں۔ اس سے اسے ایک گونہ راحت کا احساس ہوا تھا۔ سہیل اسے کئی دنوں کے بعد ملا تھا۔ اسی لیے وہ سیدھا اسی کی طرف چلا آیا تھا۔

"راشد ـــــ" سہیل کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"اچھی طرح دیکھ لو۔ کوئی اور نہ ہو ـــــ" پھر اس نے قہقہہ لگایا۔

"اتنی گہری محویت؟ ـــــ خیر تو ہے!"

سہیل نے ایک پشیمان مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیری۔

"آؤ بیٹھو! ـــــ" پھر اس نے ندامت کو مٹا کر کہا ـــــ "تمہیں اس وقت اپنے سامنے پا کر مجھے بے حد مسرت ہوئی ہے۔"

"میرے خیال میں تو خاک مسرت نہیں ہوئی ـــــ چہرہ تو یہی بتا رہا ہے۔ ـــــ" اس نے مذاق کیا ـــــ "میں تو سمجھتا ہوں۔ میں نے تمہارے سامنے آکر سخت حماقت کی ہے۔ تمہارے تصوراتی نظام کو درہم برہم کر دیا ہے ـــــ"

"اچھا ہوا یہ نظام درہم برہم ہو گیا ـــــ" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "ورنہ جانے کب تک یونہی بیٹھا رہتا۔"

"مگر یونہی بیٹھنے کی آخر کوئی وجہ بھی تو ہو؟! ـــــ" راشد نے اس کے دل کو کریدا۔

"وجہ" سہیل نے اسے گہری نظروں سے دیکھا ـــــ "وجہ کیا ہو سکتی ہے!! ـــــ"

"انسان بغیر کسی وجہ کے اتنی محویت میں گم نہیں ہو سکتا ـــــ" اس نے ادھر ادھر میزوں پر نظریں دوڑائیں اور پھر جب کہ حسین ترین چہرے

ہوٹل میں موجود ہوں"۔

"حسین چہرے! ـــــ اس نے افسردگی سے کہا ـــــ حسین چہروں کے پیچھے اگر حسین دل ہوں تو واقعی انسان ان سے بیزار ہو کر اپنے خیالوں میں گم نہیں ہو سکتا"۔

"مگر حسین چہروں کے پیچھے حسین دلوں کی پہچان کیا ہے؟ ـــــ" راشد نے اسے غور سے دیکھا۔

"تصورات میں گم ہونا ـــــ" سہیل نے قہقہہ لگایا۔

"تصورات میں بھی تو انسان اس وقت گم ہو سکتا ہے۔ جب ان حسین چہروں سے زیادہ خوبصورت چہرہ خیالوں میں اتر آیا ہو ـــــ راشد نے اسے معنی خیز انداز میں گھورا۔

"وہ خاموش رہا ـــــ اس نے کوئی جواب نہ دیا ـــــ بس راشد کے چہرے کو گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔

"تو اس کا مطلب ہے ـــــ میں نے سچ ہی کہا ہے ـــــ ہمارے بے پرواہ دوست کو بھی کسی نے جیت لیا ہے ـــــ" اس نے سہیل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"کسی نے جیتا نہیں ـــــ تمہارا دوست خود ہی ہار گیا ہے ـــــ" سہیل کا لہجہ مغموم تھا۔

بہت ہی گہری چوٹ کھائی ہے ـــــ وہ تھوڑا سا آگے جھکا "کس کے سامنے ہار گئے ـــــ کون خوش نصیب ہے وہ"

"اگر وہ خود کو خوش نصیب سمجھے تب نا ـــــ" اس کا لہجہ اداس تھا "وہ تو مجھ سے بے تکلفی سے بات بھی نہیں کرتی"۔

"کیس خاصا سیریس معلوم ہوتا ہے۔"

"بہت بری طرح الجھ گیا ہوں راشد! —— " وہ بے چینی سے بولا۔

"اسی لیے اتنے دن ملاقات نہ ہو سکی۔"

"یہی سمجھ لو۔"

"آخر کچھ پتہ بھی تو چلے۔ تمہارے ساتھ ہوا کیا —— " اس نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

سہیل نے راشد کے لہجے سے متاثر ہو کر شبیلہ سے اپنی ملاقات کا تمام قصہ بیان کر دیا۔ راشد غور سے سُنتا رہا۔

"گھبراؤ نہیں —— انتہا خوشگوار ہوگی —— " یہ کہہ کر اس نے چائے کا آرڈر دیا۔"

"سمجھ میں نہیں آتا ـــــ یہ تم ہر روز کہاں جاتی ہو بیٹی ـــــ" رابعہ بیگم نے شبیلہ کو ناشتے کے بعد باہر جانے کی تیاری کرتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"ہاں بیٹی! تم آخر تمام دن کہاں غائب رہتی ہو؟ ـــــ" ارشاد احمد بھی تشویش ناک لہجے میں کہا۔

"ابا جان! تمام دن کہاں غائب رہتی ہوں ـــــ چار بجے تو آجاتی ہوں۔"

اس نے بظاہر ہونٹوں پر مسکراہٹ لا کر کہا ـــــ مگر اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ خدشات اس کے ذہن میں سر ابھارنے لگے تھے۔ اسے خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں اس کی نوکری کا بھید نہ کھل جائے۔

"ابا جان ایک سہیلی کے پاس جاتی ہوں ـــــ اس نے فوراً ہی ایک بہانہ تراش لیا۔ وہ ہوسٹل میں رہتی ہے۔ اچانک بڑی سخت بیمار ہو گئی ہے۔ اس کے پاس کوئی نہیں ہے۔ اس لیے اس کی تیمارداری کرتی ہوں۔"

"تو پھر اسے اپنے گھر لے آؤ بیٹی! ـــــ" اس کی ماں اس کی بات پر یقین کر کے ہمدردی سے بولی۔

"میں نے تو اس سے کئی مرتبہ کہا ہے امی جان! ـــــ مگر وہ مانتی ہی نہیں"
وہ جلدی سے بولی۔

"اس کے گھر والے ابھی تک اس کے پاس نہیں پہنچے ـــــ" ارشاد احمد مشکوک انداز میں بولے۔

"اس کی ایک بڑی بہن کے سوا اور کوئی نہیں ہے ابا جان! ـــــ وہ اسکول میں ہیڈ مسٹریس ہے ـــــ آئی تھی دو روز رہ کر چلی گئی ہے ـــــ پرخلوص عورت ہے بے چاری ـــــ میرا بڑے اچھے الفاظ میں شکریہ ادا کر کے گئی ہے ـــــ" اس نے بہانہ کو پر اثر بنانے میں بڑی شاندار اداکاری کی۔

"تم جانو! بیٹی! ـــــ" اس کے والد افسردہ لہجہ میں بولے ـــــ
"زمانہ خراب ہے میں تو اس لیے کہہ رہا تھا۔ کہیں ٹھوکر نہ کھا بیٹھو! ـــــ"

"میں دیکھ کر چلتی ہوں ابا جان! ـــــ" اس نے پر عزم لہجے میں کہا۔

"دیکھ کر چلنے والے بھی ٹھوکر کھاتے ہیں بیٹی! ـــــ" وہ گہری آواز میں بولے۔

"میں آپ کی بیٹی ہوں! ابا جان ـــــ" اس کا لہجہ مستحکم تھا ـــــ "اور آپ کی بیٹی کا کوئی قدم غلط نہیں اٹھے گا ـــــ آپ مطمئن رہیں۔"

"میں تو مطمئن ہی ہوں بیٹی! ـــــ" پھر وہ اسے غور سے دیکھ کر بولے۔
"زمانے کو مطمئن رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔"

"آپ بے فکر رہیں ـــــ میری طرف سے زمانے کو کبھی انگلیاں اٹھانے کا موقعہ نہیں ملے گا ـــــ وہ ایک اعتماد سے بولی ـــــ اس کی باتوں سے اس کے والدین کو اطمینان ہوگیا۔

"اس نے پرس اٹھایا اور باہر نکل گئی۔

سڑک پر آکر اس نے بس پکڑی اور فرم آگئی۔ اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے پرس میز پر رکھ دیا۔ اس کے آتے ہی ڈاک آنی شروع ہو گئی۔

اس کے علاوہ بھی تین لڑکیاں اور اس فرم میں کام کرتی تھیں۔ ان میں دو کرسچین لڑکیاں تھیں۔ وہ دونوں اسٹینو گرافر تھیں۔ تیسری لڑکی کلرک تھی۔ تینوں لڑکیاں شبیلہ سے کھل مل نہ سکی تھیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی۔ وہ خود ہی ان سے دور دور رہتی تھی۔ اس نے کبھی ان سے قریب ہونے کی کوشش نہ کی تھی۔ کسی اشد ضرورت سے ہی ان سے ہم کلام ہوتی تھی۔ نہیں تو وہ بے مقصد بات نہ کرتی تھی۔ وہ تینوں اس کے اس رویے سے جلن سی محسوس کرنے لگی تھیں اس وقت سے تو وہ اپنے دل میں اور بھی حسد محسوس کرنے لگی تھیں۔ جب سے انہوں نے باس کی نظروں میں اس کے لیے ہمدردی محسوس کی تھی۔ اب لڑکیوں کا تمام کام وہی باس سے سمجھتی تھی۔ اور آکر انہیں سمجھاتی تھی۔ اس سے اس کی حیثیت دفتر میں نمایاں ہو گئی تھی۔ دفتری عملہ اس سے خار کھانے لگا تھا۔ شبیلہ نے کبھی کسی سے بات کرنا ضروری نہ سمجھا تھا۔ اس لیے سب اس سے چڑنے لگے تھے۔ اس کے برعکس تینوں لڑکیاں عملے سے بے تکلفی سے باتیں کرتی تھیں۔

جب وہ خطوط ڈسپیچ کر چکی تو ان میں سے دو خط منتخب کر کے وہ باس کے کمرے میں گئی۔ قدموں کی آہٹ سن کر سہیل نے نظریں اٹھائیں۔ آج پھر وہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ ساحل کسی کاروباری مصروفیت سے باہر گیا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ وہ جھجکتی جھجکتی آگے بڑھی۔

"آئیے! تشریف لائیے!" ــــــ اس نے انتہائی اخلاق سے کہا وہ آگے بڑھی اور اس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں

اور چہرہ متانت لیے ہوئے تھا۔ گہری متانت، جیسی راہبہ عورتوں کے چہرے پر دیکھی جاسکتی ہے۔ وہ اس کا چہرہ دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

"بیٹھیے! ۔۔۔ آپ کھڑی ہیں"

وہ بغیر کسی تاثر کے بیٹھ گئی۔

"فرمایئے" وہ نرم لہجے میں بولا۔

اس نے دو خط اس کی طرف بڑھا دیئے!

یہ دو ضروری خط ہیں۔ ان کا جواب لکھوا دیجئے ۔۔۔ وہ خشک سے لہجے میں بولی۔

اس نے وہ خط لے لیے اور انھیں میز پر پڑے ہوئے شیشے پر رکھ دیا۔ اور اس کے چہرے کی طرف گہری نظر سے دیکھنے لگا۔ شبیلہ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ لیکن وہ اس کے نگاہوں کے لمس کو محسوس کر رہی تھی ۔۔۔ وہ کسمسائی۔

"کام شروع کیجئے ۔۔۔" وہ مضطرب ہوکر بولی۔

"آپ کو چند لمحے یونہی بیٹھنا گوارا نہیں ۔۔۔ اس نے اپنے لہجے کو پر سوز بنا کر کہا ۔۔۔ "جانتا ہوں ۔۔۔ میں نے آپ کا دل دکھایا ہے ۔۔۔ لیکن کیا آپ مجھے معاف نہیں کرسکتیں ۔۔۔" سہیل کا لہجہ افسردہ تھا۔

شبیلہ نے ایک نظر اسے دیکھا۔ پھر اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔

اب آپ میری بات کا جواب بھی دینا نہیں چاہتیں ۔۔۔" اس کی آواز رنج و غم میں ڈوب گئی تھی ۔۔۔ "کیا بارش میں بھیگی ہوئی ملاقات کا یہی نتیجہ ہے کہ آپ یوں مجھ سے سخت برہم ہو جائیں گی؟

"آپ بار بار اس رات کا تذکرہ نہ کیا کیجئے ۔۔۔ اسے اتفاق سمجھ کر

بھلا دیجئے؛ ـــــ" اس نے لاتعلقی سے کہا ـــــ "زندگی میں ایسے حادثے ہوتے ہی رہتے ہیں۔"

"زندگی بے شک حادثات کا مجموعہ ہے ـــــ لیکن بعض حادثے ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں زندگی کے کسی مرحلے پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ـــــ آپ اس حادثے کو بھلا دیں۔ تو بھلا دیں۔ یہ بات کم از کم میرے بس کی تو نہیں ہے" اس نے بڑی خوبی سے دل کی بات کہہ ڈالی۔

شبیلہ بے چین ہو گئی۔ اور اضطراب انگیز کسلمندی محسوس کرنے لگی۔

"پلیز! خدا کے لیے اس ذکر کو جانے دو ـــــ وہ انتہائی افسردہ آواز میں بولی۔

"تو پھر آپ مجھے معاف کر دیجئے! ـــــ" وہ درد بھری آواز میں بولا۔ "بے شک مجھ سے قصور ہوا ہے ـــــ آپ کا دل دکھایا ہے۔ لیکن یقین کیجئے ـــــ وہ مذاق تھا محض مذاق ـــــ جس کے لیے میں بہت پشیمان ہوں۔"

"میں نے آپ سے کسی قسم کی شکایت تو نہیں کی ـــــ" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"لیکن بے رخی سے بڑی سزا اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"میری بے رخی سے آپ کو کیا فرق پڑ سکتا ہے ـــــ شبیلہ افسردہ لہجے میں بولی۔

"فرق ـــــ آپ کیا جانیں ـــــ آپ کی بے رخی سے میرے دل کو کتنی تکلیف پہنچتی ہے ـــــ" اس کا لہجہ پر سوز تھا۔

"میں آپ نے آفس کی ملازمہ ہوں، اور ملازم ملازم ہی ہوتا ہے۔ بہ شرفی کا تعلق..."

کھیل سکتا ہے۔ اس نے بڑے پرسوز انداز میں یہ الفاظ کہے۔ وہ یوں محسوس کر رہی تھی جیسے وہ ابھی رو پڑے گی۔ اسے اپنے اس جذبے پر بے حد حیرت تھی۔ کہ آخر اسے ہو کیا ہے۔

سہیل اس کی آواز سے بے چین ہو گیا ـــــ تڑپ سا گیا۔ اس کے دل میں شبیلہ کے لیے ہمدردی کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

”شبیلہ! ـــــ“ اس کی آواز شدت جذبات سے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

”میں جانتا ہوں آپ کو یہ ملازمت مجبوراً کرنی پڑی ہے۔ مجبوری انسان سے سب کچھ کرا دیتی ہے اگر آپ کے والد بیمار نہ ہوتے تو شاید آج آپ یہاں نہ ہوتیں“

”شاید! ـــــ“ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

اس کے سرد لہجے سے اس کا چہرہ اور اندھیرے میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر ان کے درمیان خاموشی کا پردہ حائل رہا۔ پھر اس کے لب ہلے۔

”یہ آپ کی سرد مہری مجھے مار ڈالے گی ـــــ“ اس کے لہجے میں درد کی شدت ابھر آئی تھی ـــــ میں آپ کا بے رحمانہ سلوک برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ کے لہجے سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ مجھ سے بے حد ناراض ہیں ـــــ“ وہ بے حد جذباتی ہو گیا۔

”جب تک آپ مجھے معاف نہیں کریں گی ـــــ میں بھی خود کو معاف نہیں کر سکتا۔“

”کوشش کروں گی۔ آپ کو مجھ سے بے رخی کی شکایت نہ رہے ـــــ“ اس کی آواز کا تناؤ ختم ہو گیا ـــــ رہی معافی ـــــ کیسی معافی ـــــ آپ نے میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ہے جس کی معافی کا سوال ہو۔ آپ اس سے ہی اندازہ کر لیں کہ میں نوکری چھوڑ کر نہیں گئی ہوں ـــــ میرے دل میں آپ

کی طرف سے کوئی ناراضگی نہیں ہے"

"اوہ! ____ شکریہ! ____ وہ مسرت سے لرزتے لہجے میں آہستہ سے بولا ____ اسے یوں لگا جیسے وہ اندھیروں سے نکل کر روشنیوں میں آگیا ہو ____ عناں نے بہار کا نغمہ الاپنا شروع کر دیا ____ پھولوں کی نکہت تیزی سے اس کے ارمانوں کے گلستان میں پھیل گئی ____ سہیل کے برعکس شبیلہ کے جذبات پرسکون تھے اس نے اپنے دل میں کسی طرح کی ہلچل محسوس نہ کی تھی۔ کسی نئی کیفیت کا احساس تک اس کے چہرے سے نہیں ہوا ____ اس نے کسی انجانے جذبے کو قبول نہیں کیا تھا۔ ہاں اسے اپنے دل میں ہلکی سی ایک بے نام کسک کا احساس ضرور ہوا تھا۔ مگر اس احساس کو بھی اس نے جلد ہی دبا دیا تھا۔ کمرے میں سکوت پھیل رہا تھا۔ جو ہر دم گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ دفعتاً اس کی گہرائی کو راحیل کے قدموں کی آہٹ نے پاٹ دیا۔ دونوں نے چونک کر ادھر دیکھا ____ راحیل مسکراتا ہوا آ رہا تھا۔ سہیل ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

"آ گئے بھائی جان! ____" وہ مرتعش لہجے میں بولا۔ ____ شبیلہ بھی راحیل کو دیکھ کر سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"کیوں ____ کیا بات ہے! ____" اس نے میز کے قریب آ کر کہا۔

"یہ دو خط ہیں ____ ان کے جواب لکھانے ہیں۔ وہ کرسی سے اٹھ کر بولا ____" میں چلا ____" پھر اس نے بھرپور ایک نظر شبیلہ پر ڈالی۔ اور اس کے قدم تیزی سے دروازے کی طرف اٹھنے لگے۔

"سنو تو ____" راحیل نے پیچھے سے پکارا۔

"اب میں کچھ نہیں سن سکتا بھائی جان! ____ وہ دروازے سے باہر نکلتا ہوئے بولا" کل صبح حاضر ہو جاؤں گا۔ ____" راحیل زیر لب مسکرانے لگا پھر

اس نے فبیحہ کی طرف دیکھا۔ سہیل جا چکا تھا۔

"میرا بھائی بہت شوخ ہے ـــــ آپ کو تنگ تو نہیں کیا اس نے"

وہ مسکرا کر بولا۔

وہ ایک دم بوکھلا گئی۔

"جی! مجھے! نہیں تو! ـــــ" پھر وہ جلدی سے بولی "شیشے پر یہ خطوط پڑے ہیں، انہیں دیکھ لیجئے!"

"اوکے! اچھا! ـــــ" راحیل نے خط اٹھا کر پڑھنے شروع کر دیئے۔

جونہی اس نے گھر کے دروازے پر قدم رکھا، اُسے فضا کچھ بدلی بدلی سی محسوس ہوئی۔ وہ کچھ حیران سی ہو گئی۔ اس کے قدم تیزی سے اندر کی طرف اٹھنے لگے۔ اس نے کمروں کی طرف نگاہیں دوڑائیں۔ اس کے کمرے کا سامان نجمی کے کمرے میں آچکا تھا۔ دروازے اور کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ چھت کے پنکھے چل رہے تھے۔ نجمی اور اس کا کمرہ خالی پڑا تھا۔

وہ ادھر سے پلٹ کر ارشاد احمد کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ وہ اپنے والد کے پلنگ کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی — نجمی اور اس کی امی کرسی پر بیٹھی تھیں۔ سب نے نگاہیں اٹھا کر اسے غور سے دیکھا

"آؤ، بیٹھو بیٹی!" — پھر انہوں نے کہا — "تمہاری سہیلی کا کیا حال ہے؟"

وہ کچھ گھبرا سی گئی — مگر پھر اس نے کرسی پر بیٹھتے بیٹھتے اپنی گھبراہٹ کو

چھپا لیا۔

"اس کی صحت تیزی سے بحال ہو رہی ہے ابا جان! ـــــ پھر ذرا دم رک کر بولی ـــــ "آپ کی طبیعت بھی تو آج کافی بشاش دکھائی دیتی ہے۔"

"خدا کا شکر ہے بیٹی! ٹھیک ہو رہا ہوں ـــــ ایک پھیکی سی مسکراہٹ ان کے خشک لبوں پر پھیل گئی ـــــ "آج میں خود دوائی لینے ڈاکٹر کے پاس گیا تھا ـــــ"

"یہ تو بہت ہی خوشی کی خبر ہے ابا جان! ـــــ" وہ مسرور ہو کر بولی۔

"ہاں! آپی! ـــــ بہت ہی مسرت انگیز بات ہے! نجمی کا لہجہ فرحت آمیز تھا۔ ـــــ اب ابا جان جلد ہی رو بصحت ہو جائیں گے۔"

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے بیٹی ـــــ" رابعہ بیگم نے دعا دی۔

کمرے میں سکوت پھیل گیا۔

گھر میں کوئی مہمان آیا ہے کیا؟ ـــــ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے سکوت کا پردہ چاک کیا۔

"ہاں! آپی ـــــ" نجمی آنکھیں نیچی کر کے جلدی سے بولی ـــــ ابا جان کے کسی دوست کے لڑکے آئے ہیں۔"

"ابا جان کے دوست کے لڑکے ـــــ" شبیلہ کی نگاہیں حیرت سے پھیلنے لگیں۔

"ابا جان نے اپنے کسی اتنے گہرے دوست کا پہلے تو کبھی ذکر نہیں کیا تھا۔"

"نہیں کیا تھا بیٹی ـــــ" ارشاد احمد ایک گہرا سانس لے کر بولے۔" ماضی کی یادوں کو دفن کر چکا تھا۔ ـــــ میں ان خوشگوار لمحوں کی چنگاریوں کو گذرے وقت کی راکھ سے کریدنا نہ چاہتا تھا بیٹی! ـــــ ان یادوں سے مجھے

تکلیف پہنچتی ہے"

"ابا جان یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔۔" وہ اپنے ابا جان کو ایک منفرد موڈ کو دیکھ کر تعجب سے بولی۔

"سچ کہہ رہا ہوں بیٹی! ۔۔۔۔ ان کا لہجہ افسردہ تھا۔ ۔۔۔۔ ماضی کی یادیں حسین بھی ہیں اور تلخ بھی ۔۔۔۔ ماضی میں خوشگوار اور بے رحم لمحوں کا امتزاج میری زندگی بنا رہا ہے۔ میں نے روشنی بھی دیکھی ہے اور اندھیروں میں بھی چلا ہوں ۔۔۔۔ سمجھ لو میرا وہ دوست جس کا بیٹا لقمان آج میرے گھر مہمان بن کر آیا ہے۔ میری زندگی کی روشن راہوں کا ساتھی تھا ۔۔۔۔ جب میری راہوں میں تاریکیاں پھیلیں تو سب کا ساتھ چھوٹ چکا تھا۔ میرا دوست جمال مر گیا تھا۔ اور اپنے بعد مجھے ہمیشہ کی اداسیاں دے گیا۔"

ارشاد احمد کے چہرے پر یاسیت، ہنہنیت اور بے رحم لمحوں کی یادوں کے اندوہناک تاثر بکھر گئے تھے۔ انھیں ملول دیکھ کر سب ہی اداس ہو گئے تھے سب کو اداس دیکھ کر ارشاد احمد کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی جیسے انہوں نے بڑی کوشش کے بعد دل کے نہاں خانوں سے نکالا تھا۔

"ابا جان! تو آپ کے دوست کے بیٹے مہمان بن کر آئے ہیں ۔۔۔۔"
شبیلہ نے فکر آمیز آواز میں کہا۔

"ہاں بیٹی! لقمان میرے بہت ہی عزیز دوست کا بیٹا ہے ۔۔۔۔ اس کا باپ جمال میرے بچپن کا دوست تھا۔ ہم نے اکٹھے ہی تعلیم حاصل کی اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی ہماری راہیں الگ نہ ہوئیں ۔۔۔۔ وہ میری ذرا سی تکلیف دیکھ کر جان دینے کو تیار ہو جایا کرتا تھا ۔۔۔۔" وہ اس طرح بول رہے تھے جیسے ماضی کے تصورات میں ڈوبتے چلے جا رہے ہوں ۔۔۔۔ وہ مجھے بہت چاہتا تھا بیٹی! ۔۔۔۔

اور جب اس کا انتقال ہوا تب مجھے یوں لگا تھا. جیسے میں دنیا میں بالکل تنہا رہ گیا ہوں اور میں واقعی تنہا رہ گیا تھا ـــــ جب جمال فوت ہوا تو اس کے دونوں بچے چھوٹے چھوٹے تھے:"

" دونوں بچے ـــ" شبیلہ نے متحیرانہ انداز میں کہا.

"ہاں بیٹی! ایک تصور اور دوسری اس کی بہن جو قریب قریب اس سے دو سال چھوٹی ہے ـــــ" پھر انہوں نے رابعہ بیگم کی طرف دیکھا ـــــ تمہاری امی اچھی طرح جانتی ہیں انہیں ـــــ جمال کی بیگم شکیلہ جوانی بیوگی کے دن گزار رہی ہیں. تمہاری امی کی سہیلی رہی ہیں کبھی. میرا لاہور میں تبادلہ ہو جانے کی وجہ سے ساتھ چھوٹا ہے ان کا ـــــ"

"کیوں امی ـــ" نجمی نے پوچھا.

" تمہارے ابا جان سچ کہہ رہے ہیں بیٹی! رابعہ بیگم نے اداس لہجے میں کہا

" یہ لوگ رہتے کہاں ہیں امی جان! ـــــ" نجمی نے پرشوق انداز میں پوچھا.

" راولپنڈی میں رہتے ہیں بیٹی! ـــــ" رابعہ بیگم کے جواب دینے سے پہلے ہی ارشاد احمد بول پڑے ـــــ" بہت ہی رئیس لوگ ہیں کروڑوں کی جائیداد ہے ان کی."

" ہوں! ـــــ" نجمی نے پھر کچھ نہیں پوچھا ـــــ کمرے کی فضا پر گہری خاموشی مسلط ہو گئی. سب اپنی اپنی سوچوں میں ڈوبے ہوئے دکھائی دینے لگے. شبیلہ سب سے زیادہ فکرمند دکھائی دے رہی تھی. ارشاد احمد نے اس کے .. چہرے پر نگاہیں جما دیں.

"کون سے خیالوں میں کھو گئی ہو بیٹی! ـــــ اپنے والد کی محبت بھری

آواز پر وہ چونکی۔

"سوچ رہی ہوں ابا جان! ——" تصور رشیں زادے ہیں۔ اور ہم لوگ اس وقت سخت ناداری کے دور سے گذر رہے ہیں۔ میزبانی کے فرائض کیسے سرانجام دیئے جائیں گے —— اس کا بوجھ بہت ہی مشکل تھا —— " آپ کے پیارے دوست کا بیٹا آیا بھی تو کیسے حالات میں —— وہ کیا سوچے گا دل میں ——"

"تمہارا کہنا درست ہے بیٹی! —— صرف دس روپے رہ گئے ہیں۔ گھر میں —— اور ضرورت کی چیزیں قریب قریب سب ختم ہیں ——" رابعہ بیگم تشویش انگیز غم آلود لہجے میں بولیں —— "تمہارے ابا کی بیماری پر بہت روپیہ اٹھ گیا ہے۔"

"بیماری بھی ایسے ہی گھروں میں آتی ہے۔ جہاں اسے سہنے کی ذرا بھی ہمت نہ ہو ——" ارشاد احمد رنج آلود لہجے میں بولے۔

"آپ کسی قسم کا فکر نہ کیجئے ابا جان! —— صبح پیسوں کا انتظام ہو جائے گا۔" شبیلہ نے عزم سے پر آواز میں کہا۔

"پیسوں کا انتظام ہو جائے گا —— ارشاد احمد متعجبانہ بولے —— وہ کیسے بیٹی! ——"

"میں اپنی کسی سہیلی سے ادھار لے لوں گی ——" شبیلہ نے آہستہ سے کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا بیٹی ——" ارشاد احمد سختی سے بولے —— "میں نہیں چاہتا تمہیں کسی سہیلی کے سامنے پشیمان ہونا پڑے۔ ہم کوئی زیور بیچ کر گزارہ کر لیں گے۔

"نہیں ابا جان!" ــــــ اس نے ایک عزم سے کہا ــــــ "امی کا کوئی زیور نہیں بکے گا۔ سہیلی سے اگر کسی مصیبت کے وقت قرض لے لیا جائے تو اس میں کیا برائی ہے۔ ہم اسے جلد لوٹانے کی کوشش کریں گے۔"

"ٹھیک کہتی ہے شبیلہ!" ــــــ رابعہ بیگم نے تائید کی ــــــ "آپ اب جلد ہی بینک جانے لگیں گے۔ حالات سدھرتے ہی قرضہ لوٹانے کی کوشش کریں گے۔"

ارشاد احمد تذبذب میں پڑے ہوئے دکھائی دینے لگے۔

"تم جانو بیٹی۔ ایک بات کا خیال رہے۔ تمہاری خود داری کو مجروح نہ ہونا پڑے۔"

انہوں نے آخر شدید مجبوری کے تحت فیصلہ دے دیا۔ ــــــ اس سے شبیلہ کو ایک گونا سکون کا احساس ہوا۔ اسے یوں لگا کوئی بہت بڑا مسئلہ آسانی سے حل ہو گیا ہو۔ یکایک صحن میں قدموں کی آہٹ ہوئی ــــــ نگاہوں نے گھوم کر باہر دیکھا۔ ایک خوبرو نوجوان مسکراتا ہوا کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر رقص کرنے والی مسکراہٹ جگمگا رہی تھی۔ آنکھوں میں گہرائی اور ذہانت کی چمک تھی۔ وہ درمیانے قد کا مردانہ وجاہت کا ایک بہترین شاہکار تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔

"کہاں چلے گئے تھے تصور بیٹے!" ــــــ ارشاد احمد نے مسرت سے پُر آواز میں کہا۔

"مجھے وکیل سے فوری طور پر ملنا تھا انکل!" ــــــ وہ مسکرایا ــــــ "اس لیے آتے ہی چلا گیا تھا۔ میرے خیال سے آپ نے محسوس نہ کیا ہو گا ــــــ یہاں ایک زمیندار سے زمین کا جھگڑا چل رہا ہے۔ شاید ایک ہفتہ آپ کو

تکلیف دینی پڑے۔"
"تکلیف کیسی؟ ـــــ" رابعہ بیگم بولیں ـــــ" تمہیں یہاں رہنے سے تو ہمیں راحت ہوگی۔"
"شکریہ آنٹی! ـــــ وہ انکساری سے بولا ـــــ" میرا خیال تھا. ہوٹل میں ٹھہروں. مگر امی جان وہمی طبیعت کی ہیں کہنے لگیں ـــــ زمین کا جھگڑا ہے، ہوٹل میں رہنے سے کہیں دشمن کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں ـــــ آپ کا پتہ دے کر کہنے لگیں انکل کے گھر چلے جانا۔"
"شکیلہ بہن نے ٹھیک ہی سوچا ہے بیٹے! ـــــ جب گھر موجود ہے تو ہوٹل میں ٹھہرنے کی کیا تک ہے ـــــ" رابعہ بیگم نے پرخلوص انداز میں کہا.
"جمال کے بیٹے کو اپنے گھر میں دیکھ کر مجھے جتنی خوشی ہوئی بیان نہیں کرسکتا؛" ارشاد احمد محبت سے بولے.
"امی جان نے آپ کے اور ابا جان کے دوستانہ تعلقات کے بہت سے واقعات سنائے ہیں جنہیں سن کر میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھنے لگا. ـــــ سوچا تھا کبھی آپ سے ملاقات کروں گا، سو اس کا موقعہ بھی نکل ہی آیا۔"
"تم نے بہت اچھا کیا بیٹا! ـــــ وہ خوش ہو کر بولے. ـــــ پھر انہوں نے شبیلہ کی طرف اشارہ کیا.
"یہ میری بڑی بیٹی شبیلہ ہے! ـــــ وہ اس کی طرف دیکھ کر پیار سے بولے.
"چھوٹی لڑکی سے ـــ تو تم مل ہی چکے ہو؛"
"جی ـــــ" اس نے شبیلہ کی طرف سے نظریں ہٹا کر نجمی کو دیکھا.
نجمی اپنے ذکر پر لجا گئی. شرم سے اس کا چہرہ کانوں تک سرخ ہوگیا۔ اُسے

وہاں بیٹھنا محال ہوگیا وہ جلدی سے اٹھی اور کمرے کا بلب روشن کر دیا بکیونکہ رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ سرِ شام آسمان پر چھانے والے بادل جلد ہی تاریکیاں سمیٹ لائے تھے۔

"کہاں جا رہی ہو بیٹی ——" رابعہ بیگم نے پکارا۔

"باورچی خانے میں امی جان! —— رات کا کھانا جلد تیار ہو جائے تو بہتر ہے" یہ کہہ کر وہ ہونٹوں میں دبی دبی مسکراہٹ لیے باہر نکل گئی —— نجمی نے دوسرے کمروں کے بلب بھی روشن کر دیے اور باورچی خانے میں آگئی۔ وہ جلد جلد رات کا کھانا تیار کرنے لگی۔

"جب میں آیا تھا تو آپ کہیں گئی ہوئی تھیں شاید ——" تصور نے شبیلہ سے بات کرنا چاہی۔

"جی! ——" شبیلہ نے نگاہیں جھکا کر مختصر سا جواب دیا۔

"ایک بیمار سہیلی کی تیمارداری کو گئی ہوئی تھی" رابعہ بیگم بولیں۔

"آپ تعلیم حاصل کر رہی ہیں یا چھوڑ دی ——" تصور نے پر اخلاق لہجے میں پوچھا۔

"جی چھوڑ دی! ——" وہ پھر مختصراً بولی۔

"کیوں چھوڑ دی ——" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"یوں ہی! —— شبیلہ نے آہستہ سے کہا۔ میں کچھ اکتاہٹ محسوس کرنے لگی تھی"

"یہ بات نہیں بیٹے! ——" ارشاد احمد بولے —— "میں شدید بیمار ہو گیا تھا۔ اس لیے اس سال داخلہ نہ لے سکی۔ آئندہ سال بی۔ اے میں ضرور داخلہ لے گی"

"خوب! ـــــ" وہ مسکرایا ـــــ "دیکھئے تعلیم سے اکتانا اچھی بات نہیں ہے۔"

وہ سنجیدگی سے فرش پر دیکھنے لگی اور سوچنے لگی تصور کو باتیں کرنے کا سلیقہ خوب آتا ہے۔ اسے اس کی گفتگو کے انداز کا قائل ہونا پڑا۔ ـــــ وہ اجنبی لوگوں کے ساتھ بے تکلف ہونے کا گر جانتا ہے۔ وہ سمجھ گئی اسے ایک ہفتہ یہاں رہنا تھا۔ اسی لیے حجاب کے پردے چاک کرنا چاہتا تھا۔ بے تکلفی کی فضا چاہتا تھا۔ ماحول سے مانوس ہونا چاہتا تھا۔ تاکہ نئے ماحول میں اسے اجنبیت کا احساس نہ ہو سکے۔ اس کے لیے وہ حق بجانب بھی تھا۔

دل نشین باتوں کے درمیان رات کا کھانا کھایا گیا۔ اور چائے کے دور کے بعد سب اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ تصور شبیلہ کے کمرے میں آ گیا۔ کیونکہ وہ کمرہ اس کے لیے مختص کر دیا گیا تھا۔ شبیلہ نجمی کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی کیونکہ اس کا کمرہ تو تصور کے تصرف میں چلا گیا تھا۔ نجمی رات گئے تک پڑھتی رہی۔ اور وہ اپنے پلنگ پر بیٹھی بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہی اسے نیند مطلق نہ آئی۔ وہ یونہی آنکھیں بند کیے پڑی رہی۔ اس کے ذہن کی دیواروں سے عجیب عجیب خیالات ٹکرا رہے تھے۔ وہ کسی گہری فکر میں غلطاں تھی۔ اسے اپنا مستقبل مخدوش دکھائی دے رہا تھا۔ وہ پریشانیوں میں گھر گئی تھی۔

سہیل۔

راحیل

کتنی متضاد فطرت رکھتے تھے دونوں بھائی۔ ایک شوخ و چنچل تھا۔ تو دوسرا سنجیدہ اور بردبار، راحیل کا چہرہ شرافت میں ڈوبا رہتا تھا۔ وہ بڑا دردمند انسان تھا۔ راحیل نے اسے دفتر میں کتنی سہولتیں دے رکھی تھیں۔ بلکہ سب سے زیادہ

وہ اسے قابلِ اعتماد سمجھنے لگا تھا. کتنی عزت سونپ دی تھی اسے ـــــ وہ اس سے کتنے اخلاق سے اور مسرت سے پیش آتا تھا. اور سہیل وہ کتنا جذباتی تھا. اسے دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرنے لگتا تھا. بے چین و مضطرب ہو جاتا تھا. اور اس سے اس کی ملاقات بھی کتنے عجیب حالات میں ہوئی تھی. شاید پہلی ملاقات نے سہیل کے دل پر گہرا نقش چھوڑا تھا. خود بخود اس کے ہونٹوں سے ایک دلفریب مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ اس جذبے سے کسی طرح منکر نہ ہو سکتی تھی جو سہیل کو دیکھ کر اس کے دل میں پیدا ہو جایا کرتا تھا. اور جیسے وہ سختی سے کچل دیتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی امارت کی اونچی دیواریں ان کے بیچ حائل ہیں. اس کے علاوہ اس نے قصے کہانیوں میں پڑھ رکھا تھا. رئیس زادوں کی محبت دودھ کے اُبال کی طرح ہوتی ہے. جو بڑا ہی جوش دکھاتا ہے. آخر کار اسے دبنا ہی پڑتا ہے. اسی طرح اسے اس محبت کے دبنے کا خطرہ ہے. سہیل کو دیکھ کر وہ خود بھی کیف وسرور سا محسوس کرنے لگتی تھی بمضطرب سی ہو جاتی تھی. مگر وہ اپنے جذبات کو دبا دیتی.

نجمی نے اپنے کورس کی کتابیں میز پر سنبھال کر رکھی تھیں. اور پھر شبیلہ کی طرف پیار سے دیکھا تھا جو آنکھیں بند کیے پڑی تھی.

"آپی! ـــــ معلوم ہوتا ہے آپ کو ابھی تک نیند نہیں آئی ـــــ"

اس نے شیریں لہجے میں اسے پکار کر کہا.

ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شبیلہ نے آنکھیں کھول دیں. اور اسے غور سے دیکھا.

"نیند نہیں آرہی نجمی!"

"مہمان کی آمد نے پریشان کر دیا گیا؟ ـــــ اس نے دلفریب لہجے

میں کہا. لفظ مہمان سے اسے اپنے دل میں سرور محسوس ہوا تھا. مہمان کے ذکر سے جیسے اس نے ایک انجانا سا کیف محسوس کیا تھا. ایک نادیدہ سی مستی اتر گئی تھی. اس کے دل میں، نشہ سا پھیل گیا تھا. اس کے شعور پر.

"یہ بات نہیں ہے ـــــ" وہ مسکرائی ـــــ "بس ویسے ہی نیند نہیں آ رہی ہے."

"آپی! ـــــ میں دیکھ رہی ہوں ـــــ آپ بہت اداس رہنے لگی ہیں. بالکل رجسٹرڈ سن کے افسانے کی ہیروئن بیٹرس کی طرح مغموم دکھائی دینے لگی ہیں آپ. !آپ اتنا غم بھی نہ کیا کریں. اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے ہم بے موت مر جائیں گے. ـــــ" وہ اداس ہو کر بولی.

"خدا تمہیں زندہ و سلامت رکھے میری بہن! ـــــ" اس کا لہجہ مغموم ہو گیا.

"تمہارے لیے میں کیا کر رہی ہوں ـــــ کچھ بھی تو نہیں کر رہی تم یوں ہی متردد ہو گئی ہو ـــــ اب بے فکر ہو کر سو جاؤ. رات کافی جا چکی ہے."

آسمان پر ہنوز بادل گھرے ہوئے تھے. اچانک ان میں زور سے گرج پیدا ہوئی اور اُفق میں بجلی ایک روشن لکیر بناتی ہوئی چلی گئی. اور بارش اتر آئی.

"نجمی! ـــــ" اس نے نجمی کو پیار سے پکارا.

"جی! آپی! ـــــ" وہ سعادتمندی سے بولی.

"کھڑکی بند کر دو ـــــ" اس نے کھڑکی کی طرف دیکھ کر کہا ـــــ "بوچھاڑ اندر آنے لگی ہے ـــــ".

صبح سویرے ہی تجمی کی آنکھ کھل گئی۔

وہ جلدی سے اٹھی ——— آنکھیں مل کر شبیلہ کی طرف دیکھا۔ جو ابھی آرام سے سو رہی تھی۔ تجمی نے اسے بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔ صبح کا پرکیف اجالا ہر سو پھیل گیا تھا۔ اور کائنات کسی معصوم بچے کی طرح مسکراتی دکھائی دے رہی تھی۔ بارش بند ہو چکی تھی۔ مگر آسمان ابھی تک ابر آلود تھا۔ ہوا کے فرحت بخش جھونکے کھڑکی سے آکر اس کے حسین چہرے سے ٹکرائے تو اسے عجیب سی طمانیت کا احساس ہوا اور اس کا دل کیف و سرور سے بھر گیا۔ اس کے انگ انگ سے مستی سی ٹپکنے لگی۔

ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ تجمی نے ایک توبہ شکن انگڑائی لی۔ اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ باتھ روم میں ہاتھ منہ دھو کر باورچی خانہ میں آگئی اور ناشتے کی تیاری کے لیے مٹی کے تیل کا چولہا گرم کرنے لگی۔ جب چولہا گرم ہو گیا تو اس نے کیتلی میں پانی ڈالا اور اسے چولہے پر رکھ دیا۔ پانی آہستہ آہستہ گرم ہونے

نجمی خیالوں کی حسین وادیوں میں پہنچ گئی تھی۔

تصور کی وجاہت نے اسے بے حد متاثر کیا تھا۔ اس کی باتوں کے مزہ لینے والے انداز نے اس کے دل کو نئے جذبے عطا کرنے شروع کر دیئے تھے۔ ایسے جذبے جن سے وہ پہلے بے خبر تھی۔ قطعاً نا علم تھی۔ اسے اپنی زندگی انقلاب آشنا معلوم ہونے لگی تھی۔ اس کے ذہن پر لطیف جذبوں سے سرشار کیف کے بادل چھانے لگے تھے اور اسے تصور کی صورت دیکھ کر ہی بے خودی اور مستی کا احساس ہونے لگتا تھا اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ بہکنے لگی ہے۔ تصور نے اس کے گھر مہمان بن کر اسے دیوانہ بنایا۔ اس کے دل میں سرور انگیز ہیجان برپا کر دیا تھا۔ اسے مدہوش کر دینے والے جذبے بخش دیئے تھے۔

کیتلی کا پانی شوں شوں کرنے لگا اور چونک کر وہ تصورات کی بھول بھلیوں سے باہر آ گئی اور خود بخود شرما گئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا جیسے تصور اس کے سامنے بیٹھا اسے گھور رہا ہو۔ اس نے لجا کر کیتلی کا ڈھکنا اٹھایا۔ اور اس میں چائے کی پتی ڈال دی۔

جب چائے تیار ہو گئی تو اس نے دل کی بڑھتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ میں ایک کپ بنایا۔ پھر وہ بڑے شرمیلے سے انداز میں اٹھی۔ اور باورچی خانے سے باہر نکلی۔ اس کے قدم تصور کے کمرے کی طرف اٹھنے لگے۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے قدم لڑکھڑا رہے ہوں وہ عجیب سے سرشار عالم میں تصور کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

تصور کھڑکی میں چھوٹا سا آئینہ لگائے شیو کر رہا تھا۔ اور بڑے مسرورانہ انداز میں کبھی کبھی گنگنانے لگتا تھا۔ کھڑکی میں شیشے کا جگ پانی سے بھرا ہوا اور ایک گلاس بھی قریب رکھا تھا۔ یہ سامان نجمی نے رات وہاں رکھا تھا۔ مہمان کی ضروریات کا

اس نے پورا پورا خیال رکھا تھا۔ اسے کئی بار تعجب ہوا تھا کہ وہ اس اجنبی مہمان کی طرف اتنی توجہ کیوں دے رہی ہے۔ پھر اس نے شرما کر سر کو جھٹکا تھا۔ اور اپنے استعجاب کو توڑ دیا۔

قدموں کی آہٹ ہوئی اور تصور کو آئینے میں بجلی کا لجایا لجایا حسین پیکر دکھائی دیا۔ تصور کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ سرخ ہو گیا۔ جیسے وہ خود بھی اس کا منتظر تھا۔ اسے اس خوبرو لڑکی کا انتظار تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"آپ! ——" اس کے لہجے میں خوشگوار حیرت تھی۔

"جی! ——" پھر وہ شرمیلے لہجے میں بولی —— "آپ کے لیے بیڈ ٹی لائی ہوں۔ سوچا آپ بڑے آدمی ہیں بیڈ ٹی ضرور استعمال کرتے ہوں گے۔"

پھر وہ ترچھی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ تصور نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

"بڑا آدمی! ——" وہ اسے غور سے دیکھ کر بولا —— "یہ تمہیں کس نے کہا ——"

"ابا جان کہہ رہے تھے! ——"

"مگر میں تو خود کو بڑا آدمی نہیں سمجھتا —— وہ سنجیدگی سے بولا —— میں تو دوسرے انسانوں جیسا ہی انسان ہوں —— انسانوں میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے! ——" وہ دھیمے لہجے میں بولی —— "لیکن ہمارے معاشرے میں بڑا آدمی اسے ہی سمجھا جاتا ہے جس کے پاس دولت ہو —— اور ابا جان کہہ رہے تھے آپ کروڑپتی ہیں ——"

وہ اس کی معصومیت اور بھولے پن پر زور سے ہنسا۔

"کروڑ پتی! ـــــــ" وہ رکا اور اس کو ایک نظر دیکھا ـــــــ "ہوں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ـــــ؟"

"میں تو کوئی فرق نہیں پڑتا ـــــــ" وہ سنجیدہ ہو کر بولی ـــــــ "آپ اباجان کے دوست کے بیٹے ہیں۔ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔"

"بس اتنا ہی کافی ہے ـــــــ" اس نے نجمی کے چہرے کو غور سے دیکھا اور معنی خیز انداز میں کہا۔

"جی! ـــــــ" نجمی نے گڑبڑا کر نظریں اٹھائیں۔

"میرا مطلب ہے ـــــ" وہ بات بنا گیا ـــــ "میرا مطلب ہے۔ میرے لیے اتنا احساس بھی بہت بڑی چیز ہے۔ اسی احساس کے تحت میں یہاں آ گیا تھا۔ کہ یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں، جنہیں میں اپنا کہہ سکتا ہوں۔ مجھے یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی ہے ـــ"

"جی بس ـــ" وہ شرم و حیا کے تحت پھولوں سے لدی ہوئی ڈالی کی طرح جھول گئی۔ اور تصور کو یوں لگا جیسے اس کا دل سینہ میں اچھلنے لگا ہو۔ اس کا اضطراب اور بے قراری بڑھ گئی۔ اس اضطراب و بے قراری میں اسے ایک تشیلی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا۔ یہ بے کلی خوشگوار دھڑکنوں کا مرقع تھی۔ سرور انگیز جذبات کا مجموعہ تھی۔ اور نئی منزل پر پہنچنے کی سُندر راہیں اسے دکھلا رہی تھی۔

وہ اسے گرم گرم نظروں سے دیکھنے لگا۔ نجمی نے اچانک نگاہیں اٹھائیں۔ آنکھوں کا تصادم ہوا۔ ایک برقی رو سی دونوں کے جسموں کے بیچ سے گزر گئی۔ دل کی دھڑکنیں گڈمڈ ہو کر رہ گئیں۔ نجمی کچھ گھبرائی گھبرائی سی لگنے لگی تھی۔ جیسے اسے کسی انجانے خطرے کا احساس ہو۔ یا تھا جیسے کوئی نامعلوم سی دہشت اسے گھیرے ہوئے تھی۔

"چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ ـــــ" اس نے تنویر سے مخاطب ہو کر کہا۔

میں کہا۔

نجمی کی آواز نے مضراب بن کر تصور کے دل کی تاروں کو جھنجھوڑ ڈالا۔ اس نے یوں محسوس کیا جیسے پر کیف نغمہ تازہ تازہ تخلیق ہوا ہو۔ اور اس کے خفتہ جذبوں کو بیدار کر گیا ہو۔

"مگر میں تو بیڈ ٹی نہیں پیتا ـــــ" وہ اپنے ہونٹوں پر رقص کرنے والی مسکراہٹ کو اور گہرا کر کے بولا۔

"تو بڑے آدمیوں کے متعلق میرا اندازہ غلط نکلا ـــــ" نجمی کے لہجے میں ہلکی سی یاسیت تھی۔

"میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں بڑا آدمی نہیں ہوں ـــــ تمہارا اندازہ ویسے صحیح ہے۔ بڑے آدمی بیڈ ٹی ضرور پیتے ہیں ـــــ" پھر اس کا لہجہ انتہائی اپنائیت میں ڈوب گیا ـــــ "اب تم لے آئی ہو تو لاؤ پی لیتا ہوں"۔

یہ کہہ کر اس نے نجمی کے چہرے پر دیکھا۔ لفظ تم سے پیدا ہونے والے تاثرات کا جائزہ لیا۔

نجمی کے چہرے پر کسی قسم کی ناگواری نہیں تھی۔ اس نے اس کے لفظ کا برا نہیں مانا تھا جس سے تصور کو انتہائی مسرت کا احساس ہوا۔ اور وہ اس سے اور بھی سرشار ہو گیا۔ اس کے دل میں نشاط انگیز جذبے مچلنے لگے۔ اس نے جلدی سے نجمی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور کپ پکڑنے لگا۔ اس کوشش میں اس کا ہاتھ نجمی کی گداز ملائم سڈول اور مخروطی انگلیوں سے چھو گیا۔

ایک ہلکی سی سنسناہٹ دوڑ گئی۔ کیف انگیز ارتعاش کے بعد شرم و حیا کے رنگ بکھر گئے۔ اس اثناء میں تصور اس کے ہاتھ سے کپ لے چکا تھا۔ وہ ایک ایک گھونٹ کر کے چائے پینے لگا تھا۔

اب نجمی کے لیے وہاں کھڑا ہونا محال ہو گیا۔ وہ واپس پلٹی۔ اور جانے کے لیے قدم اٹھایا۔ اس سے پیشتر کہ وہ آگے بڑھتی اسے تصور کی آواز سنائی دی۔

"معلوم ہوتا ہے تم صبح سویرے اٹھنے کی عادی ہو۔"

"جی ہاں ـــــــ" اس نے مختصر جواب دیا۔

"گھر کا کام کاج تمہیں ہی کرنا پڑتا ہے کیا؟"

"میں ہی کرتی ہوں ـــــــ" پھر وہ ذرا رک کر بولی ـــــــ" اور اس سے مجھے راحت ملتی ہے۔"

"بہت خوب"

نجمی چپ رہی۔

"گھر میں سب اٹھ گئے ہیں کیا؟ ـــــــ" وہ اس سے یونہی باتیں کئے جا رہا تھا۔

نجمی بدستور چپ تھی، نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔

دونوں خاموش کھڑے تھے۔ ایک کی نگاہیں فرش پر جمی ہوئی تھی اور دوسرا اس کے تمتمائے ہوئے چہرے کو محویت سے دیکھ رہا تھا۔ خاموشی کے طویل لمحات ناگوار صورت اختیار کرتے چلے جا رہے تھے۔ یکایک تصور کو اس بات کا احساس ہوا۔ وہ چونکا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا ـــــــ" وہ مسکرایا۔

"کس بات کا؟ ـــــــ" دھیمے لہجے میں نجمی نے پوچھا۔

"گھر میں سب اٹھ گئے ہیں کیا؟ ـــــــ"

"میرے سوا ابھی سب سو رہے ہیں ـــــــ" پھر اس نے کہا ـــــــ" آپ بھی علی الصبح اٹھنے کے عادی ہیں۔"

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے بابا — تم سمجھتی ہو کہ تمہارے سوا کوئی دوسرا صبح سویرے نہیں اٹھ سکتا۔"

نجمی بوکھلا گئی۔ اچانک اس کی نظریں اٹھیں اور جھک گئیں۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا — میں نے تو یونہی پوچھا تھا —" نجمی کی آواز میں ہلکی سی غنائیت تھی۔

یکایک تصور اس طرح چونکا۔ جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو۔

"میرے لفظ تم کہنے سے تمہیں کچھ ناگواری تو محسوس نہیں ہوئی —" پھر وہ ایک لمحے کے لیے رک کر بڑی سادگی سے بولا — "دراصل میں تکلفات آلود فضا کو اچھا نہیں سمجھتا۔ جہاں رہنا ہو وہاں، الجھنیں پیدا کر دیتی ہیں ویسے اگر تم نے برا منایا ہو تو آئندہ احتیاط کروں گا۔"

نجمی کا چہرہ کانوں تک سرخ ہو گیا اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ پلٹی اور باہر جانے کے لیے قدم اٹھا دیئے۔ وہ لپک کر اس کے آگے ہو گیا تصور کے چہرے پر سنجیدگی برس رہی تھی۔

"میری بات کا جواب دے کر جائیے۔"

"وہ شرم سے جیسے بل کھا گئی —"

"میں ناراض نہیں ہوں —" اس نے بمشکل کہا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کا حلق خشک ہو گیا ہو۔ اور اس کے دل میں ایک نشاط انگیز سی کپکپی پیدا ہو گئی ہو۔ وہ تصور کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گئی۔ تصور کو یوں لگا جیسے آسمان سے پھولوں کی بارش ہونے لگی ہو اور ملکوتی نغموں کی آوازیں آ رہی ہوں۔ خوشیاں ہی خوشیاں ہر سو بکھر گئی ہوں — وہ بے حد مسرور تھا۔ اس نے چسکیاں لے کر چائے پی اور پھر شیو کرنے بیٹھ گیا۔ اس کی ہر حرکت سے مسرتیں پھوٹی پڑ رہی تھیں اور ہونٹوں پر

بے اختیار محبت بھرے ترانے مچلنے لگتے تھے۔

ممی لمبے لمبے سانس لیتی ہوئی باورچی خانے میں داخل ہوئی۔ اس نے ایک گلاس ٹھنڈا پانی پیا۔ تب اس کی حالت قدرے سنبھلی۔ پھر وہ شبیلہ کے کمرے میں گئی۔ اور اس نے اسے بیدار کیا۔

"آپی! اٹھئے! دن کافی چڑھ گیا ہے۔"

شبیلہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ مسکرا کر ممی کو پیار سے دیکھا۔ وہ بھی مسکرانے لگی اور کمرے سے باہر آ گئی۔ وہ عجیب سے انداز میں قدم اٹھاتی ہوئی اپنے والدین کے کمرے میں گھس گئی۔ اسے ایک عجیب سی مسرت کا احساس ہو رہا تھا۔ ایسا احساس اسے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا۔ کہ وہ اڑ کر آسمان کی بیکراں وسعتوں میں پہنچ جائے اور فضائے بسیط میں پرواز کرتی ہوئی ستاروں سے آنکھ مچولی کھیلنے لگے۔ اسی طرح عمر تمام ہو جائے۔ صدیاں گزر جائیں ——— پھر وہ پلٹ کر زمین پر نہ آئے۔ اس خواہش کے باوجود وہ زمین پر ہی تھی۔ اور اپنے والدین کو محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جو ابھی ابھی بیدار ہوئے تھے۔

"آؤ بیٹی! ——— ارشاد احمد اسے دیکھ کر پیار سے بولے ——— "قصور بیٹا بیدار ہو گیا کیا؟"

"جی! ——— " اس نے سر جھکا کر کہا۔

"بیٹی! ——— ناشتہ تیار نہیں کیا ابھی! ——— " اس کی امی نے مامتا سے پوچھا۔

"آپ کو جگانے آئی تھی ——— بس اب تیار کرتی ہوں جا کر ——— " یہ کہہ کر وہ پلٹی۔

"چلو! میں بھی تمہاری مدد کرتی ہوں ——— " رابعہ بیگم اس کے پیچھے پیچھے

چل پڑیں۔

"امی آپ تردد نہ کریں۔ میں اکیلی ہی سب کام کرلوں گی ——— وہ فرمانبرداری سے بولی۔

"ضد ہی کرتی ہو ——— چلو آج میں بھی ہاتھ بٹاتی ہوں۔ ——— " رابعہ بیگم مشفقانہ انداز میں بولیں۔ اور دونوں باورچی خانے میں آگئیں۔ انھوں نے جلدی۔ جلدی ناشتہ تیار کرلیا۔

شبینہ غسل کرنے کے بعد کپڑے تبدیل کرچکی تھی۔ وہ فیروزی رنگ کی سادہ ـــ ساڑھی میں بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔ کشش انگیز رعنائی اس کی ہر ادا سے پھوٹی پڑتی تھی۔ اس نے بڑے پیار سے انداز میں بال سنوارے تھے۔ اس کی عشوہ طرازیاں جادو جگا رہی تھیں۔

شبینہ کے بعد تصور بھی ہاتھ سے فارغ ہوکر اپنے کمرے میں آگیا تھا۔ اس نے بوسکی قمیض اور سفید پتلون پہن لی تھی۔ اس کے پاؤں میں سوئیڈ کے سفید شو تھے اس لباس میں وہ بڑا اسمارٹ نظر آرہا تھا۔ اس کے مردانہ حسن کی دلکشی میں کچھ اور اضافہ ہوگیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر کھلتی ہوئی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی تھی۔

وہ آئینے کے سامنے بال سنوارنے لگا اور منہ سے ہلکی ہلکی سیٹی بجانے لگا۔ وہ بڑا ہشاش بشاش دکھائی رہا تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے مسرتیں جھانک رہی تھیں صبح کی باتوں نے اس کے دل میں مسرور جذبوں کی لہریں دوڑادی تھیں۔ اس کے دل کو درد آشنائی کا پہلا پیغام ملا تھا۔ وہ بہاروں کے قافلے کو اپنے ذہن کے صحرا میں چلتے ہوئے محسوس کرنے لگا تھا۔ شراب کے خموں کی طرح چھلکتی ہوئی دو شرمیلی سی آنکھیں بار بار اس کی نگاہوں کے سامنے لہرا جاتی تھیں۔ اور اسے بے خود سا بنا جاتی تھیں۔

بال سنوارنے کے بعد وہ کمرے سے نکلا اور ارشاد احمد کے کمرے میں آگیا۔
ارشاد احمد نے اسے غور سے دیکھا۔ تصور انھیں بہت مسرور دکھائی دیا۔ اسے خوش و خرم دیکھ کر ارشاد احمد کے لبوں پر بھی مسکراہٹوں کی شمع جگمگانے لگی۔ اور ان کا بیمار چہرہ کسی قدر روشن ہو گیا۔

"تیار ہو گئے بیٹا! ـــــ" وہ پیار سے بولے۔

"جی! ـــــ آپ کی دعا سے! ـــــ وہ پراخلاق لہجے میں بولا۔

"خدا کے فضل سے بڑے مسرور دکھائی دے رہے ہو ـــــ" ارشاد احمد اسے غور سے دیکھ کر بولے۔

"اپنے لوگوں میں آگیا ہوں۔ اس سے زیادہ خوشی اور کیا ہو سکتی ہے ـــــ" اس کے لہجے میں اپنائیت کی گہری لہر تھی ـــــ "دل چاہتا ہے ہمیشہ کے لیے یہیں رہنے لگوں ـــــ ایک ہفتہ کے بعد آپ لوگوں سے بچھڑتے ہوئے شاید تکلیف پہنچے ـــــ یوں لگنے لگا ہے جیسے میں آپ لوگوں کے ساتھ بہت عرصے سے رہتا آرہا ہوں ـــــ"

"بیٹا! تو تمہیں کون کہتا ہے ـــــ چلے جاؤ ـــــ جیبی شلیکہ بیگم دیسی ہی مجھے سمجھو۔ میں بھی تمہاری ماں ہوں بیٹے! ـــــ" رابعہ بیگم کمرے میں داخل ہو کر مشفق لہجے میں بولیں۔

"میں بھی آپ کو ماں ہی سمجھتا ہوں! ـــــ" وہ گھوم کر ادب سے بولا۔

"ہمیں یوں لگتا ہے بیٹے! جیسے ہماری کوئی دیرینہ آرزو آج پوری ہو گئی ہو۔ ہمیں بیٹا مل گیا ہو ـــــ" ارشاد احمد خوابناک سی آواز میں بولے۔ ان کے چہرے پر ایسے تاثرات بکھر گئے تھے جیسے انھیں اندوہناک ماضی نے تڑپا دیا ہو۔ ان کی آنکھوں میں غم کی پرچھائیاں سی لہرانے لگیں۔ وہ مضمحل ہو گئے تھے۔

مجھے فخر ہے کہ آپ لوگ مجھے بیٹا سمجھتے ہیں ــــــ" وہ بے تابی سے بولا۔
" انکل مجھے یوں لگتا ہے۔ جیسے میرے ڈیڈی دوبارہ مجھے پیار کرنے آ گئے ہوں
ــــ" جذبات کی شدت سے اس کی آواز بھرا گئی۔
" میں تمہارا ڈیڈی ہی ہوں بیٹے! دوست کا بیٹا اپنا بیٹا ہوتا ہے ــــــ" وہ گہری محبت سے بے قرار لہجے میں بولے۔
" شکریہ! ــــ" وہ سعادت مندی سے بولا۔
" یہ کیا بات ہوئی۔ شکریہ تو اس وقت ادا کیا جاتا ہے۔ جب کوئی کسی پر احسان کرے۔ تم تو ہمارے اپنے ہو ــــ ہمارے بیٹے ہو ــــ" رابعہ بیگم شکایتی لہجے میں بولیں۔
" معاف کر دیجئے! وہ پشیمان سا ہو کر مسکرایا ــــ" یوں ہی منہ سے نکل گیا۔
تھا۔"

اس نے معصوم سی صورت بنالی ــــ ارشاد احمد نے قہقہہ لگایا۔ رابعہ بیگم بھی مسکرانے لگیں۔
" معافی کیسی میرے بیٹے! ــــ" وہ بہت ہی پیار سے آگے بڑھیں اور تصور کو گلے لگا کر اس کے سر پہ شفقت بھرے انداز میں ہاتھ پھیرا۔ تصور کو یوں لگا جیسے وہ جھلستے ہوئے موسم میں ایک دم میٹھے اور ٹھنڈے چشمے کے کنارے پہنچ گیا ہو۔ اسے گہرے سکون کا احساس ہوا۔ اسے قرار سا آ گیا۔ جیسے وہ اپنی حقیقی ماں کے سینے سے لگ گیا ہو۔

کتنے پیارے لوگ ہیں۔
کیسی سچی محبت کرنے والے لوگ ہیں۔
کتنا سکون اور قرار ہے اس چھوٹے سے گھر میں۔ عسرت کے باوجود یہاں

طمانیت کا بسیرا ہے۔ محبت کی گرمی ہے۔ پھولوں کی مسکراہٹ ہے۔ اپنائیت ہے۔ کسی کو اپنانے کے لیے مقدس جذبات ہیں اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے وہ ہاتھوں سے بھری ہوئی دنیا میں آگیا ہو۔ سیکھتن کی جھنکار سے نکل کر پھولوں کی خوشبو سے مہکتے ہوئے گلستان میں آگیا ہو۔ جہاں بہاریں ہی بہاریں، پھول ہی پھول ہیں، کلیاں ہی کلیاں ہیں، خوشبو ہی خوشبو ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد سب نے مل کر ناشتہ کیا۔ پھر نجمی کالج چلی گئی۔ شبیلہ فرم آگئی اور تصور اپنے کیس کی پیروی کے لیے عدالت چلا گیا۔

وہ فرم آگئی تھی۔ اور اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ اگرچہ وہ خوش لباس تھی لیکن اس کا دل مغموم تھا۔ اس کے ہر انداز سے کسلمندی، اضمحلال اور تھکن کے آثار ہویدا تھے اس کے ذہن کے پردے پر نامساعد گھریلو حالات، مجبوریاں اور بے بسی ایک تصویر بن کر بار بار ابھر رہے تھے۔

اس کے والد ارشاد احمد بیمار تھے اور گھر پر بیکار پڑے تھے اگرچہ بنک کی طرف سے انھیں باقاعدہ تنخواہ مل رہی تھی۔ مگر بیماری کی وجہ سے وہ پندرہ دن میں ہی ختم ہو جاتی تھی۔ عام اخراجات پہلے کی نسبت دگنے ہو گئے تھے۔ اور آمدنی وہی قلیل تھی جو کچھ ارشاد احمد نے بڑی مشکل سے پس انداز کیا تھا۔ وہ ان کی بیماری کے شروع دو مہینوں میں ہی صرف ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں کی فیس اور دواؤں میں ہی سب کچھ نکل گیا تھا۔ تنخواہ ملتی تھی مگر اس کا پتہ نہ چلتا تھا۔ کہاں جاتی ہے۔ اسی لیے اسے مجبور ہو کر سروس کرنا پڑی تھی۔ اگر راحیل جیسے شریف آدمی سے اس کا سابقہ نہ پڑتا تو وہ نوکری بھی نہ کر سکتی۔

شبیلہ ان الجھنوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ کہ چند ضروری لیٹر آ گئے۔ وہ انھیں کھول کر پڑھنے لگی۔ پڑھنے کے بعد انھیں رجسٹر میں درج کیا۔ پھر وہ بیٹھے کھوئے سے انداز میں کرسی سے اٹھی اور ڈگمگاتے سے قدموں کے ساتھ باس کے کمرے کی طرف بڑھی۔

راحیل ایک فائل سامنے رکھے لکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں قلم تیزی سے چل رہا تھا قدموں کی آہٹ ہوئی اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ آج شبیلہ کچھ بدلی بدلی دکھائی دے رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی شدید غم اسے بے چین کئے ہوئے ہے۔ یا وہ بیمار ہے۔ وہ مضمحل اور پریشان تھی۔ کوئی بھی ایک نظر ایک لمحے میں اس کی کربناک حالت کا اندازہ کر سکتی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میز کے قریب آ گئی۔

"سر! ___ یہ ضروری لیٹر ہیں ___" وہ بجھے بجھے لہجے میں بولی۔

[illegible] ___" راحیل کے لہجے میں محبت اور نرمی تھی ___" لیکن پہلے یہ بتائیے آپ اتنی اداس کیوں ہیں۔ آپ بیمار تو نہیں ہیں، آپ کو کوئی صدمہ تو نہیں پہنچا؟"

شبیلہ نے اداسیوں سے بھری نگاہیں اٹھائیں۔ سوگوار انداز میں راحیل کے چہرے کو دیکھا۔ اور پھر گردن جھکا لی۔ وہ تڑپ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کا قرار چھن گیا ہو۔ وہ اپنے دل میں ایک اضطراب محسوس کرنے لگا۔

"سر! ایسی کوئی بات نہیں ہے! ___" اس کے لبوں کے کنارے ایک پھیکی مسکراہٹ میں ڈوب گئے۔

"نہیں ___ کوئی بات ضرور ہے ___ بتائیے! شاید! میں آپ کے کسی کام آ سکوں ___" پھر اس نے خوشگوار لہجے میں کہا ___" آپ کھڑی کیوں ہیں بیٹھ جائیے!"

وہ بیٹھ گئی۔

ان کے درمیان کوئی کما؟ وہ دبیز ہونے لگا۔

خاموش لمحات کی سنگینی ان کے دلوں پہ سے گزرنے لگی۔ ایک اپنے .. حالات سے غمگین وافسردہ تھا تو دوسرا اسے دیکھ کر بے چین ومضطرب ہو گیا تھا۔ یہ کیسا عجیب موڑ تھا۔ کیسے جذبوں کا تصادم تھا۔ کیسے عجیب زاویے تھے۔ جو ان کے دلوں کے گرد محیط ہو گئے تھے۔ جذبات تھے۔ جو ان کے دلوں پہ مسلط ہو کر انہیں اضطراب آگیں کر گئے تھے۔

یکایک راحیل چونکا۔

"آپ کسی خدشے کے بغیر کہہ جائیے! ــــــ میں کوشش کروں گا کہ آپ کی پریشانی کا ازالہ ہو سکے۔" ــــــ اس کے لہجے میں اپنائیت اور خلوص تھا۔ وہ اس وقت ایک مالک نہیں صرف ہمدرد انسان معلوم ہوتا تھا۔ اس کے اس لہجے سے شبیلہ کو جو حوصلہ پیدا ہوا ــــــ اسے جراءت ہوئی۔

"سر! ــــــ" وہ رک گئی۔

"ہاں! ہاں! کہئے ــــــ" وہ بے چینی سے بولا۔

"سر! ــــــ کیا مجھے اپنی تنخواہ سے کچھ ایڈوانس بھی مل سکتا ہے!ـ"

وہ کہہ گئی۔ مگر اسے یوں لگا جیسے اس نے سینکڑوں میل کا سفر کر ڈالا ہو۔ اور تھک کر چکنا چور ہو گئی ہو۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ اس کے برعکس راحیل کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اس کی تمام بے قراری ختم ہو گئی ہو۔ اور وہ اچانک خوبصورت ورشاداب وادیوں میں آگیا ہو۔

"بس یہی بات تھی۔ اسی وجہ سے آپ پریشان تھیں؟"

وہ خاموش تھی ــــــ اس کے چہرے پر افسردگی کے بادل چھائے ہے۔

"آپ کتنا ایڈوانس لینا چاہتی ہیں۔"

شبیلہ نے بمشکل چہرہ اٹھایا

"اس ماہ کی تنخواہ! ——— دو سو روپیہ! ———" اسے یوں لگا۔ جیسے اس جسارت سے اس کی آواز حلق میں پھنس گئی ہو۔

سو سو کے دو نوٹ راحیل کے پرس سے نکلنے کے بعد میز پر آگے بڑھے۔ اور اس کی نظروں کے سامنے آ گئے۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"اگر آپ چاہیں تو اس سے زیادہ بھی ایڈوانس لے سکتی ہیں ——— آپ کو اس فرم میں آ کر پیسوں کے بارے میں اتنا افسردہ نہ ہونا چاہیئے ——— ہم نے اپنی فرم کے کارکنوں کے لیے بہت سی سہولتوں کا انتظام کر رکھا ہے۔"

پھر وہ رک کر بولا ——— "لیجئے! اتنی سی بات کے لیے اتنی پریشانی اچھی نہیں۔ ہماری فرم کا کوئی آدمی پیسوں کے لیے کبھی پریشان نہیں ہوتا۔"

شبیلہ نے ایک نظر راحیل کو دیکھا۔ پھر اس کی نگاہیں نوٹوں پر مرتسم ہو گئیں۔ اس نے نوٹ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی تمام پریشانیاں ان نوٹوں کے ملتے ہی زائل ہو گئی ہوں۔ وہ مسرور و شاداں ہو۔ اسے کوئی الجھن نہ ہو کوئی غم نہ ہو۔ کوئی پریشانی نہ ہو۔ کوئی تردد نہ ہو۔ کسی قسم کی افسردگی نہ ہو ——— مگر اس نے اپنے چہرے پر اس قسم کے جذبات نہ آنے دیئے۔ اور اس کی آنکھوں میں راحیل کے لیے تشکر کے جذبات ابھر آئے۔ راحیل اس کی آنکھوں میں ایسے جذبات دیکھ کر مسکرایا۔

"شکریہ! ———" شبیلہ احسانمندانہ انداز میں بولی۔

"شکریہ کیسا؟ ——— آپ محنت نہیں کرتیں، اس فرم میں ——— یہ تو آپ کی محنت کا معاوضہ ہے۔"

اسے راحیل کے کردار کی عظمت نے بے خود سا کر دیا۔ کتنی بے غرضی تھی۔ کردار کی

کس قدر بلندی سی تھی اس کے لہجے میں' وہ اسے انسان نہیں بلکہ فرشتہ محسوس ہوا جس نے اس کی ڈوبتی ناؤ کو منجدھار سے نکال لیا تھا۔ اس کے والدین کی عزت کو بچا لیا تھا۔ ان کے گھر میں آنے والے مہمان کو اب زیادہ خوشیاں مل سکیں گی۔ اسے اب کسی بھی وقت مغموم چہروں سے دوچار نہ ہونا پڑے گا اب گھر میں عسرت و ناداری کا احساس نہ ہوگا اور نہ اس کی پیاری امی کا کوئی زیور ہی بکے گا۔ وہ اس طرح دکھائی دینے لگی جیسے۔ طوفان گزر نے کے بعد ندی کا پانی پرسکون ہو جاتا ہے۔ طوفانی دور گزر جاتا ہے پیچھے بے قرار اور تند لہریں کناروں سے ٹکرا کر ختم ہو جاتی ہیں۔

"کبھی ایسی ضرورت پیش آئے تو بلا جھجک کہہ دیا کیجئے ــــــ" پھر وہ بولا۔

"جی نہیں بس ــــــ کافی ہیں ــــــ ضرورت پوری ہو جائے گی ــــ"

وہ بہت ہی پر اخلاق لہجے میں بولی۔

ان کے درمیان پھر سکوت پھیل گیا۔ آخر راحیل نے ایک گہرا سانس لیا اور کرسی پر پہلو بدلا۔

"اچھا لائیے! خط! ــــــ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

وہ زور سے چونکی ــــــ وہ اپنی الجھن میں اسے خط دینے بھی بھول گئی تھی۔ پشیمانی کا رنگ اس کے چہرے پر بکھر گیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے خط طیبہ سے راحیل کی طرف بڑھائے۔ راحیل نے اس کی پشیمانی پر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اور ہاتھ بڑھا کر خط تھام لیے۔

تشبیلہ کو احساس ہوا کہ وہ چہرے سے دل کا حال بھی جان سکتا ہے۔ جذبات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

کتنا ذہین، معاملہ فہم، اور شریف انسان ہے راحیل۔

راحیل۔

راحیل

پھر اس کے ساتھ ہی اسے سہیل کا خیال آگیا۔ وہ کتنا شوخ و چنچل اور جذباتی ہے اپنے بھائی کے برعکس ایک لاابالی اور بے پروا انسان ـــــ مگر جانے کیوں وہ اس خیال پر شرم و حیا سے سرخ ہو گئی۔ وہ شبیلہ کے بدلتے چہروں کو گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

راحیل اس کے چہرے پر شرم و حیا کے تاثرات دیکھ کر مسرور سا ہو گیا۔ ایک بے خودی اس کے دل پر چھانے لگی۔ اسے بہاروں کی لطافتوں کا احساس ہونے لگا لطیف جذبات اس کے دل پر چھانے لگے اور سرمستی سی کرنے لگے۔ اس کے ہونٹوں کے کناروں پر دلنواز مسرتوں کی چاندنی پگھلنے لگی وہ کچھ دیر اسی حالت میں بیٹھا رہا۔ پھر وہ ایک گہرا سانس لے کر آگے جھکا۔

اور خط پڑھنے لگا۔ جب وہ خط پڑھ چکا تو اس نے شبیلہ کو جوابات لکھانے شروع کر دیئے۔ نصف گھنٹے میں شبیلہ فارغ ہو کر اس کے آفس سے باہر نکل آئی۔

اس نے ڈرافٹنگ ایک ٹائپسٹ کرسچن لڑکی کو تھما دی۔ جس نے اسے سرد سی نظروں سے دیکھا۔ لیکن اسے ان نگاہوں کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہ اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔ اور مٹھی میں بھینچے ہوئے نوٹ پرس میں ڈال دیئے۔ اس کے بعد وہ اپنے کام میں مگن ہو گئی۔

وہ خطوط ڈسپیچ کرتی جا رہی تھی۔ دفعتاً ایک نوجوان چپڑاسی اس کی میز کے پاس آکر ادب سے کھڑا ہو گیا۔

"آپ کو چھوٹے صاحب نے بلایا ہے ـــــ" اس نے مؤدبانہ کہا۔

"مجھے! ـــــ شبیلہ نے نظریں اٹھائیں۔"

"جی! ـــــ آپ کو ـــــ" وہ تہذیب و احترام سے بولا۔

"چلو! میں آتی ہوں!" —— اس نے اپنا کام بند کر دیا۔ اور سہیل کے کمرے میں جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

سہیل نے نواحین سے ملحق کمرے میں اپنا آفس بنا لیا تھا۔ اسے جدید طرز پر سجا دیا گیا تھا۔ ایک دن میں ہی آفس کی ضرورت کی ہر چیز پہنچ گئی تھی ٹیلیفون کا سلسلہ دوسرے کمرے سے یہاں پہنچا دیا گیا تھا۔

چپڑاسی جا چکا تھا۔ اس کی آواز لڑکیاں اور آفس کے دوسرے لوگ بھی سُن چکے تھے۔ سب نے چپڑاسی کو اور پھر شبیلہ کو عجیب نظروں سے گھورا تھا۔ شبیلہ سہیل کے کمرے میں چلی گئی تو آفس میں سرگوشیاں سی ہونے لگی تھیں۔

"سمجھ میں نہیں آتا دونوں بھائیوں کو کیا ہو گیا ہے۔" —— کرسچین لڑکی دوسری لڑکی سے مخاطب ہوئی۔

"شبیلہ کو ہی یاد کیا جاتا ہے۔" —— "مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے" —— دوسری لڑکی مسکرانے لگی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو!" ——

"یوں لگتا ہے۔ باس اس سے خاصے متاثر ہیں" —— تیسری لڑکی آہ بھر کر بولی —— پھر تینوں معنی خیز انداز میں مسکرانے لگیں۔

مردوں میں بھی اسی قسم کی باتیں ہو رہی تھیں۔

"صدیقی بھیا! کاش! میں بھی لڑکی ہوتا!" —— ایک کلرک نے دوسرے سے کہا۔

"محض لڑکی ہونے سے کیا ہوتا ہے —— خوبصورت لڑکی کہو۔"

"میرے خیال میں دونوں باس ایک ہی لڑکی پر مرنے لگے ہیں" —— تیسرے نے قلم روک کر کہا۔

• سبھی لڑکی بھی تو اس قابل ہے کہ اس پر مرا جائے۔ ـــــــ" ایک اور آہ ابھری
• یہ امیر زادے بھی عجیب ہوتے ہیں۔ جہاں کوئی حسین چھوکری دیکھی اور ریشہ خطمی ہو گئے۔

اس جملے پر سب نے ایک چھوٹا سا قہقہہ لگایا۔

دفتر میں چند منٹ تک شبیلہ کی شخصیت زیر بحث رہی۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کی شرافت، نسوانیت، وقار، کردار اور عزت پر کیچڑ اچھالا گیا اسے اپنے طور پر مطعون کر کے جیسے انھیں دلی مسرت کا احساس ہوا۔

شبیلہ نظریں جھکائے کمرے میں داخل ہوئی۔ سہیل ٹکٹکی لگائے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یونہی اس نے اسے دیکھا، اس کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔ وہ اس لباس میں قلوپطرہ کی طرح حسین دکھائی دی۔ اور وہ خود کو سیزر سمجھنے لگا۔ جس سے قلوپطرہ اندھی محبت کرتی تھی۔ اور جب سیزر اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ تو وہ اس کی جدائی میں دیوانی ہو گئی تھی۔ راتوں کو پلنگ سے اٹھ اٹھ کر وحشت انگیز انداز میں

سیزر

سیزر

پکارا کرتی تھی۔ ـــــــ سیزر ـــــــ سے والہانہ محبت نے اسے پاگل بنا دیا تھا۔ وہ اس کی یاد میں آنسو بہایا کرتی تھی۔

مگر اس کی قلوپطرہ نے تو ابھی تک اس سے ہنس کر بات بھی نہیں کی تھی اسے مسرور نظروں سے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس سے دلفریب انداز میں کبھی بات نہ کی تھی۔ اتنا وہ جانتا تھا کہ اسے دیکھ کر اس کا رنگ۔ سرخ ہو جاتا ہے۔ شرم و حیا کی لہریں اس کے چہرے پر بکھر جاتی ہیں۔ جذبات کے مدوجزر سے اس کا جسم ارتعاش پذیر ہو جاتا ہے۔ مگر اس نے کبھی اس کی پذیرائی نہیں کی تھی۔ اس نے کم آمیزی اور سرد برتاؤ ہی رکھا تھا اور وہ

اس سے دور دور ہی رہتی تھی۔ گو اسے یقین تھا کہ ایک روز وہ سیزر کی طرح اپنی قلوپطرہ کے دل میں جگہ بنا لے گا۔ پتھر دل موم کی طرح پگھل جائے گا۔ محبت کی آنچ اسے نرم کر دے گی۔ اور وہ ہمیشہ کے لیے اس کی ہو جائے گی۔

سہیل کے دفتر میں داخل ہوتے ہی اس کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ اور وہ گھبرا سی گئی تھی۔ گہری شرم و حیا اس کے حسین و دلکش سراپا پر مسلط ہو گئی۔ اس کے خود بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کی حالت ایسی کیوں ہو جاتی ہے۔ وہ سرور انگیز۔۔ دہشت، اپنے دل میں کیوں محسوس کرنے لگتی ہے۔

کیا سہیل سے محبت میں اس کا یہ پہلا قدم تھا؟

کیا واقعی وہ سہیل کو چاہنے لگی تھی؟

اس کا تسلی بخش جواب وہ اپنے دل سے ابھی تک نہ پا سکی تھی۔ اس کوشش میں وہ جھلا جاتی تھی۔ پریشان ہو جاتی تھی گھبرا جاتی تھی۔

شبیلہ جھکی جھکی نظروں سے سہیل کو دیکھتی ہوئی، اس کی میز کے قریب آ کر رک گئی

"فرمائیے۔"

"تشریف تو رکھیے! ـــــ" وہ شوخی سے بولا ـــــ "فرما بھی دیا جائے گا۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور پھیلے گدوں والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

آپ کے والد کی اب طبیعت کیسی ہے؟ ـــــ اس کا لہجہ نرم اور محبت سے سرشار تھا۔

اب وہ روبصحت ہیں ـــــ" وہ دھیمے لہجے میں بولی

"خدا انہیں جلد صحت دے! ـــــ" اس کا لہجہ تصنع سے پاک تھا جس میں اپنائیت کی شدید آمیزش تھی۔

سہیل کے لہجے میں گرمی اور خلوص سے ایک لمحے کے لیے وہ چونکی۔ پھر اور زیادہ

سمٹ کر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ جذبات سے عاری تھا، اور ہمیشہ کی طرح سرد جذبات اس کے چہرے پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ اپنے نظریات کو شکست کیوں دے! ایک رئیس زادے کی طرف کیوں جھکے، اس کی دلچسپیوں کو اپنی آرزوؤں کا مرکز کیسے بنالے! جیسے کسی نے ان کے کان میں سرگوشی کی۔

"آپ نے مجھے کس کام سے بلایا ہے ——" وہ سکوت توڑ کر بولی۔

"کیا میں آپ کو کام کے بغیر نہیں بلا سکتا! ——" وہ جھجکتے جھجکتے مسکرا کر بولا۔

"نہیں! ——" اس نے اسے دیکھے بغیر خشک لہجے میں کہا۔

"کیوں؟ ——" وہ مصنوعی استعجاب سے بولا۔

"آفس میں کسی ملازم کو غیر ضروری طور پر نہیں بلایا جاتا ——" وہ بالکل سنجیدہ تھی۔

"اچھا —— تو پھر سمجھ لیجئے کام سے بلایا تھا ——"

"بتائیے کیا کام ہے! ——" آہستہ سے سرد لہجے میں بولی۔

"ڈکٹیشن کرانی ہے۔"

وہ پیڈ اور قلم لے کر سنبھل کر بیٹھ گئی اور اس کی آواز کا انتظار کرنے لگی۔ مگر جب کئی لمحے گزرنے کے بعد بھی وہ کچھ نہ بولا۔ تو اس نے جھلا کر —— اس کی طرف دیکھا وہ بھی اس کو دیکھ رہا تھا۔

تصادم ہوا —— سہیل کی نظروں کی گرمی اور والہانہ انداز نے اسے بوکھلا دیا۔ شبیلہ کا رنگ فق ہوگیا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ بدحواس سی ہوگئی ہو۔ سہیل اس کی بدلتی ہوئی حالت دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"میں انتظار میں ہوں —— ڈکٹیشن لو لیجئے ——" وہ لرزتے ہوئے

لہجے میں بولی ـــــ سہیل کے ہونٹوں پر لطیف سی مسکراہٹیں تھیں جو اس کی فطری شوخیوں کی غمازی کر رہی تھیں۔ وہ اس کی گھبراہٹ سے اپنے دل میں سرور سا محسوس کر رہا تھا۔ اس کی کسک اور بے چینی اسے ایک اَن جانا سا سرور بخش رہی تھیں۔

"لکھیے" ـــــ وہ گمبھیر آواز میں بولا۔

وہ مستعد ہو گئی! ـــــ وہ لکھانے لگا۔

"اے دور دیس والی لڑکی۔

تجھے گئے ہوئے کتنے ہی سال بیت گئے۔ ساون میں تیری یاد شدت سے آتی ہے جب بن میں مور ناچتا ہے تو تیری مست چال کا گمان ہوتا ہے۔ پپیہا کوکتا ہے تو تیری سریلی آواز کانوں میں رس گھولنے لگتی ہے اور بے خودی سی چھانے لگتی ہے۔ مگر تو کیسی کٹھور ہے کہ پردیس جانے کے بعد اپنے پریتم کو بھول گئی۔ کبھی بھولے سے بھی یاد نہ کیا۔ تیری یاد دل کے قریب ہے۔ مگر تو قریب نہیں! ـــــ آخر کب تک یہ دوری رہے گی۔ آجا اور اپنی مسکراہٹوں کی خوشبو سے میری ویران .. سنسان دنیا کو مہکا دے۔ تیری یاد نے مجھے بہت بے چین اور پاگل بنا دیا ہے کب تک تو تڑپائے گی . ... ـــــ کب تک تو محرومیوں کے سائے میں رکھے گی ....."

"پلیز! ... ـــــ مسٹر سہیل! ـــــ" وہ جھلا کر بولی ـــــ "میں ایسے خط لکھنے کی عادی نہیں ہوں۔ اور نہ میں ایسے خط لکھنے کے لیے ملازم رکھی گئی ہوں۔ کاروباری خطوط لکھنا میرا کام ہے۔ میں یہ سب کچھ سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے ـــــ"

"سمجھ گیا ہوں ... ـــــ بالکل سمجھ گیا ہوں ـــــ" اس نے مصنوعی انداز میں ایک آہ بھری ـــــ "کاش کوئی انہیں بھی سمجھائے! ـــــ کاش وہ سنگدل بھی سمجھ جائے ... ـــــ"

"آپ پھر بہکنے لگے ہیں ——" اس نے بیزاری سے کہا۔

"اچھا —— صاحب! —— نہیں بہکتا ——" وہ سنبھل کر بولا ——

"لکھیے کاروباری خط! ——"

وہ پھر مستعد ہو کر بیٹھ گئی

"مس ولنسے! ۔

آپ کا کارخانہ بڑا خوبصورت ہے۔ آپ کے کارخانے میں جو چمن ہے۔ اس کے سرو بہت پیارے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی مہ جبین (کھڑی) اپنی مسکراہٹ کے پھول نچھاور کر رہی ہو۔ مگر دوسری طرف نگاہ جاتی ہے تو آپ کے کارخانے کا گیراج خالی دکھائی دیتا ہے۔ بالکل کسی حرماں نصیب کی طرح۔ آپ کے کارخانے میں ایک خوبصورت سی کار ہونی چاہیئے! —— جیسے کسی حرماں نصیب کے دل میں ایک حسین لڑکی کا تصور —— آپ نے کار کا آرڈر بھی دے رکھا تھا۔ نیا سٹاک اور نیا ماڈل آگیا ہے۔ آپ آئیں اور اپنے گیراج کو سجائیں۔ آپ کا گیراج تو سج ہی جائے گا —— کاش! حرماں نصیب کا دل بھی سج جائے۔ اس میں ابھرتی ہوئی حسین سی مورت ہمیشہ کے لیے براجمان ہو جائے —— آپ اطلاع ملتے ہی تشریف لے آئیے۔ ورنہ ......"

سہیل کی آواز خاموشی میں ڈوب گئی —— شبیلہ کا قلم چلتے چلتے رک گیا اس نے خشمگیں نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ گہری محویت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"سہیل صاحب! ...."

"جی فرمائیے!"

"میں —— میں ایسے مذاق کی عادی نہیں۔"

"درست ہے ۔ لیکن میں بھی اتنی بے نیازی کا مستحق نہیں۔"

"دیکھیے! ـــــ شبیلہ کی آواز میں بےبسی تھی۔

"کہیے! ـــــ میں سن رہا ہوں۔"

"کیا آپ ـــــ کیا آپ چاہتے ہیں میں یہاں سے چلی جاؤں۔"

"نہیں ـــــ نہیں تو ـــــ" اس کا رنگ فق ہو گیا ـــــ "کس نے کہا یہ آپ سے؟"

"آپ کے رویے نے ـــــ آپ کی باتوں نے ـــــ آپ کے نامناسب طرزِ عمل نے ـــــ" انتہائی سخت اور تلخ لہجہ میں اس نے یہ الفاظ ادا کیے۔ اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھیے تو ـــــ کیا ہوا آپ کو ـــــ کیا آپ اپنے باس کا حکم نہیں مانتیں؟"

"حکم ـــــ" شبیلہ کے ہونٹ بھینچ گئے۔

"جی ہاں ـــــ خط لکھنا آپ کا کام ہے۔ آپ ہی نے کہا تھا کہ خط لکھوائیے۔"

"درست ہے ـــــ لیکن آپ تو شاعری کر رہے ہیں۔ خط نہیں لکھوا رہے۔"

سہیل نے زور سے قہقہہ لگایا۔

"تو آپ مجھے شاعر سمجھنے لگی ہیں ـــــ"

"خط تو یہی ظاہر کرتا ہے!!"

"آپ میری شاعری سے متاثر ہوئی ہیں ـــــ" اس نے چوٹ کی۔

"میں ـــــ" وہ بوکھلا گئی ـــــ "مجھے کیا ضرورت پڑی ہے۔ متاثر ہونے کی ـــــ"

"کاش! آپ دلوں کے رنگ بھی پرکھنے کی کوشش کریں ـــــ" وہ گھبرا

سانس لے کر بولا۔

"اور کچھ لکھانا ہے؟ ــــ وہ بے رخی سے بولی۔

وہ تڑپ کر رہ گیا۔

"بس اور کیا لکھاؤں گا ــــ" اس کا لہجہ سنجیدہ ہوگیا۔

"یہ ڈرافٹنگ ! ــــ ٹائپ کے لیے دینی ہے؟ ــــ" وہ اس کی بات نظرانداز کرکے بولی۔

"لائیے! مجھے دے دیجئے! ــــ وہ دردبھرے انداز میں بولا۔ اور شبیلہ کو اپنا دل تحت الثریٰ میں گرتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ اس کے پرسوز لہجے سے بےچین ہوگئی۔ اس نے ڈرافٹ سہیل کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں دے دیا۔ سہیل نے ڈرافٹ لیتے ہی اس کے پرزے پرزے کردیئے اور اپنی ہتھیلی پر رکھ کر ایک زور کی پھونک ماری۔ کاغذ کے پرزے چاروں طرف بکھر گئے اور دو چار شبیلہ کے چہرے سے مس کرکے فضا میں اڑنے لگے۔

سہیل نے اسے سرد نگاہوں سے دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ کہہ رہی ہوں:

"تم نادان ہو ــــ بےحس ہو ــــ پتھر ہو۔"

"شبیلہ ان نگاہوں کی تاب نہ لا سکی۔ واپس پلٹی۔ اور شکستہ قدم رکھتی۔ واپس اپنی سیٹ پر آگئی۔ سیٹ پر وہ چین سے نہ بیٹھ سکی۔ اس کے سامنے بار بار سہیل کی اداس نگاہیں ابھر آتیں اور اس کے زخمی دل پر حملہ آور ہوتیں۔ وہ چونک پڑتی۔ کافی دیر وہ یونہی بےسدھ بیٹھی رہی۔ پھر وہ اٹھی اور دو گھنٹہ جلدی چھٹی لے کر گھر کو روانہ ہوگئی۔

نجمی آخری پیریڈ خالی ہونے کی وجہ سے کالج سے گھر آگئی تھی۔ اسے آتے

ہوئے تھوڑی ہی دیر گذری تھی۔ وہ اپنے والدین کے کمرے میں بیٹھی چہک چہک کر باتیں کر رہی تھی۔ شبیلہ کمرے میں داخل ہوئی۔ سب نے نگاہیں پھیر کر اسے دیکھا۔

"آپی! ــــ آپ آگئیں! ــــ" وہ مسرت سے بولی۔

"بیٹی! تمہاری سہیلی کیا ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئی ــــ" ارشاد احمد بولے۔

"روز گھر سے غائب رہنا بھی تو ٹھیک نہیں ہے۔"

"ابا جان ــــ" وہ جھنجلا کر شکستہ سی آواز میں جیسے چیخ پڑی ــــ "میں کوئی بچی نہیں ہوں جو کہیں گم ہو جاؤں گی۔"

اس کے لہجے کے تیکھے پن کو سب نے شدت سے محسوس کیا۔ سب ہی کے چہرے بجھ گئے۔

اس نے چہروں کی طرف نگاہیں دوڑائیں۔ اسے اپنے تلخ لہجے کا احساس ہوا۔ وہ نادم سی ہو گئی۔ سہیل کی نگاہوں نے اسے کتنا بے قرار کر دیا تھا۔ وہ کس موڑ پر آگئی تھی۔ اس نے اپنے والد سے اس طرح پیش آنے کی پہلی بار جسارت کی تھی۔

"ابا جان! ــــ" وہ نرمی سے بولی ــــ "بس دو چار روز میں بالکل تندرست ہو جائے گی۔ پھر میں کہیں نہیں جاؤں گی ــــ"

جیسے ان لفظوں نے ڈوبتے دلوں کو سہارا دیا ہو۔ تاریک چہرے روشن ہو گئے۔ تلخ سی فضا خوشگوار ہو گئی۔

"تم جاؤ! بیٹی! ــــ" ارشاد احمد بولے۔

"میری بیٹی بڑی سمجھدار ہے ــــ" رابعہ بیگم اپنے شوہر کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"یوں ہی وقت بے وقت نصیحتیں نہ کرتے رہا کیجئے۔"

شبیلہ نے پرس سے دو سو روپے نکال کر اپنی امی کے ہاتھ میں تھما دیئے۔
اور ارشاد احمد کو یوں لگا۔ جیسے کسی نے تیز دھار کا نشتر ان کے دل پر رکھ دیا ہو

تصوّر مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"بہت خوب! محفل جمی ہوئی ہے!"

"بس ایک تمہاری کمی ہے بیٹے! ــــ" رابعہ بیگم ممتا سے بولیں۔

"تو پھر سمجھ لیجئے! ــــ میرے آنے سے کمی پوری ہو گئی۔ ــــ"

اور وہ مسرت آگیں لہجے میں بولا۔ ــــ نجمی اسے دیکھ کر لجا سی گئی تھی۔ اور کرسی پر سمٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے ترچھی نظروں سے تصوّر کو دیکھا۔ چہرے پر سرخ لکیریں ابھر گئی تھیں۔ دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"آپ کب آئیں! ــــ" تصوّر نے شبیلہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کافی دیر ہو گئی ہے! ــــ وہ پرخلوص لہجے میں بولی ــــ"

تشریف رکھیے! ــــ"

"شکریہ! وہ بیٹھ گیا۔"

"بیٹے! تمہارے کیس کا کیا ہوا! ــــ" ارشاد احمد نے پوچھا۔"

"امید ہے فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو ـــــ" رابعہ بیگم نے دعا دی۔

"آپ لوگوں کی دعائیں میرے ساتھ ہوں تو فیصلہ دشمنوں کے حق میں ہو سکتا ہے بھلا! ـــــ" اس نے ان سے اپنی عقیدت جتائی۔

کمرے میں خاموشی پھیل گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے سب اپنے تصورات میں مگن ہو گئے ہوں۔ یکایک اس نے نظریں اٹھائیں اور نجمی کی طرف دیکھا۔

"آج آپ کالج نہیں گئیں؟ ـــــ"

"میں ـــــ" اس نے پھنسی ہوئی آواز میں کہا۔

"جی! آپ ـــــ" وہ برجستہ بولا۔

"گئی تھی! ـــــ" وہ دھیمی آواز میں بولی

"آپ تھرڈ ایر میں پڑھتی ہوں گی۔ ـــــ" وہ مزاح کا عنصر اپنے لہجے میں لاکر بولا ـــــ نجمی کے چہرے پر حیا کی شفق پھیل گئی۔ اس کے ہونٹ لرزے آنکھیں اور جھک گئیں۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکی

"فرسٹ ایر میں پڑھتی ہے! ـــــ شبیلہ نے اس کی طرف پیار سے دیکھ کر کہا ـــــ مگر پڑھتی خوب محنت سے ہے۔

"بیٹا! منہ ہاتھ دھو لو پھر چائے پیتی ہے ـــــ رابعہ بیگم ممتا بھرے لہجے میں تصور سے مخاطب ہوئیں۔

"چائے تیار ہے کیا؟ ـــــ وہ ان کی طرف رخ کر کے بولا۔

"کالج سے آتے ہی نجمی نے چائے بنائی تھی! ـــــ رابعہ بیگم مسکرائیں۔

"پھر تو واقعی بڑی محنتی ہیں یہ ـــــ تصور پر مزاح انداز میں بولا۔

اپنی تعریف پر نجمی کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

سب کی نگاہوں نے ایک لمحے کے لیے نجمی کو دیکھا۔

"میرا خیال ہے۔ آج ہم سب شام کی چائے کسی ہوٹل میں پئیں ــــ" وہ خلوص کا اظہار کر کے بولا۔

ہوٹل میں ــــ کیوں بیٹا گھر نہیں ہے کیا بــــ" رالعبہ بیگم جلدی سے بولیں۔

"سب کچھ ہے آنٹی جان! ــــ میرا مطلب ہے ذرا تفریح ہو جائے گی" اس کا لہجہ بہت ہی شیریں تھا ــــ سب کو اس تفریح میں حصہ لینا ہوگا"

"بھئی کم از کم میں نہیں جا سکتا ــــ" ارشاد احمد افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"اور میں بھی نہیں جاؤں گی! ــــ" رالعبہ بیگم ہلکی سی الجھن میں پڑ کر بولیں "مجھ سے غلطی ہو گئی ــــ اپنی کار نہیں لایا ــــ ورنہ کہیں آنے جانے کی دقت نہ ہوتی ــــ خیر اب ہم لوگ ٹیکسی میں چلیں گے"

"بھئی مجھے تو اس تفریح سے مستثنیٰ ہی قرار دو ــــ" ارشاد احمد نرم آواز میں بولے۔

"اور میں بھی گھر چھوڑ کر نہیں جا سکتی ۔۔ ــــ" رالعبہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا "تو پھر میرے ساتھ کون جائے گا"

"شبیلہ اور نجمی کو لے جاؤ اپنے ساتھ۔ ارشاد احمد نے کہا۔

شبیلہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔ اور نجمی شرم سے کئی پل کھا کر رہ گئی۔

"میں کیا کروں گی جا کر ــــ" شبیلہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"تم بیٹی اچھی رہو گی ــــ" رالعبہ بیگم بولیں ــــ "تصور کوئی غیر تو نہیں"

"آنٹی ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں ــــــ" وہ مسکرا کر ملتجیانہ بولا ــــــ انکار کی گنجائش نہ نکالیے !"

وہ خاموش ہو گئی اور اس نے نجمی کی طرف دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے نجمی کی گومگو کی حالت اس سے کہہ رہی ہو۔

"آپی ! ــــــ مجھ جیسی مصروف لڑکی کو بھی کبھی اس دنیا کو گھوم پھر کر دیکھ لینے دو مجھے بھی تفریح کے لفظ سے آشنا ہو جانے دو ــــــ مجھے بھی اس جہاں کے رنگ و بو سے لطف اٹھانے کا موقع دو۔"

نجمی لجائی سی بیٹھی تھی، شبیلہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اچھا ــــــ نجمی ! ــــــ تیار ہو جاؤ ! ــــــ" و[illegible] بولی

"آپی ! ــــــ" شبیلہ کی طرف نجمی نے شرم آلود نگاہیں پھیر کر ہچکچاتے ہوئے انداز میں اٹھلا کر کہا۔ اور پھر اس نے کنکھیوں سے تصور کو دیکھا۔ تصور زیر لب مسکرا رہا تھا۔

"بس ــــــ اب کپڑے بدل لو جا کر ــــــ" شبیلہ نے حکم صادر کیا۔

"تم بھی کپڑے بدل لو بیٹی ! ــــــ" رابعہ بیگم نے اس کا جائزہ لے کر کہا۔

"امی جان ! ــــــ میرے کپڑے بالکل ٹھیک ہیں ــــــ" وہ بولی ــــــ بس منہ ہاتھ دھو لوں گی ــــــ"

تھوڑی دیر میں ہی تینوں باہر جانے کے لیے بالکل تیار تھے ــــــ نجمی پیازی رنگ کی ساڑھی میں بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کے رخسار گلاب کی پتیوں کی طرح دمک رہے تھے۔ اور یاقوتی ہونٹوں پر تبسم کا اجالا پھیلا ہوا تھا وہ بڑی مسرور دکھائی دے رہی تھی۔

تصور اس کے نکھرے ہوئے حسن کو دیکھ کر مسحور سا ہو گیا۔ وہ نظریں چرا چرا کر

اسے دیکھ رہا تھا۔ نجمی ان نظروں کو محسوس کر کے لجائی جا رہی تھی۔

"تم لوگ تیار ہو گئے!" ——— ارشاد احمد بولے۔

"جی!" ——— تصور مؤدبانہ بولا۔

"چائے پی لو بیٹے!" ——— رابعہ بیگم بولیں ——— "تیار تو ہو ہی چکی ہے"

"آنٹی جان!" ——— وہ ہنس کر بولا۔ ——— "اب ہوٹل میں ہی پئیں گے"

"جلدی آجانا" ——— ارشاد احمد نے کہا ——— "موسم خراب ہے۔ بادل چھائے ہوئے ہیں"

"جلدی ہی آجائیں گے انکل!" ——— یہ کہہ کر اس نے قدم اٹھایا اور پلٹ کر دیکھا۔

"آیئے چلیں ———"

شبیلہ اور نجمی اس کے پیچھے قدم اٹھاتی ہوئی گھر سے باہر نکلیں ——— گلی میں کھیلتے ہوئے بچوں نے انھیں غور سے دیکھا۔ کواڑوں کے پیچھے کھڑی عورتوں نے ان کا جائزہ لیا۔ ——— راہگیروں نے بھی انھیں عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ مگر وہ کوئی پروا کئے بغیر آگے قدم بڑھاتے گئے۔ گلی پار کرنے کے بعد وہ گھاٹی پر چڑھے اور سڑک پر آگئے۔ آسمان پر گھور بادلوں کا ہجوم تھا۔ ہوا میں چنچل آنکھوں جیسی شوخی سمٹ آئی تھی جو دلوں میں گدگدی سی کر رہی تھی۔ برسات کی ہوا تھی۔ جس میں سحر تھا، کیف تھا، سرور تھا اور نشہ تھا۔

ساون کی ہوائیں تھیں اور ——— تصور کو نجمی کا قرب حاصل تھا موسم بہار کے پھول کی طرح حسین لڑکی کا ساتھ تھا۔ اس لڑکی کا جسے وہ دل و جان سے چاہنے لگا تھا۔ دل کی گہرائیوں سے نجمی کے لیے ایک دم بے بہا پیار امڈ آیا تھا۔ جانے اس پیار کے سوتے کہاں سے پھوٹ پڑے تھے۔ وہ مدہوش سا ہو رہا تھا جیسے

اس سے زیادہ خوش قسمت شخص اس وقت اس دنیا میں کوئی نہیں ہے ــــ گھٹائیں کسی مست البیلی حسینہ کی زلفوں کی طرح آسمان پر پھریریاں لے رہی تھیں اور مچل مچل کر ادھر ادھر پھیل رہی تھیں۔ بالکل پیار بھرے دلوں میں پھیلنے والے جذبوں کی طرح!"

ایک ٹیکسی آئی۔

تصور نے ہاتھ دیا۔ وہ رکی نہیں

"ڈرائیوروں کی مخلوق بھی عجیب ہے ــــ خالی ٹیکسی تھی پھر بھی نہیں رکی"

وہ بڑبڑایا۔

"یہ بھی اپنی دنیا کے بے تاج بادشاہ ہیں ــــ" شبیلہ بولی ــــ "انھیں اگر سواری کی کمینگی کا احساس ہو جائے تو اور کیا چاہیئے!"

"آپی! ــــ سب ہی لوگ ایک سے نہیں ہوتے ــــ" سامنے سے ایک اور ٹیکسی آ رہی تھی۔ نجمی کہنے لگی۔

"اسے ہاتھ دیجئے! رک جائے گی!"

تصور نے آگے بڑھ کر اشارہ کیا ٹیکسی رک گئی۔ اور نجمی کا چہرہ فخر سے لال ہو گیا۔

"دیکھا آپی! رک گئی نا!"

"ہاں رک گئی" ــــ وہ آگے بڑھ کر بولی ــــ "چلو اب!"

وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔

اور تصور فرنٹ سیٹ پر جا بیٹھا۔ ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کی۔

"لارڈز چلو!" ــــ تصور نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

گاڑی مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی لارڈز کے سامنے آکر رک گئی۔ ہال پہ رنگین چہرے اور حسین مسکراہٹوں بکھری ہوئی تھیں ـــــ بے پروا قہقہے بھی کبھی کبھی سنائی دے جاتے تھے۔

کاروں کی قطاریں بڑھتی جا رہی تھیں

نشیلی نظروں کے تیر چل رہے تھے۔

کچھ گھاتیں ہو رہی تھیں۔

کچھ آہیں بھر رہے تھے۔

عجیب سماں تھا ـــــ مسکراہٹیں تھیں ـــــ درد تھا ـــــ بے چینیاں تھیں۔ اضطراب تھا۔ خوشیاں تھیں۔ لاپرواہیاں تھیں۔ بے فکریاں تھیں اگر کچھ نہیں تھا تو وہ عسرت و ناداری سے سوکھے ہوئے چہروں پر رونق نہیں تھی جو کبھی بے چین لہر کی طرح حسن کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں دکھائی دے جاتے تھے۔ کتنی بے کسی اور بے کسی پھیلی ہوئی تھی۔ ان چہروں پہ۔

وہ نیچے اتر آئے ـــــ تصور نے بل ادا کیا اور وہ دروازے کی طرف چل پڑے دونے شیشوں کے پیچھے ہوٹل میں کافی گہما گہمی دکھائی دے رہی تھی۔ کوئی ٹیبل خالی نظر نہ آتی تھی۔ چہروں پر ہر قسم کے جذبات تھے۔ خوشی سرور اور کشمکش کے۔

اپنے اپنے خیالوں میں ہر کوئی کھویا ہوا تھا۔ کہیں کہیں ہلکی ہلکی سرگوشیاں ہو رہی تھیں اور کہیں چھوٹے چھوٹے بے نکے قہقہے لگ رہے تھے۔ مگر ان کی گونج تہذیب کی حد سے تجاوز نہ کرتی تھی۔

وہ دونوں سیدھے فلور پر چلے گئے۔ وہاں بھی قریب قریب سب ہی میزیں پُر تھیں۔ صرف ایک میز خالی تھی۔ جس پہ انھوں نے قبضہ جما لیا۔

ہوٹل میں جاز بج رہا تھا۔

دھن رسیلی اور ہلکی تھی جیسے دلوں میں اترتی محسوس ہوتی تھی۔ اور درد و کیف سے بھری ہوئی لہریں پیدا کرتی تھی اور خوابناک سا منظر تھا۔ دھیمی دھیمی موسیقی، ہلکی ہلکی سرگوشیاں، دلوں میں لطیف جذبات پیدا کر دیتی تھیں۔ اور حسین تاثرات کو چہروں پر بکھیر رہی تھیں

نجمی مدہوش سی ہوئی جا رہی تھی۔ وہ پہلی بار یہاں آئی تھی۔

بیرہ آرڈر لینے کے لیے ان کے قریب آگیا۔

"چائے! ——— سینڈوچز، شامی کباب اور پیسٹریز لاؤ! ——— "تصور بیرے کی طرف متوجہ کر بولا۔

بہتر جناب! ——— بیرہ آرڈر کی تعمیل کے لیے چلا گیا ——— نجمی کی لمبی لمبی پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ [illegible] سے دلبرانہ انداز میں لرز رہے تھے۔ پلکوں کی [illegible] ذرا اٹھا تھا۔ ——— تنہا میزوں کی طرف

نظریں گھمار ہی تھی اور کبھی کبھی ان کی طرف بھی دیکھ لیتی تھی۔

"یہاں کی فضا کتنی پرسکون اور خوشگوار ہے!" ـــــ تصور نے بات چلانے کے لیے کہا۔

"جی!" ـــــ نجمی نے چونک کر نظریں اٹھائیں حالانکہ وہ شبیلہ سے مخاطب تھا۔ اپنی اس حرکت پر وہ پشیمان سی ہوگئی۔ اور اس کا چہرہ گلنار سا ہوگیا۔ پلکیں ایک دلنشین انداز میں لرزیں اور جھک گئیں۔ ایک دلکش مسکراہٹ تصور کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی تھی۔

"واقعی یہاں گہرے سکون کا احساس ہوتا ہے ـــــ" شبیلہ بولی ـــــ "مگر ان لوگوں کو جنھیں فکرِ معاش نہ ہو ـــــ میرا مطلب ہے، دولت مند یوں آسانی سے یہاں کے اخراجات پورے کر سکتے ہوں۔"

"ہوں ـــــ درست ہے!" ـــــ وہ اگر چاہتا تو اور بحث کر سکتا تھا۔ مگر اس نے اس پرکیف ماحول میں بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ویسے بھی وہ شبیلہ کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا چکا تھا کہ اس نے محض انہیں یا یونہی بات چلانے کو یہ جملے کہے ہیں۔

کچھ دیر بعد چائے اور سامانِ خورد و نوش بیش قیمت برتنوں میں سجا کر ان کے سامنے پہنچ گیا۔

"نجمی!" ـــــ شبیلہ نے نجمی کو پکارا۔

نجمی خوش کن خیالوں سے چونکی۔

"جی! آپی!"

"چائے بناؤ! ـــــ"

"بہت اچھا آپی! ـــــ"

یہ کہہ کر وہ بڑے شرمیلے انداز میں چائے بنانے لگی اور تصور اس کے گورے چٹے سفید سڈول اور ملائم ہاتھوں کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ناخن پالش زدہ تھے تو سہی مگر کام کرنے کی وجہ سے کہیں کہیں سے پالش چھُٹی تھی ناخن بھی زیادہ لمبے اور نوکیلے نہیں تھے۔ اس لیے انگلیوں کا مخروطی پن ذرا کم دکھائی دیتا تھا مگر ان کی دلکشی میں کمی نہیں تھی۔

وہ کبھی کبھی کنکھیوں سے اسے دیکھ لیتی تھی اور سرخ ہو ہو جاتی تھی۔ بڑے عجیب عالم میں اس نے چائے تیار کی۔ اور ایک ایک کپ سب کے آگے رکھ دیا۔

شکریہ! ــــ تصور نے کہا اور کپ اپنے آگے کھینچ لیا۔ چائے کے تینوں کپوں سے گرم گرم بھاپ اٹھ رہی تھی۔ نجمی اور تصور کے جذبات بھی بھاپ کی طرح گرم تھے اور دل کی گہرائیوں سے چہرے پر امڈ آئے تھے۔ کپ یونہی پڑے تھے۔ اور وہ اپنی اپنی سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے۔

"پیجئے! ــــ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے! ــــ شبیلہ نے پرخلوص آواز میں خاموشی کے طلسم کو توڑا۔

وہ چونکا اور چائے کے کپ ہونٹوں تک پہنچ گئے۔

"کہیے۔ چائے ٹھیک ہے؟ ــــ وہ شبیلہ ہی سے مخاطب تھا۔

"جی! ــــ" وہ بولی اور نجمی نے غلافی پلکیں اٹھائیں اور پھر گرا لیں۔ تصور نے ایک سینڈوچ اٹھایا اور دانتوں سے کاٹا۔

"آپ کچھ کھا نہیں رہی ہیں۔ کھائیے نا!"

"دل نہیں چاہتا! ــــ شبیلہ بولی۔

"میرا ساتھ تو دیجئے! ــــ" اس نے اخلاق آمیز لہجے میں اصرار کیا۔ شبیلہ نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اور ایک سینڈوچ اٹھا لیا۔

"آپ بھی کھائیے! ــــ" وہ نجمی سے گہری لگاوٹ اور محبت سے بولا۔ اس

لہجے سے اس کا دل مسرور ہو گیا۔ اور شبیلہ کے چہرے پر عجیب سا رنگ بکھر گیا۔ اس کے ذہن کی دیواروں سے ایک عجیب خیال ٹکرانے لگا۔ کتنی خوب صورت جوڑی ہے۔ خدا کرے یہ ہمیشہ کے لیے زندگی کے ہمسفر بن جائیں۔

نجمی نے گہری گہری آنکھوں سے شبیلہ کی طرف دیکھا اور سینڈوچ اٹھا لیا۔ اور بڑے نزاکت آفریں انداز میں کھانے لگی۔ جذبات کے شعلوں کی لپٹیں دونوں کو جلائے دے رہی تھیں۔ اور وہ خوشی سے جل رہے تھے۔ جلتے ہوئے انھیں ایک عجیب سی راحت کا احساس ہو رہا تھا۔

خاموشی چھائی ہوئی تھی ــــــ تصور اور نجمی دونوں کھوئے ہوئے تھے۔ صرف شبیلہ فارغ ذہن معلوم ہو رہی تھی۔

"آپ تکلف سے کام لے رہی ہیں ــــ کچھ کھائیے بھی! ــــ" بالآخر تصور شبیلہ سے مخاطب ہوا۔

"اللہ! ــــ" وہ مسکرا کر بولی ــــ "میں بہت کھا چکی ہوں"

"آپ تو کھائیے! ــــ" نجمی ایک دم گلنار سی ہو گئی! ــــ "میں! ــــ میں ــــ بس! وہ گڑبڑا گئی اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔

اس نے بمشکل چہرہ اٹھا کر تصور پر ایک نظر ڈالی۔ مگر وہ اس کی آنکھوں کی چمک برداشت نہ کر سکی۔ اس نے سر جھکا لیا۔

چائے ختم ہو گئی، تصور نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں سگریٹ پی لوں ــــ" اس نے شبیلہ سے اجازت طلب کی۔ پھر اس نے نجمی کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ کی طرف سے بھی اجازت ہے ــــ" بڑی بہن کے سامنے وہ ضرورت سے زیادہ شرما رہی تھی۔ اسے بہت ہی گھبرا حجاب معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے ہونٹ

لرزے۔

"پیچھے!" ــــ شبیلہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ بول چکی تھی۔ نجمی کے بھولے پن اور معصومیت پر شبیلہ کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"پیچھے! ــــ اب تو مکمل اجازت مل گئی ہے!" ــــ اس ہلکی سی چوٹ پر تصور چونکا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا۔ اس نے غور سے شبیلہ کو دیکھا۔ شبیلہ کا چہرہ ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈوب گیا۔

"گھبرائی گھبرائی سی دکھائی دیتی ہو نجمی!" ــــ شبیلہ مسکرا کر نجمی سے بولی ــــ "گھبرانے کی کیا بات ہے۔ اس پر سکون فضا میں بھی تمہیں گھبراہٹ کا احساس ہو رہا ہے میں دل سے چاہتی ہوں، تمہیں اس سے بھی زیادہ اچھا ماحول نصیب ہو۔"

شبیلہ کے آخری الفاظ سے وہ سرخ ہو گئی۔ اسے اپنی آپی پر پیار آنے لگا۔ اس کا دل چاہنے لگا، کہ اس سے وہ لپٹ جائے۔ اور اپنے والہانہ پیار سے اپنی بہت پیاری آپی کو مدہوش کر دے۔ کتنی بلند خیالی تھی اس کی آپی۔

تصور نے بھی اپنائیت، خلوص اور متشکر نظروں سے شبیلہ کی طرف دیکھا۔

یکایک چند نوجوان لڑکیاں ہوٹل میں داخل ہوئیں۔ اور سیدھی دوسرے فلور پر آگئیں۔ اور ایک میز خالی ہوتے ہی اس کے گرد پڑی ہوئی گدے دار کرسیوں پر براجمان ہو گئیں۔ وہ بات بات پر نقرئی قہقہے لگا رہی تھیں اور ان کے بیچ ایک خوبصورت سی لڑکی ــــ ان کے قہقہوں سے لجائی اور شرمائی جا رہی تھی۔ گھبراہٹ اس کے جسم میں کپکپی سی پیدا کر رہا تھا۔ وہ اسے کسی خاص بات پر چھیڑ رہی تھیں۔ اسی لیے وہ شرم و حیا کا پیکر بنتی جا رہی تھی۔

ان میں سے ایک لڑکی کی نگاہ شبیلہ پر پڑی ــــ پہلے اس کی نظر میں حیرت پھر خوشی کی چمک پیدا ہوئی۔ ــــ شبیلہ نے بھی اسے بغور دیکھا اور وہ

اسے پہچان کر مسکرانے لگی۔

"ہا ــــ ہائے شیبا تم ہو ــــ" وہ اٹھ کر اس کے قریب آگئی۔

"شیبا! کہاں چھپی رہتی ہو ــــ" دوسری شوخ آواز ابھری۔

"شکوہ مجھ سے اور چھپی خود رہتی ہو ــــ" شبیلہ شکایتی لہجے میں بولی۔

"اچھا بھئی! ــــ گلے شکوے پھر کر لینا ــــ" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"اب تم اس میز پر چلو! ــــ وہ لڑکی دیکھ رہی ہو نا! ــــ وہ جو شرمائے جا رہی ہے ــــ اس نے شرمانے والی لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں دیکھ رہی ہوں ــ"

"جانتی ہو وہ کون ہے۔"

"نہیں تو!"

"وہ میری کزن ہے ــــ پرسوں اس کی شادی ہے اسی لیے شرما رہی ہے۔" پھر اسے دیکھ کر بولی ــــ اب تم مل گئی ہو ــــ! تمہیں بھی آنا پڑے گا شادی میں۔

"اگر میں نہ ملتی تو شاید نہ بلاتی ــــ" شبیلہ مسکرا کر بولی ــــ وہ شرم سے سرخ ہوگئی۔ اس کے بولنے سے پہلے شبیلہ نے کہا۔

"نہ ملتی تو شاید مجھے یاد نہ کیا جاتا؟"

"تم بھی کوئی بھلانے کی چیز ہو ــــ" وہ دوستی جتا کر بولی ــــ "اچھا اب اٹھو چلو زیادہ باتیں نہ بناؤ ــــ" پھر اس نے بخمی اور تصور کی طرف رخ کیا

"آپ لوگوں کی اجازت ہو تو لے جاؤں انہیں؟"

وہ تصور سے پر اخلاق لہجے میں مخاطب ہوئی۔

"لے جائیے ــــ" وہ مسکرا کر بولا ــــ آپ کی سہیلی ہیں ہم نہیں کہا

اعتراض ہو سکتا ہے۔"

شبیلہ اٹھ کر دوسری سیٹ پر چلی گئی۔

تصور قدرت کی اس عطا؛ اس بخشش پر آپ ہی آپ مسکرا پڑا جس نے بڑے اچھے ماحول میں نجمی کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

شبیلہ کے جانے کے بعد نجمی سنبھل کر بیٹھ گئی تھی وہ سمٹ سی گئی تھی۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ چہرے کے رنگ جلد جلد بدل رہے تھے۔ وہ کسی بھی اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی میں پہلی مرتبہ بیٹھی تھی۔ اس لیے اسے ایک انجانی سی وحشت کا احساس ہو رہا تھا۔ ایک نادیدہ سا خوف اسے پریشان کیے ہوئے تھا۔ وہ بے چین ہونے لگی تھی۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ ہراساں ہراساں کیفیت میں بھی اس کے ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اسے وہ مسکراہٹ مونالیزا کی مسکراہٹ سے ملتی جلتی محسوس ہوئی۔ مونالیزا دنیا کا بہترین شاہکار جسے فرانسیسی مصور لیونارڈ واڈنچی نے پینٹ کیا تھا جس نے مونالیزا کے ہونٹوں پر ایک ابدی مسکراہٹ چسپاں کر دی تھی۔ نجمی کے ہونٹوں پر رقصاں مسکراہٹ دیکھ کر اسے مونالیزا کی مسکراہٹ کا گمان گزرا تھا۔ نجمی کی حیا میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ تھی ہی بڑی قاتل ـــ اسے یوں لگا جیسے اس کا دل ایک دم گھائل ہو گیا ہو۔ تصور نے ایک گہرا سانس لیا۔ اور اس کے چہرے پر محبت پاش نظریں ڈال کر کہنے لگا۔

"آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہیں۔"

"میں ـــ نہیں تو ـــ"

پھر آپ بات کیوں نہیں کرتیں ـــ"

"کیا بات کروں؟ ـــ" وہ آہستہ سے بولی۔

"کچھ بھی کہیئے!"

"آپ باتیں کیجئے ــــ میں سنتی ہوں ــــ" اس نے ہمت کر کے کہا۔"

"اور تم کچھ باتیں نہیں کرو گی ــــ" یہ کہہ کر تصور نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ چہرے پر کسی طرح کے ناگوار تاثرات نہیں تھے۔ بلکہ شرم کی سرخی پھیلی ہوئی تھی وہ خاموش رہی۔

تم اتنی خاموش کیوں رہتی ہو ــــ" وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھ کر بولا۔

"میں کہاں خاموش رہتی ہوں! ــــ اس نے حوصلہ کر کے نظریں اٹھائیں "آپ کا وہم ہے"

"خوب! ــــ" اس نے بے اختیار چھوٹا سا قہقہہ لگایا۔

پھر خاموشی چھا گئی اور ایک دوبارہ وہ لمبی لمبی پلکیں جھپکا کر پھر میز پر دیکھنے لگی۔

"میں اس وقت بڑا ہی کیف محسوس کر رہا ہوں ــــ" وہ رومان پرور لہجے میں بولا ــــ" یوں لگتا ہے اس وقت مجھ سے زیادہ اس دنیا میں کوئی خوش نصیب نہیں ہے"

"وجہ؟ ــــ" اس نے دھیمے لہجے میں دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"وجہ ــــ وجہ کیا تم نہیں جانتیں؟ ــــ" وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"میں تو کچھ نہیں جانتی۔"

"سچ کہہ رہی ہو۔"

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا پڑی ہے۔"

ہراساں کیفیت اور نادیدہ خوف اور اس کے دل پر چھائی ہوئی دہشت آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی اور وہ اس نشیلے ماحول میں تصور سے باتیں کرتی رہی۔

ایک سرور سا محسوس کر رہی تھی اور وہ حجاب تکلف اور دوری کے دھاگے لوٹ بچکے تھے۔ شبیلہ کی وجہ سے جو جھجک تھی وہ دور ہو چکی تھی۔ شبیلہ کرسی پر ان کی طرف پشت کیے بیٹھی تھی

تصور ایک گہرا سانس لے کر بولا ـــــ تم جیسا ساتھی سامنے ہو تو اس سے بڑھ کر خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے "

اس اچانک اظہارِ جذبات سے اس کا دل دھک دھک کرنے لگا اس کا چہرہ گلنار ہو گیا۔ وہ شرم سے سمٹ سمٹ گئی۔ اس کی پلکوں نے کئی بار دلفریب جنبش لی۔ کئی بار ہونٹ لرزے۔ پھر اس نے شاکی نظروں سے تصور کو دیکھا۔ مگر تصور کے ہونٹ چاندنی کی طرح شفاف مسکراہٹ لیے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ایک مقدس چمک تھی جس میں جھوٹ اور ریا کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس کے چہرے پر گہری محبت کے لبریز تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ اور وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

نجمی کو اپنا دل ہاتھوں سے جاتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ بے خودی سی ہو گئی اور ایک نشہ سا اس کے حواس پر چھا گیا۔ وہ جذباتی کیفیت میں ڈوبتی چلی گئی۔

"تم نے میری بات کا جواب دیا ـــــ" وہ اس کی خاموشی سے حوصلہ پا کر بولا۔

"کوئی اور بات کیجیے! ـــــ" وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔

"تم نے یک لخت سب باتیں ختم کر دی ہیں۔ اب اور کیا بات کی جائے ـــــ" وہ غمگین ہو گیا ـــــ "میرے پاس کہنے کے لیے اور کیا ہے؟ ـــــ" اس کے چہرے سے یاسیت میں گھلے ہوئے سنجیدہ تاثرات ظاہر ہونے لگے تھے۔ وہ مغموم ہو گیا۔ اس نے پلکیں اٹھا کر گہری گہری نظروں سے اسے دیکھا اور ایک آہ بھر کر رہ گیا۔

نجمی کو رنج و غم میں ڈوبا ہوا تصور کچھ اور خوبرو دکھائی دیا۔ اس کے دل نے چاہا وہ آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دے۔ اس کی بے لوث محبت کو قبول کر لے۔ اس کے مقدس جذبوں کو اپنا لے۔ اس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اٹھتی ہوئی آواز کو اپنی زندگی کا سنگیت بنا لے۔ جس کے زیر و بم میں زمانے کی تمام مسرتیں اور خوشیاں میسر آجائیں اور وہ اپنی آرزوؤں، ارمانوں، اور خواہشوں کے مرکز کے قریب ہو جائے۔

پھر یکایک وہ شرم سے کچھ اور سرخ ہو گئی۔ اسے اپنے تصور پر اپنے خیالات پر اپنے چھپے ہوئے جذبات سے جیسے خود ہی شرم آگئی۔ جیسے وہ اپنی سوچ پر خود ہی جھینپ گئی ہو۔ وہ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی کچھ نہ کر سکی۔ کچھ نہ کہہ سکی۔ خاموشی سے میز کو تکتی رہی۔ اور خاموشی کے بے رحم لمحے کسی بوڑھے کے قدموں کی طرح اٹھتے اور گرتے رہے۔

"یہ فضا کتنی دلفریب اور حسین ہے مگر ان کے لئے جن کے دلوں میں سکون ہے۔ قرار ہے اور کسی کو پا کر محسوس ہونے والی مسرتیں ہیں۔ اس نے ایک آہ بھری۔ اور مجھے یوں لگتا ہے۔ جیسے میں کچھ پا کر بھی گنوا چکا ہوں۔ بھری بہاروں میں خزاں نے لوٹ لیا۔"

اس کی آواز سے غم کی شدت کا احساس نمایاں تھا۔ وہ مایوس اور قنوطی سا دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کی غمزدہ حالت دیکھ کر نجمی ششدر رہ گئی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کی اس بات کا اتنا گہرا اثر لے گا۔ تصور کی فطرت کا ایک عجیب رخ اس کے سامنے آگیا۔ وہ اسے ضرورت سے زیادہ حساس دکھائی دیا۔

مگر ایسے لوگ دل کے سچے ہوتے ہیں۔ بے لوث محبت کرنا جانتے ہیں۔ محبت میں مر مٹنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ وہ شاید اس کی محبت کا اقرار کر لیتی۔ مگر اسے ڈر

تھا کہ وہ اسے ہمیشہ کے لیے تاریکیوں میں چھوڑ کر نہ چلا جائے۔ نامعلوم سے خدشوں نے اسے دل کی بات کہنے سے روک دیا تھا۔ حالانکہ وہ تو اسے دل کی پوری گہرائیوں سے چاہنے لگی تھی۔!

"آپ تو مایوس دکھائی دینے لگے ہیں ——" نجمی انتہائی جرات سے کام لے کر اتنا کہہ گئی۔ اور جھکی نظروں کے ساتھ اپنی بات کا رد عمل تلاش کرنے لگی۔ اس کی اس جرأت نے جادو کا کام کیا۔

تصور کے گرتے ہوئے حوصلے کو تقویت سی مل گئی۔ مایوسی اور قنوطیت کے بادل چھٹنے لگے۔ چاندکی کرنوں کی طرح اس کے چہرے پر اجالا پھیل گیا مقدس اور ریشمی اجالا۔۔ رنجیدہ تاثرات اور جذبات پر لگا کر اڑ گئے۔ وہ مسرت کے عالم میں لہراتے پھولوں کی نکہت ذہن میں اترتی محسوس کرنے لگا۔

"نجمی! ——" جذبوں کی گہری شدت سے لرزتی ہوئی آواز اس کے ہونٹوں سے نکل کر ایک خاموش دھیمی سی گونج بن گئی۔

نجمی کے ہونٹ لرزے مگر کوئی آواز نہ نکل سکی۔ اس کا چہرہ شرم وحیا کی شفق میں نہا گیا اور تصور اس شفق کے دلکش رنگوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

دل کی دھڑکنوں کو زبان مل گئی تھی اور ان کی خاموشی انھیں نئی امنگیں، نئی آرزوئیں اور نئی جرأتیں بخش رہی تھی۔

دفعتاً شبیلہ اپنی سہیلی سے اجازت لے کر وہاں آگئی تھی۔ اس نے محبت بھری نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

"ہائے اللہ! —— بہت وقت گزر گیا ہے اب چلنا چاہیئے۔"

"آپ بیٹھئے تو سہی ——" وہ شبیلہ کی طرف دیکھ کر احترام سے بولا —— "چلتے ہیں میرے خیال میں چائے کا ایک دور اور نہ ہو جائے۔"

"نہیں اب چلنا چاہیئے۔"

"ابھی یہیں آئے ہوئے دیر ہی کتنی ہوئی ہے ـــــ نقور آہستہ سے بولا۔

"باقی سیر پھر سہی ـــــ" اس نے نجمی کو مخاطب کیا ـــــ "کیوں نجمی۔"

"ہاں! ـــــ ٹھیک ہے آپی! ـــــ" وہ متفق ہو گئی ـــــ "واقعی اب چلنا چاہیئے۔

"اچھا ـــــ بھئی! ـــــ اب اکیلا ووٹ ہی کیا کرے گا بے چارہ! ـــــ"

اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔

شبیلہ مسکرانے لگی

بل دے کر وہ بے فکری سے چلتے ہوئے ہوٹل سے باہر نکل آئے۔ چند قدم چلنے کے بعد انھیں ٹیکسی مل گئی۔ ڈرائیور نے دروازہ کھولا۔ شبیلہ اور نجمی پیچھے بیٹھ گئیں۔ اور وہ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

ٹیکسی نے چند منٹوں میں ہی گھر پہنچا دیا۔

جونہی انھوں نے گھر میں قدم رکھا ـــــ آنکھوں میں خوشی کی لہریں دوڑ گئیں اور چہرے پھولوں کی طرح شاداب ہو گئے۔ دلوں میں محبت بھرے جذبات اور گہرے ہو گئے۔

"آ گئے بیٹا! ـــــ" ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی ارشاد احمد پیار سے بولے۔

"جی! ـــــ" نقور نے جواب دیا ـــــ "تفریح کا لطف آ گیا۔ مگر شبیلہ بہن نے جلدی گھر پہنچنے کا راگ الاپنا شروع کر دیا تھا۔ مجبوراً آنا پڑا۔"

لفظ بہن پر شبیلہ کے والدین بے ساختہ چونکے ـــــ شبیلہ کی نگاہیں پھسل کر نجمی کے چہرے پر جم گئیں۔ رابعہ بیگم اور ارشاد احمد نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان

کی نظروں سے بچی جائے کیوں شرما گئی اور شبیلہ نے گہرا سانس لیا. جیسے اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو.

شبیلہ بہن

شبیلہ بہن

کوئی اسے بہن کہنے والا آگیا تھا. اس لفظ میں کتنا تقدس تھا. بہن اور... بھائی کا رشتہ کتنا پاکیزہ تھا. اس رشتے نے اس کے دل میں ایک سرخوشی بھر دی. اور اس نے بہن کے جذبوں سے مجبور ہو کر مسرورانہ انداز میں بھائی کی طرف دیکھا. اس نوجوان کی طرف دیکھا جس نے اسے بہن کہا تھا. تصور نے اس کمی کو پورا کر دیا تھا. جس کے لیے وہ ترستی آئی تھی بے چین رہی تھی مضطرب رہی تھی. تصور نے اس کا بھائی بن کر اس کے دل سے حجاب کے تمام پردے ہٹا دیئے. اور وہ جذبات چھین لیے جن میں وہ اجنبی تھا. اور جس نے ملنے میں جھجک اور ہچکچاہٹ کا احساس ہوتا تھا. اب وہ اس کے لیے اجنبی نہیں رہا تھا. وہ اس کا بھائی بن گیا تھا اس نے اس رشتہ کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیا تھا.

"آپ نے مجھے بہن کہا ہے ــــ" وہ تصور کی طرف دیکھ کر بولی ــــ "بہن بنا کر بھلا تو نہیں دو گے."

"کیسی باتیں کرتی ہو. کہیں بہنیں بھی بھلائی جا سکتی ہیں؟ ــــ" وہ اپنی آواز میں ایک عزم لا کر بولا.

"آپ کو بڑے صاحب نے یاد کیا ہے! —— یہ بوڑھے چپڑاسی کی آواز تھی۔

"ہوں —— "شبیلہ نے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔

چپڑاسی چلا گیا۔

وہ اپنی سیٹ سے ایک جنبش سے کر اٹھی۔ باقی لڑکیوں کے دل جل اٹھے۔ ان کے چہروں پر ناگواری کے اثرات پھیل گئے، مگر وہ ان کی طرف سے لاپرواہ راحیل کے دفتر میں داخل ہو گئی

"کہئیے! کیسے مزاج ہیں آپ کے! ——"

"بالکل ٹھیک ہوں —— اللہ کا کرم ہے ——" وہ ملائم آواز میں بولی۔

"انسان کو ہمیشہ خوش ہی رہنا چاہیے —— برے سے برے حالات میں بھی، تاکہ اچھے حالات میں آدمی دل کھول کر مسکرا سکے ——" اس کے لہجے میں

اخلاص کی مٹھاس تھی۔ "ہماری فرم میں آکر آپ نے کچھ ناگواری تو محسوس نہیں کی؟"
وہ چونکی۔

ناگواری کیسی باس! ـــــ" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ "اگر میں اس فرم میں نہ آتی تو شاید کہیں بھی سروس نہ کر سکتی۔ ـــــ ایسا پاکیزہ ماحول مجھے کسی فرم میں نہ مل سکتا تھا۔ آپ کے حسنِ سلوک نے مجھے کافی تقویت بخشی ہے ـــــ"

"شاید! ـــــ" وہ اخلاق آمیز لہجے میں بولا۔

"یہ میرے دلی تاثرات ہیں باس! ـــــ" وہ راحیل کی طرف دیکھ کر بولی۔

راحیل مسکراتی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شبیلہ کو اس کی آنکھوں میں مچلتے ہوئے جذبوں کی شبیہہ دکھائی دی۔ نظروں کے تصادم نے اس پر وہ راز عیاں کر دیا جو جوان دل پوشیدہ طور پر ایک دوسرے کو بتانا چاہتے ہیں۔ شبیلہ نے فوراً نظریں جھکالیں۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ نظروں کے ملاپ سے راحیل بھی کچھ گھبرا سا گیا تھا۔

"کوئی ضروری لیٹر نہیں لائیں آپ! ـــــ" وہ اپنی گھبراہٹ چھپا کر بولا۔

"ابھی تک کوئی ایسا خط وصول نہیں ہوا ـــــ" وہ نظریں جھکائے جھکائے بولی۔ اس کی لمبی لمبی پلکیں دلفریب انداز میں مرتعش تھیں۔

"باس! آپ نے مجھے کس کام سے بلایا ہے۔" شبیلہ نے اسے طلسم کے مدوجزر سے کھینچ لیا۔

"اوہ! ـــــ" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "بہت ہی ضروری کام ہے"

"کہئے! ـــــ میں ہمہ تن گوش ہوں ـــــ" وہ ذرا سا آگے جھک کر بولی۔

"آپ شہر سے باہر جاسکیں گی! ـــــ" اس نے میز سے قلم اٹھا کر کہا

"بس یونہی ——" اس نے اسے ایک نظر دیکھ کر کہا۔ اس کے دل کی دھڑکن معمول پر آ گئی تھی۔ اس لحاظ سے راحیل بھی خود پر قابو پا چکا تھا۔ وہ شبیلہ کو دیکھ کر بے قابو ضرور ہو جاتا تھا۔ مگر حرفِ مدعا ابھی تک زبان پر نہ لا سکا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ شبیلہ کو دیکھ کر اسے دبدبہ کیا ہو جاتا ہے اس کی حالت اس طرح کی کیوں ہو جاتی ہے۔ اسے کبھی کبھی احساس ہوتا تھا۔ کہ کہیں وہ شبیلہ کو چاہنے تو نہیں لگا ہے اس احساس کے باوجود وہ کبھی اپنی زبان سے ایسی کوئی بات نہ کہہ سکا تھا جس سے شبیلہ سمجھتی کہ اس کا باس اس کی زلفوں کے پیچ و خم میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ اس کی شرافت نے شبیلہ کو ابھی تک بھی کسی ایسے تاثر کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا تھا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ راحیل اسے اپنی زندگی کا اہم جزو سمجھنے لگا ہے۔

"بتایا نہیں آپ نے باس! ——" وہ اسے خاموش دیکھ کر بولی۔ وہ یوں خاموش رہنے سے نادم سا ہو گیا۔ اور اس کا چہرہ سرخی میں ڈوب گیا۔

"میرا مطلب تھا آپ کو ایک اشد ضروری کام سے کوہ مری بھیجنا چاہتا ہوں آپ جا سکیں گی ——"

"میں! ——" وہ کشمکش میں مبتلا ہو گئی۔

"کام نہایت ذمہ داری کا ہے ——" تھوڑا سا توقف کیا، اور پھر بولا "آپ اپنی ذمہ داری کو بڑے سلیقے سے نبھاتی ہیں۔ میں آپ کی کارکردگی سے بہت ہی خوش ہوں اور اپنی فرم میں سب سے زیادہ آپ کو قابلِ اعتماد سمجھنے لگا ہوں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اتنی بڑی ذمہ داری میں آپ کو کبھی سونپتا ——"

کمرے میں سکوت پھیل گیا۔ شبیلہ کا چہرہ متردد تھا۔ وہ فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکی۔ آخر تھوڑی دیر کے بعد اس نے جسم کو ہلکی سی جنبش دی اور

ساحل کو دیکھ کر پھر نظریں جھکالیں۔

"مجھے کام کی نوعیت سے بھی تو آگاہ کیجیے۔" وہ اپنے لہجہ کی سرزنش کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"کوہ مری کے سائل سینی ٹوریم میں ایک بوڑھا مریض ہے۔ جس سے جاکر آپ ملیں گی ــــــ"

"پھر! ــــ" شبیلہ مختصراً بولی۔

وہ لاہور کی اپنی اسٹیل فیکٹری بیچنا چاہتا ہے۔ ہمارا خیال ہے اسے ہم خریدلیں ــــ" پھر وہ چند ثانیے رک کر بولا "مگر وہ ہمارے ہاتھ فروخت کرنا نہیں چاہتا وہ ہمارے خاندان کے سب افراد کو جانتا ہے۔ اس لیے ہمارا کسی کا بھی وہاں جانا بے سود ہوگا وہ ہماری فرم کے بیشتر ملازمین کو بھی جانتا ہے۔ آپ چونکہ ہماری فرم میں نووارد ہیں وہ آپ سے واقف نہیں ہے۔ آپ وہاں جاکر اپنے طور پر فیکٹری کو خریدیں۔ آپ کو اختیار ہوگا۔ ہماری شرح کے مطابق جس طرح چاہیں سودا کرلیں رقم میں کمی بیشی آپ کرسکتی ہیں۔"

شبیلہ کے چہرے پر شش و پنج کے آثار پھیلے رہے۔ پھر اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

میرے سوا اور کوئی یہ کام نہیں کرسکتا؟ ــــــ وہ دھیمے لہجے میں بولی

"آپ انکار کردیں گی تو پھر اس کے بارے میں سوچا جائے گا" وہ بہت بے اخلاق سے بولا۔

وہ پھر سوچ میں پڑ گئی۔ اچانک اس کے ذہن میں رافیعہ کی بہن کی شادی کا خیال بجلی کی طرح لہرا گیا۔ اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس خیال سے کچھ ڈھارس ملی۔

"اگر آپ مجھے اتنا ہی قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں تو میں آپ کے اعتماد کو ٹھکرا

بھی نہیں سکتی۔"

وہ فیصلہ کن انداز میں بولی۔ راحیل کا چہرہ مسرت میں ڈوب گیا اور اس نے شبیلہ کو تحسین سے دیکھا۔

"مگر ایک بات ہے! ——— وہ متردد ہو کر بولی۔

"کیا بات ہے؟" وہ متحیرانہ بولا۔

"میں اکیلی نہیں جا سکتی۔" اس نے دل کی بات کہہ دی

"میں خود بھی آپ کو تنہا بھیجنے کے حق میں نہیں ہوں ———" وہ مطمئن لہجے میں بولا۔ اس نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ چپڑاسی حاضر ہو گیا اور مودبانہ کھڑا ہو گیا۔

"دیکھو! ——— چھوٹے صاحب کو بلاؤ۔ ———" وہ چپڑاسی سے بولا۔

چند لمحوں بعد سہیل اندر آگیا۔ اس کے ساتھ ہی ارشد بھی مسکراتا ہوا اندر آگیا۔ راحیل نے اسے ہنس کر دیکھا۔

"اوہو ارشد میاں تشریف لا رہے ہیں ———" سہیل نے پلٹ کر ارشد کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔ شبیلہ نے بھی اُسے ایک نظر دیکھا تھا۔

"آؤ! آؤ! بیٹھو! ———" راحیل محبت سے بولا۔

"بھائی جان! پہلے یہ بتایئے! ——— وہ ادھر ادھر دیکھ کر مزاحیہ انداز میں بولا۔ یہاں کہیں آس پاس انکل تو نہیں ہیں۔ پھر ہی بیٹھوں گا۔"

"راحیل اور سہیل نے زور سے قہقہہ لگایا۔ شبیلہ لاتعلق سی بیٹھی رہی۔ وہ کچھ دیر ہنستے رہے۔

"ارشد بہت ہی ڈرنے لگے ہو ڈیڈی سے! ———" سہیل اپنی ہنسی روک کر بولا۔

"بزرگوں سے ڈرنا ہی چاہیئے بھائی جان! ———" وہ عجیب سا منہ

بناکر بولا۔

اچھا ــــ اچھا بیٹھو! ــــ" راحیل نے کرسی کی طرف اشارہ کیا وہ بیٹھ گیا۔

"مجھے کس لیے بلایا ہے بھائی جان! ــــ" سہیل نے کہا۔

"بیٹھو بتاتا ہوں ــــ" اس نے ملائمت سے کہا۔

راحیل نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ چپڑاسی آگیا۔ اس نے اسے چائے لانے کو کہا۔ چپڑاسی چائے لانے چلا گیا۔ راحیل نے ایک لمحے کے لیے سب کے چہروں کی طرف نظریں دوڑائیں۔ پھر وہ سہیل کی طرف متوجہ ہوا۔

میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ تم مس شبیلہ کے ساتھ کل صبح مری کے لیے روانہ ہو جاؤ گے۔" راحیل نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"میں ــــ ان کے ساتھ جاؤں گی ــــ" شبیلہ بوکھلا سی گئی

"بھائی جان میں! ــــ" وہ گھبرا سا گیا تھا۔ مگر فوراً ہی شبیلہ کا تذبذب دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"آپ دونوں ہی جائیں گے ــــ پھر اس نے شبیلہ کی طرف دیکھا۔

"ایک قابلِ اعتماد فرد کے ساتھ دوسرا قابلِ اعتماد آدمی ہی جا سکتا ہے۔ مجھے اپنے بھائی پر کامل بھروسہ ہے۔ راہ میں یہ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دے گا۔ ایک رات کی بات ہے یہاں سے ابھی فون کر کے کل کے لیے آپ کے لیے ہوٹل میں دو کمروں کا بندوبست ہو جائے گا۔ آپ کل صبح یعنی پرسوں میں جا کر فیکٹری کے مالک سے بات چیت مکمل کر سکتی ہیں۔ سہیل آپ کا ــــ باہر انتظار کرے گا۔ آپ کے پاس دستخط شدہ چیک بک ہو گی۔ آپ بیعانے کے طور پر بھی جتنی مناسب سمجھیں رقم دے سکتی ہیں ــــ پھر اس نے شبیلہ کو بغور دیکھا اور کہا۔" اگر آپ سہیل

کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ جانا چاہیں تو اس کا بھی بندوبست ہو سکتا ہے مگر میں اپنے بھائی سے زیادہ کسی دوسرے شخص کو قابل اعتماد نہیں سمجھتا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی جگہ کسی اور ہی کو بھیجتا ——" سہیل کو فیکٹری کی خرید کے متعلق علم تھا۔ اس لیے وہ سب معاملہ سمجھ گیا۔

وہ خاموش رہی۔

"آپ نے کچھ کہا نہیں ——" وہ پرخلوص آواز میں بولا۔

"جی —— میں —— میں اب کیا کہہ سکتی ہوں ——" وہ کسمسا کر بولی۔

"تو پھر آپ تیار ہیں نا ——" راحیل نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی!" —— وہ گھبرائے گھبرائے انداز میں بولی۔ اس نے ترچھی نظروں سے دیکھا۔ سہیل مسکرا رہا تھا۔ وہ سمٹ کر بیٹھ گئی۔ اس کے دل میں خیال ابھرا۔ اس کی مسکراہٹ کتنی دل نشین ہے۔

چائے آئی اور خوشگوار فضا میں پی گئی۔ سہیل ارشد کا بازو پکڑ کر اسے اٹھانے لگا ——

"آؤ میرے کمرے میں چلو۔ ورنہ یہاں کام کی رفتار دیکھ کر خود کو مشین سمجھنے لگو گے۔" سہیل نے شرارت سے کہا۔

"یہ تو مشینوں کا ہی زمانہ ہے بھائی جان!" —— وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

سہیل نے پلٹ کر دیکھا راحیل ہنس رہا تھا۔ اور شبیلہ سر جھکائے سنجیدگی کے عالم میں بیٹھی تھی

سہیل ارشد کو لے کر اپنے دفتر میں آ گیا۔

"بھائی جان! ایک بات پوچھوں! ——" ارشد اس کی طرف حیرت سے دیکھ کر بولا۔

"آپ تو دل سے چاہ رہے ہوں گے کہ اس حسین لڑکی کے ساتھ سفر کا کوئی موقع ملے۔" وہ شرارت سے ہنس کر بولا۔

سہیل جھینپ گیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔

"اب تمہاری شوخی ذرا معیاری ہوگئی ہے ارشد! ——" وہ خفت کو مسکراہٹ کے پردے میں چھپا کر بولا۔

"بھائی جان! اتنی حسین لڑکی آپ کی فرم میں کیسے آگئی؟" ارشد نے مسکراتی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر پوچھا۔

"یہ بھائی جان سے دریافت کرو جنہوں نے اسے ملازم رکھا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

سہیل کو سنجیدہ دیکھ کر ارشد کو بھی مزید کسی شوخی کی جرأت نہ ہوئی۔ پھر تھوڑی دیر وہ وہاں بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا اور پھر اجازت لے کر باہر آگیا۔

شیبا کو چونکہ کل صبح کو مری جانا تھا اس لیے وہ جلد ہی گھر چلی گئی۔ وہ گھر آکر ایک لمحہ بھی سکون سے نہ گزار سکی۔ اسے ایک اضطراب اور بے کلی سی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ وعدہ تو کر آئی تھی مگر جانے کو اس کا دل نہ چاہتا تھا۔

ایک طرف وعدہ تھا —— جو اس نے راحیل سے کیا تھا۔ وہ اعتماد تھا۔ جسے اسے پورا کرنا تھا۔ لیکن دوسری طرف سفر، تنہا ایک لاابالی سے نوجوان کے ساتھ اس کی جذباتی کشمکش سے بعض اوقات اسے خوف سا آجاتا تھا۔

پھر گھر سے اجازت ملنے کا سوال ——

وہ ایک شدید ذہنی الجھن میں گرفتار تھی۔ ایک ادھیڑ بن تھی جس کے تانے

بانے گڈمڈ سے ہو کر رہ گئے تھے اور وہ سرا ڈھونڈھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"آپی! آج آپ کچھ کھوئی کھوئی سی ہیں۔ یہی حال ہے جب سے آئی ہیں۔ ڈھنگ سے کوئی بات ہی نہیں کی۔"

"کیا بات ہے شبیلہ بہن! ــــ تصور نے گہری ہمدردی سے کہا۔

"کوئی ایسی بات نہیں ہے ــــ" وہ مضمحل سی آواز میں بولی۔ "سوچ رہی ہوں کل رافیہ کی بہن کی شادی ہے جاؤں کہ نہ جاؤں۔"

"آپ کو جانا چاہیے آپی! ــــ آپ کی سہیلی ہیں۔ انھوں نے ہوٹل میں کل آپ کو کس خلوص سے دعوت دی تھی۔ ــــ نجمی محبت بھری آواز میں بولی۔

"واقعی ــــ وہ آپ کی بڑی اچھی سہیلی ہے۔ اس کی دعوت کو ٹھکرانا کچھ اچھا نہیں ہے۔" تصور کے لہجے سے اسے کچھ سہارا ملا، اور اسے یقین ہو گیا کہ اس کے والدین بھی اب انکار نہیں کریں گے۔

"یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے چلی جانا بیٹی ــــ" رابعہ بیگم ممتا سے بولیں۔

"اباجان! وہ ارشاد احمد کی طرف پیار سے دیکھ کر بولی۔" اب آپ کی اجازت کی ضرورت ہے۔"

"مجھے بھی کیا اعتراض ہو سکتا ہے بیٹی؟ ــــ وہ محبت سے بولے۔ "اچھے لوگوں سے میل ملاپ میں کیا حرج ہے۔

"آپی! آپ کی سہیلی کہاں رہتی ہے! ــــ" اس سے نجمی نے پیار سے پوچھا۔

"گلبرگ میں رہتی ہے! ــــ" اس نے کہہ تو دیا۔ مگر اس کا دل دھک

دھک کرنے لگا۔

"کل کس وقت آجائیں گی آپ؟ ——" نجمی نے کہا۔

"کل کیسے آسکوں گی ——" وہ جلدی سے بولی۔ "کل رات کو تو بارات آئے گی —— ایک رات تو ٹھہرنا ہی پڑے گا۔ پرسوں شام تک آسکوں گی۔"

"ایسے دن بار بار تو نہیں آتے" تصور بولا۔ "سہیلی کی خوشنودی کے لیے ایک رات کی کیا بات ہے۔"

سب مسکرانے لگے۔ پھر وہ رات گئے تک باتیں کرتے رہے۔ رات کے کھانے کے بعد اپنے اپنے کمرے میں آگئے۔

نجمی نے پڑھنے کے لیے کرسی پر بیٹھ کر کتاب کھولی اور صفحے پلٹنے لگی۔

"آپ پڑھو گی کیا؟" شبیلہ نے پوچھا۔

"جی آپی! —— اس نے اس کی طرف نظریں پھیر کر کہا۔

"کورس کی کتاب ہے! ——"

"نہیں! —— وہ بولی۔ "اس وقت کورس کی کتاب پڑھنے کو جی نہیں چاہ رہا ہے"

"پھر کونسی کتاب ہے تمہارے ہاتھ میں۔ ——" اس نے کتاب کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"شیکسپیئر کے ڈرامے —— میکبتھ تھوڑا سا پڑھا ہے۔ خیال ہے مکمل کر لوں گی" وہ مسکرا کر بولی۔

"لیڈی میکبتھ۔ آہ! کتنے غم اٹھا کر مرتی ہے بے چاری! شیکسپیئر نے کتنا شاندار کیریکٹر تخلیق کیا ہے۔ زندگی کو غموں میں بسر کرنا کتنا افسوس ناک انجام ہے انسان کا" وہ اداس لہجے میں بولی "کیا انسان غم اٹھانے کے لیے ہی پیدا ہوا ہے"

"غم اور خوشی تو زندگی کے ساتھ ساتھ ہی چلتے ہیں آپی! ـــــ" نجمی پیار سے بولی کوئی غم اٹھا کر تا ہے کوئی خوشیاں سمیٹ کر۔"

"کیا دنیا سے غم ختم نہیں ہو سکتے ـــــ" وہ اندھیرے خلاؤں میں گھورتے ہوئے بولی۔ "انسان کیا کوئی ایسا نظام تخلیق نہیں کر سکتا جس سے غموں کا احساس ہی مٹ جائے۔ زندگی پھولوں کی طرح مسکراتی ہوئی دکھائی دے۔ ہر سو خوشیاں ہی خوشیاں ہوں۔ کہیں غم کی پرچھائیں بھی دکھائی نہ دیں۔"

"آپی! ـــــ اس زمانے کا انسان کوشش تو یہی کر رہا ہے ـــــ" اس نے رخ شبیلہ کی طرف پھیر لیا۔ "دیکھئے کب کامیاب ہوتا ہے۔ کب زندگی سے چپکے ہوئے غموں کو نوچ کر پھینکتا ہے۔"

"یہ کامیابی۔ انسان کی عظیم ترین کامیابی ہوگی۔" اس نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "مگر آپی! ـــــ آپ اداس نہ رہا کیجئے! ـــــ" اس کا لہجہ غمزدہ ہو گیا "آپ کو اداس دیکھ کر مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ میں پریشان ہو جاتی ہوں ـــــ"

"تم ایسا نہ سوچا کرو ـــــ میری پیاری گڑیا ـــــ" اس نے ایک افسردہ سی مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیلائی ـــــ "تمہیں تو بس اپنی تعلیم کے متعلق سوچنا چاہیئے! ـــــ"

ایک گہرا سکوت کمرے میں پھیل گیا۔ باہر سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یا کبھی کبھی پہرے دار کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ شاذ و نادر کسی گھر میں بچے کے رونے کی آواز بھی گونجتی تھی۔ اور کبھی کبھار باہر سڑک پر گزرنے والی کسی موٹر کے انجن کا شور ساکت فضا کو درہم برہم کر دیتا تھا۔

"آپی! ـــــ" وہ اس طرح چونکی جیسے اسے اپنی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہو: "آپی! آپ سچ سچ بتائیں آپ ہر روز کہاں جاتی ہیں۔ میں آپ سے چھوٹی

ہوں مجھے پوچھنے کا حق تو نہیں ہے لیکن کیا کروں۔ پوچھے بنا قرار نہیں آئے گا۔ ذہن عجیب کشمکش میں مبتلا ہوں۔"

شبیلہ خاموش رہی اور اسے گہری گہری نظروں سے دیکھنے لگی۔ بلب کی روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور نجمی کے چہرے پر اس کے سوال کا نشان ابھرا ہوا تھا۔ اس کے برعکس شبیلہ کے چہرے پر دکھ اور کشمکش کے آثار تھے۔ جنھیں نجمی بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"آپی! بتائیں نا آپ! ـــــ" وہ نازسے بولی۔ نجمی کی بے تابی، ہمدردی اور خلوص پر اس کا دل بھر آیا۔ اور غم دل کی گہرائیوں سے اُٹھ کر آنکھوں کی طرف چلا گیا۔ مگر اس نے راستہ ہی میں اسے روک لیا۔ آنکھوں کو اشک بار نہ ہونے دیا۔ اس کے لیے اسے بے انتہا جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ جذباتی کشمکش میں مبتلا ہونا پڑا تھا۔

"کچھ تو کہیے آپی! ـــــ وہ اٹھلائی ـــــ" نہیں تو یہ خاموشی مجھے مار ڈالے گی ـــــ"

"وہ چونکی۔

"نجمی!" اس کے لہجے میں جذبات کی شدت تھی۔

"جی! آپی" وہ سوالیہ نشان بن گئی۔

"نہ ہی پوچھو تو بہتر ہے۔" اس نے کرب ناک لہجے میں کہا۔

"آپ کی مرضی۔ ـــــ وہ غمزدہ ہو گئی۔ مگر میرے دل کی بے تابی کسی پل ختم نہ ہوگی"

"ہوں! ـــــ اس کے لہجے میں گہرا رنج تھا ـــــ" میں نے سروس کر لی ہے اِسے ـــــ

"آپی! ـــــ" ایک دردناک چیخ تھی جو نجمی کے ہونٹوں سے باہر نکلی اور اس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔

"آپ نے یہ کیا کیا آپی! ۔ آپ ہمارے لیے کتنے دکھ اٹھانے لگی ہیں۔"

"تم پگلی ہو ـــــ" اس کے ہونٹوں پر ایک افسردہ مسکراہٹ تھی اور لہجہ سوزِ غم سے پُر تھا۔ "تمہارے لیے میری جان بھی کام آجائے تو معمولی بات ہے اب رو نہیں آنسو پونچھ ڈالو۔ محنت میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اور ہم اس بُرے وقت کو محنت و مشقت ہی سے تو اچھے لمحوں میں تبدیل کر سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھی اور نجمی کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس نے کرسی آگے بڑھا کر بڑے پیار سے اس کے آنسو پونچھ ڈالے۔

"اب رونا بند کرو بھئی ـــــ" شبیلہ دل پر جبر کر کے مسکرانے لگی۔ "ورنہ میں بھی رونے لگوں گی۔"

"آپی!" وہ اس کی طرف دیکھ کر گہری محبت سے بولی ـــــ "آپ کتنی اچھی ہیں ـــــ"

شبیلہ مسکرائی۔

"میں اچھی ہوں! ـــــ" اس نے مزاحیہ انداز میں کہا۔ "لڑکیاں تو کہتی ہیں، تم مجھ سے اچھی ہو۔ ـــــ" شبیلہ نے کچھ اس انداز میں آخری جملہ کہا کہ نجمی بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"میری بہت ہی پیاری آپی! ـــــ" وہ دل میں اٹھنے والی گہری محبت سے مجبور ہو کر کرسی سے اٹھی اور شبیلہ سے لپٹ گئی۔ وہ نجمی کے اس جذبۂ محبت سے بے حد متاثر ہوئی۔ اور اسے بڑے والہانہ انداز میں اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"آپی! ـــــ" نجمی نے شبیلہ کی طرف بڑے والہانہ انداز میں چمکتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔

"تو آپ روپے دفتر سے لائی تھیں۔"

"ہاں!" وہ مسکرائی ـــ "ایڈوانس لیے ہیں۔"

"اگر ابا جان کو سروس کا علم ہو گیا" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "تو انھیں کتنا دکھ ہو گا۔"

"اور جب مجبوریوں کی طرف دھیان جائے گا تو میرے اس اقدام کی دل میں ضرور قدر کریں گے۔"

نجمی کے اطمینان کے لیے بولی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی۔ اس کے والد کو اگر علم ہو جائے تو یہ سروس کسی حالت میں برقرار نہ رہے گی خواہ انھیں کتنی بھی مالی پریشانی ہو۔ کیسے بھی برے حالات ہوں۔ وہ لڑکیوں کی ملازمت کے سختی سے مخالف ہیں لڑکیوں کا بے مقصد گھر سے باہر نکلنا بھی انھیں گوارا نہیں۔ وہ یہ سب جانتی تھی۔

"آپی! ـــ"

"ہوں ـــ"

"آپ کل شادی میں جائیں گی؟"

"نہیں۔"

"آپ تو پروگرام بنا چکی ہیں۔" اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"مجھے دفتر کے کام سے ایک رات باہر رہنا ہے۔" وہ اسے بتانے لگی۔

"میں جس فرم میں کام کرتی ہوں اس کے مالک کو مجھ پر بہت اعتماد ہو گیا ہے وہ ایک فیکٹری خریدنے کے سلسلے میں کوہ مری جا رہی ہوں پرسوں شام واپسی ہو گی۔"

"آپی!" وہ حیران سی تھی۔ "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ آپ اکیلی جائیں گی؟"

"نہیں! پاس کا چھوٹا بھائی جائے گا۔" یہ کہہ کر اس کا رنگ سرخ ہو گیا۔ سہیل کے تصور سے وہ شرم و حیا کا پیکر بن گئی۔ نجمی نے اس کے چہرے پر پھیلتی ہوئی سرخی کو بغور دیکھا تھا۔

"آپی!" اس کا لہجہ تشویش سے پُر تھا۔ "وہ قابلِ اعتماد لوگ ہیں نا؟"

"بہت ہی زیادہ۔ اتنا اعتماد" اس کا لہجہ یقین سے پُر تھا۔ "مجھے شاید خود پر بھی نہ ہو۔ اچھا اب باتیں بہت زیادہ ہو چکیں۔ سو جاؤ۔" وہ مسکرا کر پیار سے بولی۔ "مگر ان باتوں کا بھولے سے بھی گھر میں ذکر نہ کر دینا۔"

نجمی زیرِ لب ہنسی۔

"اوہ۔ نہیں۔ نہیں ہو گا۔"

اس کے ہونٹوں پر ہنسی پھیلتی چلی گئی۔

ناشتے کے بعد پورا خاندان ڈرائینگ روم میں صوفوں پر براجمان تھا۔
سہیل سفری لباس پہنے تیار کھڑا تھا۔ اور چھوٹی شاہدہ کی طرف ہنس کر دیکھ رہا تھا۔
وہ اس کے بازو سے پکڑ کر جھول رہی تھی پھر وہ بازو ہلا ہلا کر خود بھی اسے جھولا سا جھلانے
لگا۔ وہ بڑے معصوم سے قہقہے لگا رہی تھی۔

"اچھا بھئی بہت ہو چکا اب چھوڑ دو" وہ شاہدہ کے گال پر پیار سے ہلکی سی
تھپکی لگا کر بولا۔

"نہیں بھائی جان! ابھی نہیں" وہ پیار سے بولی۔

"باقی پھر شاہدہ! ——" راحیل اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "انھیں ضروری
کام سے جانا ہے"

وہ بڑا سا منہ بنا کر علیحدہ ہو گئی۔ ارم نے لپک کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔
اور پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

"سہیل" راحیل نے سہیل کو پکارا۔

"جی بھائی جان۔"

"یہاں آجاؤ۔"

وہ راحیل کی کرسی کے قریب جاکر صوفے پر بیٹھ گیا اور اس کی بات کا انتظار کرنے لگا۔

"یہ دستخط شدہ دو چیک ہیں۔ اور یہ ٹرین کے ٹکٹ! ——— پھر اس نے کچھ کاغذات اس کی طرف بڑھائے۔ یہ سادہ کاغذ ہیں۔ شاید ضرورت پڑ جائے ———"

سہیل نے حیران حیران انداز میں سب چیزیں پکڑلیں۔ اور اپنی پتلون کی جیب میں ڈال لیں۔

"تو کیا ہمیں ٹرین سے جانا پڑے گا! ———" وہ سنجیدہ تھا۔ "کارسے کیوں نہیں ———"

"ریل کا سفر ہی ٹھیک ہے۔" راحیل اطمینان سے بولا۔

"بہتر! ———" وہ مجبوراً رضامند ہو کر بولا۔ "آپ نے جو سوچا مناسب ہی ہوگا۔"

راحیل مسکرایا اور اس کے شانے کو پیار سے تھپ تھپایا۔

"اب تم جاؤ۔ تمہارا ہم سفر فرم پہنچ چکا ہوگا ———" وہ پرخلوص آواز میں بولا۔

"ہمسفر ———" سہیل نے زیرِ لب اس لفظ کو دہرایا۔ جیسے اس پر نشہ چھا گیا۔

"راحیل بیٹے! کہاں بھیج رہے ہو سہیل کو۔" افتخار احمد نے راحیل کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

"کوہ مری! ـــــ"

"کوہ مری! ـــــ" وہ کچھ نہ سمجھ کر بولے "کیوں آخر؟"

"وہ ارجمند صاحب ہیں نا؟"

"ہاں وہ اسٹیل فیکٹری والے جن سے کاروباری معاملات میں ہمارا جھگڑا ابھی چلتا رہا ہے" افتخار احمد سوچتے ہوئے بولے۔

"جی بالکل وہی! ـــــ" راحیل بولا "وہ اپنی فیکٹری بیچ رہے ہیں۔ اور آج کل سینی ٹوریم میں بیمار پڑے ہیں۔ میں سہیل کو اپنی ایک کلرک کے ساتھ فیکٹری کا سودا طے کرنے کے لیے وہاں بھیج رہا ہوں۔ ارجمند چونکہ ہمارے ہاتھ فیکٹری فروخت نہیں کرے گا اسلیے سودا کرکے بیعانہ ہماری کلرک اپنے نام لکھا لے گی بعد میں بیع نامہ ہمارے نام لکھا جائے گا"

"بہت اچھا پروگرام ہے ـــــ" وہ فخر و انبساط سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر بولے "مجھے یہ جان کر بہت ہی خوشی ہوئی ہے کہ تم اب پکے بزنس مین ہو گئے ہو۔ مجھے یقین ہے تم اسی طرح لگن سے کام کرتے رہو گے۔ اب تو سہیل بھی تمہارا ہاتھ بٹانے لگا ہے۔ اسے بھی سمجھ آگئی ہے" سہیل مسکرانے لگا۔

"کیوں ڈیڈی! ہمارے بھیا کوئی ناسمجھ تھے! ـــــ" شاہدہ سہیل کی حمایت میں بولی۔

"بھئی تم بڑوں کی باتوں میں دخل نہ دیا کرو۔" ارم نے شاہدہ کو پیار سے ڈانٹا۔ اس کی بات پر سب کے ہونٹ متبسم ہو گئے۔

"میں تو سمجھتا ہوں مہربانی ہے اس کی جو میرا ہاتھ بٹانے لگا ہے۔" راحیل سہیل کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔

"مہربانی کیسی بھائی جان! وہ سعادت مندی سے بولا۔ اپنا فرض ادا کرنے

لگا ہوں۔"

"سہیل بھی پاؤ گے شبیرا ــــــ" پھر وہ گھڑی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اب جاؤ وقت گزر رہا ہے۔ ہوٹل گرینڈ میں شہزانا سے اطلاع کر دی گئی ہے۔"

"بہت اچھے بھائی میاں۔" اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔

ڈرائیور نے اسے چند منٹوں میں موٹر ٹریڈرز پہنچا دیا۔ اس نے چپڑاسی سے [illegible] ــــ" پوچھا۔

"[illegible] شبیلہ آگئی ہیں ــــــ"

"جی ابھی ابھی آئی ہیں۔" چپڑاسی نے مؤدبانہ جواب دیا۔ وہ سیدھا شبیلہ کی سیٹ کی طرف بڑھتا گیا۔

"چلیے ــــ" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "وقت کم رہ گیا ہے۔ ورنہ گاڑی سے رہ جائیں گے۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور بڑے وقار سے پرس سنبھالے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ وہ باہر آکر کار میں بیٹھ گئے۔

شبیلہ اور سہیل اسٹیشن پہنچے تو خیبر میل یارڈ میں کھڑی تھی سیٹیں پہلے سے ریزرو ہو چکی تھیں اس لیے سہیل کو ٹائم ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔

ڈرائیور نے اس کا اٹیچی کیس قلی کو تھما دیا۔ قلی آگے آگے چلنے لگا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ اور گیٹ سے گزر کر پلیٹ فارم پر آگئے۔ سواریاں تیزی سے ڈبوں میں چڑھ رہی تھیں۔ بڑی بھیڑ تھی۔ ڈبے ٹھنسے پڑے تھے۔

"صاحب کون سے درجے میں بیٹھیں گے ــــــ" قلی نے سہیل سے پوچھا۔

"فرسٹ کلاس میں۔ ــــــ"

قلی نے انھیں فرسٹ کلاس میں ان کی ریزرو سیٹ تک پہنچا دیا۔
قلی کے جانے کے بعد سہیل نے پورے برتھ پر قبضہ جما لیا۔ سامنے کے برتھ پر تین معمر عورتیں بیٹھی تھیں۔ اور تیسرے برتھ پر دو ہپی گرلز بیٹھی تھیں جو عجیب سی نظروں سے مشرقی ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ان کے علاوہ کوئی مسافر کمپارٹمنٹ میں نہ تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ دسمبر میں ہلکی ہلکی خوشگوار خنکی رچی ہوئی تھی۔ جو موسم برسات میں نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہوتی۔
سہیل نے اٹیچی کیس برتھ کے نیچے کھسکا دیا۔ اور اپنے سامنے کھڑی شبیلہ کی طرف دیکھا۔
"آپ ابھی تک کھڑی ہیں۔ اس کا لہجہ بے تپاک، پُر اخلاق اور سنجیدہ تھا۔
"تشریف رکھیے نا۔"
"وہ حیران تھی کہ ایک کھلنڈرا سا نوجوان یکایک اتنا سنجیدہ اور لاتعلق سا ہو گیا ہے۔ اس لیے اسے ایک دھچکا، انجانا سا دکھ ہوا۔ اور دل کو ہلکا سا حذیاتی دھچکا لگا۔ مگر اس نے یہ سوچ کر دل کو تسلی دے لی تھی کہ چلو فضول باتوں سے تو جان چھوٹی۔ مگر وہ اتنا سوچ کر بھی خود کو مطمئن نہ کر سکی۔ وہ اس کے چہرے پر شوخی اور آنکھوں میں شرارت دیکھنے کی تمنا کرنے لگی۔ مگر سہیل تو جیسے بالکل ہی بدل گیا تھا۔ اس نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے اس کی جبلّی طبع کا اظہار ہوتا۔
شبیلہ ذرا پرے ہٹ کر گم صم بیٹھ گئی تھی۔ اور امریکن لڑکیوں کو دیکھ رہی تھی انھوں نے اسے دوستانہ نگاہوں سے دیکھا مگر گفتگو کا سلسلہ شروع نہ ہوا۔
"میں ذرا کچھ رسالے خرید لاؤں۔" وہ اس سے مخاطب ہوا۔ سفر لمبا ہے یونہی طے نہ ہوگا۔
"ہوں! ـــــ" اس نے مختصراً کہا اور وہ پھر معمر عورتوں کی طرف دیکھنے لگی

جو آپس میں پشتو میں باتیں کر رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں خاک نہ آرہا تھا۔ کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں اور کیا سن رہی ہیں۔ امریکن گرلز بالکل خاموش تھیں جیسے ان کے کہنے کو کوئی بات نہ رہ گئی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد سہیل کچھ رسائل لے کر آگیا۔ جو اس نے بڑے دلنشین انداز میں بر تھو پر پھینک دیئے سامنے سہیل کا یہ انداز بڑا پیارا لگا۔ اور اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"شبیا" وہ ایک میگزین اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"آپ نے مجھ سے کچھ کہا ——" وہ ایک دم چونکی اور اسے مستفرانہ انداز میں دیکھنے لگی۔

"شیبا" وہ مسکرایا۔

"کچھ کہنا بھی ہے آپ کو ——" یکبارگی شبیلہ کی تیوری چڑھ گئی "میں ایسی بے تکلفی کو پسند نہیں کرتی۔"

جب اس نے سہیل کے چہرے پر نظر دوڑائی تو وہ سنجیدہ تھا۔ اس سے اسے ہلکی سی ندامت کا احساس ہوا۔ مگر اسے اپنا نام بار بار دہرائے جانے پر رنج ضرور تھا۔ اور وہ متعجب بھی تھی۔ کہ اسے یہ نام کیسے معلوم ہوا۔ اس نام سے تو اسے صرف کالج ہی میں پکارا جاتا تھا۔ وہ عجیب کشمکش و رنج کے عالم میں تھی ——"

"میں نے آپ سے تو کچھ نہیں کہا" وہ اسے تھوڑی دیر گہری نظروں سے دیکھ کر بولا "ویسے مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ کو شیبا کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ اس کی آواز متانت لیے ہوئے تھی۔

"یہ نام بتانے کا شکریہ"

"میں نے یہ نام بتایا ہے آپ کو" وہ ششدر تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا

تھا۔ جب وہ اس کی طرف دیکھتی تو وہ اُسے بالکل متین دکھائی دیتا تھا۔ اس کے ہلکے سے آواز اسمی کہیں یہ بھی اس شوخ ترین طبیعت کا ایک شریر ترین رخ نہ ہو اگر وہ سنجیدہ بننے کی کوشش کر رہا تھا تو بلاشبہ اس کی اداکاری قابلِ داد تھی۔

"جی ہاں ——— آپ ہی نے بتایا ہے! ——— وہ اسے گھور کر بولا ———"

"کیا مصیبت ہے" وہ اُسے شاکی نظروں سے دیکھ کر بولی۔ سہیل کے دل نے چاہا وہ بے اختیار قہقہہ لگائے اور اس وقت تک ہنستا چلا جائے جب تک شبیلہ کی شفاف آنکھوں میں آنسو نہیں آجاتے۔ مگر اس نے دل کے اس فیصلہ کو جلد ہی مسترد کر دیا۔ وہ عزم کر چکا تھا کہ سفر میں اس سے کسی قسم کی شوخی نہیں کرے گا۔

"کہاں ہے مصیبت؟ ———" وہ بولا "آرام سے تو بیٹھی ہیں آپ۔"

"ہونہہ! آرام! ———" وہ طنز سے بولی "آپ کے سامنے آرام کی توقع فضول چیز ہے۔"

سہیل کو یوں لگا۔ جیسے شبیلہ نے یہ الفاظ نہیں کہے تھے بلکہ پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈال دیا تھا۔ اُسے ہلکا سا طیش آگیا۔ اس فضول طنز سے اسے انتہائی رنج ہوا۔

"مس صاحبہ" وہ دھیمے جوش کی تھرتھراہٹ سے بولا "میں آپ کو اپنی طبیعت کو بمشکل قابو میں کر کے آرام پہنچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اور آپ ہیں کہ الٹا الزام لگا رہی ہیں۔ مجھے بہت افسوس ہوا ہے۔ بہت رنج پہنچا ہے۔ چونکہ آپ میری ہمسفر ہیں۔ اس لیے میں نے تمام شوخیوں کو ترک کرنے کی ٹھان لی ہے۔ تاکہ آپ یہ خیال نہ کریں کہ سفر میں تکلیف پہنچی ہے۔ میں اس کی بھی معافی چاہتا ہوں۔ کہ پہلے میں آپ کو تنگ کرتا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے انگلش رسالہ اس کی نظروں کے سامنے کر دیا۔

اس کے ٹائیٹل کے بیچ پر کسی غیر ملکی اداکارہ کی رنگین تصویر مسکرا رہی تھی اور نیچے لکھا تھا۔
"ہالی ووڈ کی مقبول ترین اداکارہ شیبا"
تحریر پڑھ کر وہ انتہائی نادم ہو گئی۔۔ اس کا چہرہ کانوں تک سرخ ہو گیا وہ سکتے کے عالم میں بیٹھی رہ گئی۔ اُسے آزار پہنچانے والے اپنے رویے پر بے حد رنج ہوا۔ وہ نظریں جھکائے خفت کے عالم میں خاموش بیٹھی رہی۔ کچھ کہنے کے لیے اس کے لب کئی بار لرزے پلکوں کو کئی بار جنبش ہوئی مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔
"اب تو آپ تسلیم کریں گی کہ آپ ہی نے مجھے اپنا پیٹ نام بتایا ہے۔ شاید آپ کو گھر اور کالج میں اسی نام سے پکارا جاتا ہو گا" پھر وہ گہری اپنائیت سے بولا۔
"ویسے نام بہت پیارا ہے"
اس کے دل نے چاہا کہ اپنی زیادتی کی معافی مانگ لے مگر وہ ایسا نہ کر سکی گہری شرم آڑے آ گئی۔ اور وہ چپ چاپ بیٹھی رہی۔
"اس سے پہلے کہ آپ معافی مانگیں آپ کو معاف کر دیا گیا" وہ اس کی طرف تھوڑا سا جھکا۔ اب اتنی پشیمانی بھی اچھی نہیں آپ کو میں نے بھی کافی تنگ کیا ہے تھوڑا سا آپ نے ستا لیا حساب برابر ہو گیا۔ اب آپ اپنا موڈ صاف کر لیجئے۔"
سہیل کی آنکھوں کی گہرائی دیکھ کر اس کا دل دھک دھک کرنے لگا اور وہ شرم سے لال ہو گئی۔ اب اس کے چہرے پر ندامت کی جگہ شرم کی شفق پھیل گئی تھی اور وہ دل خوش کن خدلیوں میں ڈوب اور ابھر رہا تھا۔ وہ اس کے اس پرخلوص جذبے کو دل ہی دل میں رکھ رہی تھی۔ مگر زبان سے اس کا اظہار نہ ہو سکا تھا۔ وہ اس کی خوشنودی کے لیے سنجیدہ تھا۔ اس نے لیے اس نے اپنے موڈ کو یکسر بدل ڈالا تھا۔ کتنا پرخلوص اور ایثار رکھنے والا نوجوان تھا سہیل۔
سُہیل

سہیل
اس کے دل کی دھڑکنوں نے کئی بار یہ نام پکارا: اور یہ پکار اونچی ہوتی چلی گئی اور شعور سے نکل کر لاشعور میں جا پہنچی۔

"شیبا۔"

وہ چونکی اور سہیل نے ہنس کر رسالہ نظروں کے سامنے کر لیا۔ جانے کیوں اس کے ہونٹوں پر بھی دبی دبی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ وہ چور نظروں سے اس کے چہرے پر دیکھ رہا تھا۔

گاڑی نے وسل دیا۔ وہ لاہور اسٹیشن پر اپنا وقت پورا کر چکی تھی۔ سٹیشن یارڈ سے باہر نکل کر تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔ چند میل کے فاصلے پر جا کر وہ فراٹے بھرنے لگی۔ درخت اور بجلی کے کھمبے اس کے ساتھ ساتھ بھاگتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ کھیتوں میں سبزہ ہی سبزہ لہلہا رہا تھا۔

سہیل کے دل میں امنگوں کے کنول کھل رہے تھے۔ خواہشوں کے پھول مسکرا رہے تھے۔ ارمانوں کی کلیاں چٹک رہی تھیں وہ بے خود سا ہوتا جا رہا تھا۔ ایک رومانی سی کیفیت اس پر مسلط ہونے لگی تھی۔ وہ رسالہ نظروں کے سامنے کیے برتھ کی دیوار سے ٹیک لگائے رنگین تصورات کے سحر میں کھویا ہوا تھا۔

ماحول پر ایک کیف بار سکوت چھایا ہوا تھا۔

شبینہ دیوار کا سہارا لیے ادبی رسالہ دیکھ رہی تھی۔ کوئی افسانہ اس کے زیر مطالعہ تھا۔ اب امریکن لڑکیاں بھی آپس میں گفتگو کرنے لگی تھیں اور بات بات پر مسکرانے لگی تھیں۔ سہیل اور شبینہ کے درمیان پھر کوئی خاص گفتگو نہ ہو سکی۔ وہ اپنے اپنے خیالوں میں مگن سفر گزارتے رہے۔ کئی اسٹیشن آئے اور گزر گئے۔

جب گاڑی جہلم کے اسٹیشن پر رکی تو لنچ کا وقت ہو رہا تھا۔ بیرہ آ گیا۔

"لنچ کیجیے گا صاحب" اس نے دوبارہ پوچھا۔

"ہوں —— لے آؤ —— پھر اس نے شبیلہ کی طرف دیکھ کر کہا: دو آدمیوں کا کھانا لاؤ ——"

"بہتر جناب! ——" بیرہ آگے بڑھ گیا۔ وہ دوسری مسافر خواتین کی طرف بھی متوجہ ہوا تھا۔ مگر وہ اپنی باتوں میں اتنی مشغول تھیں کہ اس نے آگے بڑھ جانا ہی مناسب سمجھا۔ اس کے آگے نکل جانے کے بعد ایک معمر خاتون چونکی اور انھوں نے شبیلہ کی طرف رخ کیا۔

"بیٹی! ذرا اپنے میاں سے کہو کہ بیرے کو آواز دیں ——"

خاتون شبیلہ سے بڑے پیار بھرے انداز میں مخاطب ہوئی۔ شبیلہ اس کی اس بات سے کٹ کر رہ گئی۔ شرم سے کئی بل کھا گئی —— گہری لاج نے اس کی آواز گنگ کر دی —— اس کی گردن جھکی جا رہی تھی۔ —— وہ ہر لمحے اپنے جسم کو سمیٹتی جا رہی تھی۔ وہ اس کی حالت سے لطف اندوز ہو کر مسکرایا اور تھوڑا سا گھوما۔

"بیرہ ——" اس نے بیرے کو بلند آواز میں پکارا۔ بیرہ بھی زیادہ دور نہیں گیا تھا۔ وہ گھوما اور اس کے قریب آ گیا۔ "جی فرمائیے" اس نے ادب سے کہا

"وہ آپ کو بلاتی ہیں ——" اس نے معمر خاتون کی طرف اشارہ کیا۔

"جو کچھ ان خاتون صاحبہ نے کہا ہے اب اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے"۔ اس نے متین شرارت کی۔ شبیلہ نے لجا کر شرمیلی آنکھوں سے اسے نظر دیکھا اور پھر گردن جھکا لی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے دل کی دھڑکن معمول پر آنے لگی۔ وہ سوچنے لگی

کتنی حسین غلط فہمی ہے۔

کیسا پیارا مغالطہ ہے
کس قدر رنگین تصور ہے۔

سہیل بھی کچھ یونہی سوچ رہا تھا۔ خاتون نے کیسی سادگی سے شبیلہ کو اس کی بیوی بنا دیا تھا۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ ان کے درمیان ازدواجی رشتہ نہیں ہے تو کتنی ندامت محسوس ہو۔ ـــــــ"

بیرہ کھانے کی ٹرے میز پر رکھ گیا۔

گاڑی پھر چل پڑی۔

اور وہ کھانا کھانے لگے۔ انہوں نے خاموشی سے لنچ تناول کیا۔ معمر خاتون بھی کھانا کھا رہی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر میں ہی کھانے سے فارغ ہو گئے۔ دوسرے اسٹیشن پر بیرہ برتن اٹھانے آیا۔ اسے چائے کا آرڈر دیا گیا۔ جب وہ چائے پی چکے تو بیرہ کو بل دے دیا گیا۔

وہ پھر خاموشی سے رسائل کے صفحات پر نظریں دوڑانے لگے۔ کچھ دیر بعد سہیل رسالے سے اکتا گیا اور شبیلہ کو گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ خاموشی سے اس کے حسن کا نظارا کرنے لگا۔ اچانک شبیلہ نے نگاہیں پھیریں اور اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے جھینپ گئی۔ وہ بھی خفیف سا ہو گیا۔

"آپ کب تک پڑھتی رہیں گی؟" وہ خفت کو بات کے پردے میں چھپا کر بولا۔

"جب تک گاڑی چلتی رہے گی۔" اس نے فلسفیانہ انداز میں جواب دیا۔

"اگر گاڑی تمام زندگی چلتی رہتی؟" وہ بھی اسی انداز میں بولا۔

"تو میں تمام زندگی یونہی پڑھتی رہوں گی۔" وہ شیریں لہجے میں بولی۔

"آپ سفر میں کیا محسوس کر رہی ہیں۔" وہ اسے بغور دیکھ کر بولا۔ "میرا مطلب ہے کوئی نئی بات؟"

"گاڑی کا سفر ہے کئی بار کیا ہے" وہ ذرا رک کر پھر بولی "نئی بات کیا ہوگی؟"

"شاید کوئی ہو" وہ اس کے جواب سے افسردہ ہوگیا

"آپ کا ہمسفر ہونا ایک نئی بات ضرور ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی اور سہیل کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اور وہ کسی خاص سوچ میں ڈوبا دکھائی دینے لگا۔

"میں کیسا ہمسفر ثابت ہوا ہوں۔" آخر کار وہ ذہن میں ابھرتے ہوئے سوال کا اظہار کر ہی گیا۔ شبیلہ نے اسے غور سے دیکھا

"دل چسپ ——"

"اور کچھ ——"

"ابھی تو سفر باقی ہے۔ قبل از وقت کیا کہا جا سکتا ہے۔ آنے والا وقت خود ہی فیصلہ کر دے گا۔ اس نے متین لہجے میں کہا۔ اور پھر رسالے کے اوراق پلٹنے لگی۔ اور وہ ذہن کے صفحات دیکھنے لگا۔ جن پر شبیلہ ہی شبیلہ لکھا تھا۔

ایک حسین سفر کی پہلی منزل ختم ہو گئی۔

لاہور سے آنے والی خیبر میل راولپنڈی اسٹیشن کے یارڈ میں پہنچ کر رک گئی۔ پلیٹ فارم پر کافی گہما گہمی تھی۔ سواریاں ڈبوں کی طرف بھاگ رہی تھیں۔ گاڑی کے ٹھہرتے ہی سواریاں اترنی اور چڑھنی شروع ہو گئی تھیں۔ سہیل نے قلی کو اشارے سے بلایا۔ اور اسے اٹیچی کیس اٹھانے کو کہا۔ قلی نے اٹیچی کیس اٹھا لیا۔ اور ان کے ساتھ ساتھ گاڑی سے نیچے اترا۔

وہ گیٹ سے گزر کر باہر آ گئے۔ اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر کوہ مری کے لیے روانہ ہو گئے۔ ڈرائیور نے تقریباً دو گھنٹے میں انھیں مری پہنچا دیا۔ اور وہ کوہ مری کے ٹیکسی سٹینڈ پر اتر گئے۔ سہیل ڈرائیور کو اس کی مزدوری دے کر فارغ ہوا ہی تھا کہ اچانک۔ اس کی نظر سامنے دکان سے فروٹ خریدنے والی ایک فیشن ایبل حسین و جمیل لڑکی پر پڑی۔ وہ بھی یکایک گھومی۔ دونوں کی حیران حیران سی نظریں ٹکرائیں۔ پھر دوسرے لمحے حیرت کی جگہ مسرت و خوشی نے لے لی۔

"تمثیلہ! ——" سہیل کے منہ سے نکلا۔

"سہیل ——" تمثیلہ بھی بے اختیار پکار اٹھی۔

دونوں ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے۔ شبیلہ ان کے اس ملاپ سے متعجب اور پریشان سی ہو گئی تھی اور تمثیلہ کا ڈرائیور انھیں مسکراتی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ تمثیلہ سہیل کو بڑے تپاک اور جوش سے ملی۔ اس کے اس جوش نے شبیلہ کو کسی حد تک افسردہ کر دیا تھا۔ اور وہ بجھی بجھی نظر آنے لگی تھی اس کے خوبصورت چہرے پر تاریک سی پرچھائیاں دوڑنے لگی تھیں۔ سہیل نے گھوم کر اسے ایک نظر دیکھا۔ اور ذرا سنجیدہ ہو گیا۔

"آپ یہاں کہاں؟ ——" تمثیلہ خوش کن موسیقی نواز لہجے میں بولی ——"

"یہی سوال میں آپ سے پوچھتا ہوں! ——" وہ ہنستے ہوئے برجستہ بولا۔

شبیلہ لاتعلق سے کھڑی تھی۔

"ہم تو یہیں اپنی کوٹھی میں سیزن گزار رہے ہیں ——" وہ میٹھی آواز میں بولی۔

"اور ہم ایک دن گزارنے آ گئے ہیں۔"

"خوب! ——" پھر وہ شبیلہ کی طرف مڑی۔ اس کے چہرہ اور سراپا کو بغور دیکھا جانے کیوں اس کے چہرہ پر ایک پھیکا سا رنگ ابھر گیا وہ کچھ سنجیدہ سی ہو گئی۔ شاید وہ اس کی رعنائی دیکھ کر بجھ سی گئی تھی۔ بہرحال اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔ اور ہونٹوں پر تصنع آمیز دلفریب مسکراہٹ چپکا لی۔

"آپ کی تعریف! ——" وہ شبیلہ کی طرف دیکھ کر سہیل سے مخاطب ہوئی شبیلہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اور چہرہ کئی رنگ بدل گیا وہ شرمائی لجائی اور افسردہ

ہو گئی۔ سہیل اسے بھرپور نظروں سے دیکھ کر بولا ـــــــ

"یہ میری عزیزہ ہیں! ـــــــ" سہیل نے بڑی خوبصورتی سے شبیلہ کے قد میں اضافہ کر دیا۔ اور شبیلہ کو یوں لگا جیسے یہ شوخ سا نوجوان عالی ظرف اور انتہائی بلند کردار انسان ہے۔ اس کے دل میں اس کے لیے قدر اور توصیف کے جذبات پیدا ہو گئے۔ پھر اس نے والہانہ انداز میں اسے ایک نظر دیکھا۔ وہ اسی نظر کا تو منتظر تھا عرصے سے ایسی ہی نظروں کی خواہش لیے بیٹھا تھا۔ اسے یوں لگا دو تیر تھے کہ جو دل میں اتر گئے تھے اور ایسے زخم بنا گئے تھے۔ جن سے ٹیس کا احساس ہونے کے بجائے نشہ و سرور سے لبریز کسک محسوس ہوتی ہے۔ وہ اس کسک کی لطافت میں کھو گیا۔

تمثیلہ ذرا سے توقف کے بعد آگے بڑھی اور ہونٹوں پر ہنسی بکھرتی ہوئی کہنے لگی۔

"میں تمثیلہ ہوں۔ ایک مرتبہ ڈی بیٹ میں حصہ لینے کے لیے لاہور یونیورسٹی بھیجی گئی تھی وہیں سہیل صاحب سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔"

وہ بناوٹی محبت کا مظاہرہ کرکے شبیلہ سے مخاطب ہوئی۔

"جی! ـــــــ بڑے ہی دلچسپ آدمی ہیں ـــــــ" وہ سہیل کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولی۔ "اور آج تو ان کے دل جیسپ ہونے کا مکمل یقین ہو گیا ہے۔"

"جی! ـــــــ" تمثیلہ نے اس چوٹ کو نہ سمجھتے ہوئے الجھن سے اسے دیکھا شبیلہ گڑبڑا گئی۔

"میرا مطلب ہے آپ جیسے بڑا اخلاق لوگوں سے میل جول یہ ان کے دل۔ جیسپ ہونے کا اظہار ہی ہے۔" اس نے صاف آواز میں کہا۔ اور چہرے پر خوشگوار تاثرات بکھیر لیے۔ وہ اس طنز کو بھی نہ سمجھ سکی اور اپنی تعریف پر مسکرائی مگر تمثیلہ کے برعکس سہیل کے چہرے پر عرقِ انفعال بکھر گیا تھا اور وہ پشیمانی سے سرخ ہو گیا

تھا کیونکہ شبیلہ نے تمثیلہ کے نیم عریاں لباس کی طرف دیکھ کر لطیف طنز کیا تھا۔ وہ اس چوٹ کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ اور شبیلہ سہیل کے چہرے پر ندامت سے لبریز کشمکش کے آثار دیکھ کر دل ہی دل میں محظوظ ہو رہی تھی۔ اسے عجیب سا مزا مل رہا تھا۔ سہیل نے ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے کہہ رہا ہو اس میں میرا کوئی دوش نہیں ہے یہ ملاقات تو بس اتفاق ہے۔

"آپ صرف ایک دن کے لیے آئے ہیں، آخر کیوں؟" تمثیلہ نے بڑھتی ہوئی خاموشی کو توڑ کر سہیل سے پوچھا۔

"جی! ——" وہ سنبھلا اور اس نے تمثیلہ کی طرف دیکھا۔ "انھیں یہاں ایک اشد ضروری کام ہے اس لیے یہاں آنا پڑا۔ یہ اکیلی نہیں آنا چاہتی تھیں۔" وہ مسکرا دیا۔ اور شبیلہ نے لجا کر سر جھکا لیا۔

"ہوں! ——" تمثیلہ شیریں لہجے میں بولی۔ "آئیے پھر گھر چلیں۔"

"مگر" اس نے حیرت سے کہا۔ "ہم نے ہوٹل میں کمرے بک کرا لیے ہیں بھائی جان نے ہوٹل گرینڈ والوں کو مطلع کر دیا تھا۔"

میرے یہاں ہوتے ہوئے آپ لوگ ہوٹل میں نہیں ٹھہر سکتے۔" تمثیلہ نے اخلاص آگیں لہجے میں کہا۔ "اگر میں نہ ملتی تو جدا بات تھی۔ ہمارے پاس کافی جگہ ہے ممی اور میں ہی تو پوری کوٹھی میں رہتی ہیں۔ ممی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔

سہیل تذبذب میں پڑ گیا اور شبیلہ دل سے چاہنے لگی کہ سہیل تمثیلہ کی بات مان ہی لے تو بہتر ہے۔ اسے ہوٹل میں ٹھہرنے کے نام ہی سے وحشت ہوتی تھی وہ ہوٹل میں ٹھہرنے کو اچھا نہ سمجھتی تھی۔ وہ تو ایک مجبوری کے تحت چلی آئی تھی۔

اس نے ایک نظر سہیل کو دیکھا۔ سہیل کے چہرے پر سوچ کی لکیریں بکھری ہوئی تھیں۔

"آپ کس سوچ میں پڑ گئے!" تمثیلہ ایک دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔
گھبرا ہی رہی ہوں کسی مقتل میں تو نہیں!"

تمثیلہ کے آخری جملے پر وہ زور سے چونکا۔ شکیلہ بھی اس جملے پر زور سے چونکی تھی اور تمثیلہ سہیل کو معنی خیز انداز میں دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"یہ بات نہیں ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"پھر اور کیا بات ہے؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔

ہوٹل میں کمرے نہ لیے ہوتے تو اور بات تھی۔" وہ متردد ہو کر بولا۔ حبیب بھائی جان کو یہ پتہ چلا کہ ہم ہوٹل میں نہیں ٹھہرے تو ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی۔ اور میں یہ نہیں چاہتا۔"

شکیلہ کا اس پہلو کی طرف دھیان ہی نہ گیا تھا۔

"انھیں ہوٹل سے ٹیلیفون کیا جا سکتا ہے ــــــ" تمثیلہ نے جواز کی ایک نئی راہ نکال کر اصرار کیا۔

"نہیں ــــــ" سہیل نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔ "میں یہ نہیں کر سکتا۔ ویسے پھر اگر کبھی موقع ملا تو آپ کے پاس ضرور ٹھہروں گا۔"

تمثیلہ نے اس کی بات پر برا سا منہ بنایا۔ ہونٹوں کو سکیڑا ٹیڑھا میڑھا کیا۔ اور کئی زاویے بدلے۔ وہ اپنی دانست میں اس ادا کو قیامت کا سامان سمجھتی تھی۔ مگر سہیل نے اس کے اس غمزے کا کوئی اثر نہ لیا۔ اور نیچے رکھا ہوا اٹیچی کیس اٹھا لیا۔
تمثیلہ جلدی سے گھومی۔

"ڈرائیور! ــــ" اس نے ڈرائیور کی طرف دیکھ کر رعونت سے کہا۔

"جی! ــــ حبیبہ بی بی ــــ" ڈرائیور فوراً چند قدم آگے بڑھ گیا۔

"یہ اٹیچی کیس اٹھا کر کار میں رکھو۔" وہ اٹیچی کیس کی طرف اشارہ کرکے بولی۔

"اس وقت تو جانے ہی دو شبیلہ" وہ گھبرا کر بولا "پھر کبھی آپ کے گھومنے دیکھوں گا"
تمثیلہ نے بے ساختہ چھوٹا سا قہقہہ لگایا۔
وہ اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ شبیلہ بھی تمثیلہ کو متحیرانہ دیکھ رہی تھی
"میں نے آپ کی بات مان لی ہے" وہ ہنس کر بولی "ڈرائیور کو اٹیچی کیس تو دیجئے۔ وہ گاڑی میں رکھے اور آپ لوگ میرے ساتھ چل کر بیٹھیں تا کہ آپ کو جلدی ہوٹل پہنچا دوں"
"اوہ!" وہ مطمئن ہو کر بولا "ٹھیک ہے"
"بھئی! بڑے شکی ہیں آپ!" وہ چلتے ہوئے اسے ترچھی نظروں سے دیکھ کر بولی۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ آسمان پر بادل امنڈ آئے تھے۔ اور تیز ہوا چلنی شروع ہو گئی تھی۔ سر بفلک پہاڑوں پر کالی گھٹاؤں کا منظر بڑا ہی کیف بار تھا۔ وہ آسمان کی طرف ایک نظر دیکھ کر مسحور سے ہو گئے اور شبیلہ کو کوہساری ہوا کی خنکی سے اپنے جسم میں کپکپی کا احساس ہوا۔ سہیل کو بھی سردی محسوس ہوئی۔ سہیل نے شبیلہ کے جسم کی سنسناہٹ کو دیکھ لیا۔ وہ ذرا سا اس کی طرف بڑھا۔
"یہاں کا موسم بدلتے دیر نہیں لگتی۔ آپ تو کوئی گرم کپڑا بھی ساتھ لے کر نہیں آئیں" سہیل نے خلوص سے کہا۔
وہ مصنوعی انداز میں چونکی۔
"اوہ اس کا مجھے خیال نہیں رہا۔" وہ اسے اپنے چوری چوری آنے کے بارے میں تو نہ بتا سکتی تھی۔
"آپ نے بھی تو کوئی گرم کپڑا نہیں پہنا ہوا ہے۔" تمثیلہ نے اس کی طرف دیکھ کر نرم لہجے میں ہمدردی جتائی۔
اٹیچی کیس میں میرے گرم کپڑے ہیں ہوٹل پہنچ کر پہن لوں گا۔ پھر وہ شبیلہ کی طرف

اور بولا۔

"مال پر پہنچ کر آپ کے لیے ایک پل اوور کی شاپنگ بھی ضروری ہو گئی۔"

وہ مسکرا کر رہ گئی۔

وہ تمثیلہ کی شیورلیٹ میں بیٹھ کر مال پر آئے انھوں نے فاروق سنز سے ایک پل اوور خریدا جسے شبیلہ نے دکان میں ہی پہن لیا اور وہ گاڑی میں بیٹھ کر ہوٹل گرینڈ آ گئے جو ایک اونچے مقام پر واقع تھا۔ ہوٹل کے منیجر نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ وہ راحیل کا دوست تھا۔ کمرہ میں پہنچ کر تمثیلہ نے وعدہ لے لیا کہ وہ پورے چھ بجے انھیں لینے آ جائے گی۔ اس نے انھیں ڈنر پر مدعو کیا تھا۔ جسے سہیل نے قبول کر لیا تھا۔ تمثیلہ کے ساتھ مل کر انھوں نے شام کی چائے پی۔ اور جب وہ چلی گئی تو وہ اپنے اپنے کمرے میں چلی گئی

شام کے چھ بجے تمثیلہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ہوٹل آگئی اور سیڑھیوں پر چڑھ کر دوسری منزل پہ پہنچی۔ اس نے سہیل کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

"آجائیے!" ۔۔۔ سہیل نے اندر سے آواز دی۔

وہ بڑی نزاکت آفریں انداز میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"کیا پروگرام بن رہے ہیں؟" ۔۔۔ اس نے شانِ دلربائی سے کہا۔

"آپ ہی نے پروگرام بنایا ہے!" ۔۔۔ وہ اس کی طرف نظریں اٹھا کر بولا۔

"دیکھ لیجیے میں وقت کی کتنی پابند ہوں" ۔۔۔ اس نے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیلا کر کہا۔ "ذرا بھی دیر نہیں ہوئی۔"

"شکریہ!" ۔۔۔ اس نے اخلاق کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ اتنی تکلیف کیوں کر رہی ہیں۔ ہم ڈنر ہوٹل میں ہی کر لیتے۔"

"اوہ! ۔۔۔ سہیل" ۔۔۔ وہ ہونٹ سکیڑ کر پیارے انداز میں

بولی ــ "آپ جیسا پڑھا لکھا انسان بھی دقیانوسی خیالات رکھتا ہے۔ ماڈرن سوسائٹی میں دعوت کو تکلیف نہیں کہا جاتا۔" پھر ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "میں اس سلوک کو کیسے فراموش کروں جو آپ نے میرے ساتھ میں لاہور میں کیا تھا۔"

"اخلاق کا تقاضا بھی تو کوئی چیز ہے۔ سلوک کیسا؟"

"تو پھر میرے اخلاق کے تقاضے بھی پورے ہونے دیجئے۔"

"ہوں بٹ ــ"

"چلیے! ــ گاڑی نیچے کھڑی ہے" پھر نہ اِدھر اُدھر دیکھ کر بولی۔

"وہ آپ کی عزیز کدھر ہیں؟"

"اپنے کمرے میں ہیں ــ" وہ مسکرایا۔ "بلا لیجیے!"

"آپ ہی بلا لیجئے۔" وہ ذرا سنجیدہ ہو کر بولا۔

"آئیے!"

وہ باہر آگئے۔ سہیل نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

"تشریف لے آئیے!" شبیلہ نے شائستگی سے آواز دی۔

وہ اندر چلے گئے۔ شبیلہ، تمثیلہ کو دیکھ کر خیر مقدم کے لیے کھڑی ہو گئی۔

"آپ تشریف رکھیے!"

"بیٹھنے کا وقت نہیں ملے گا! ــ ..." وہ کلائی پر بندھی ہوئی رسٹ واچ کی طرف دیکھ کر بولی۔

"مجھے آپ کو ساتھ لے جانا چاہتی ہیں ــ" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"آج آپ میرے ہاں ڈنر کریں گی۔" وہ مصنوعی حیرت سے بولا۔

"بھول گئیں کیا؟"

"یاد ہے ــ" وہ ایک اداس مسکراہٹ ہونٹوں پہ بکھیر کر بولی۔

"پھر آپ نے پوچھا کیوں؟"

"میرا مطلب ہے ———" وہ گڑبڑا کر بولی۔ "آپ سہیل صاحب کو لے جایئے! ———"

"آپ سہیل ——— کے ساتھ نہیں ہیں کیا؟ ———" وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

شبیلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ شرما سی گئی۔

"آپ کیا سمجھ رہی ہیں" ——— سہیل تمثیلہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"یہ چلیں گی ———"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے ———" تمثیلہ ہونٹوں کے زاویے بدل کر بیزاری سے بولی۔

"آپ کے لیے فرار کی گنجائش نہیں ہے مس شبیلہ" سہیل کا لہجہ شیریں تھا۔

"خلوص کو ٹھکرایا نہیں جاتا"

اس نے دو تین بار تمثیلہ اور سہیل کو دیکھا۔

وہ مزید انکار نہ کر سکی۔ ویسے بھی تمثیلہ کو کسی شک میں مبتلا نہ دیکھنا چاہتی تھی وہ نہیں چاہتی تھی۔ اس کی کوئی حرکت تمثیلہ کو کسی قسم کے غلط نظریات قائم کرنے میں مدد دے۔

شبیلہ اور سہیل نے اپنا کمرہ بند کیا اور نیچے اتر آئے۔ باہر گاڑی کھڑی تھی۔ آسمان پر بادل کا حجم غفیر تھا۔ اور کشمیر کے پہاڑوں پر بجلی چمک رہی تھی۔ کبھی کبھی بادل بھی گرجنے لگتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کالی کالی گھٹائیں ابھی برس پڑیں گی اور برستی چلی جائیں گی مگر وہ بھی برسی نہیں تھیں۔ ویسے بارش کا جلد ہی شدید امکان تھا۔

سہیل نے اپنے کیبن سے قیمتی سوٹ نکال کر زیب تن کر لیا تھا نیلے سوٹ میں۔

وہ بڑا اسمارٹ لگ رہا تھا۔ اس کا سرخ و سپید رنگ گلاب کے پھول کی طرح دمک رہا تھا اور آنکھوں میں پہاڑوں پر چمکنے والی بجلی جیسی چمک رہی تھی۔

شبیلہ ان ہی کپڑوں میں تھی لیکن وہ ان سادہ کپڑوں میں بھی تمثیلہ سے زیادہ رعنا اور دلکش کا حسین پیکر دکھائی دے رہی تھی۔

تمثیلہ پوری حشر سامانیوں کے ساتھ انھیں لینے آئی تھی۔ اس نے بڑے پیمانے پر میک اپ کیا تھا۔ اور سینٹ اسپرے بڑی افراط سے کیا گیا تھا۔ اس کے جسم سے خوشبو ہی خوشبو اڑ رہی تھی۔ پالش زدہ انگلیاں بار بار حرکت کرتی تھیں۔ گورے گورے ہاتھ بار بار فضا میں لہراتے تھے جسم مستانہ لچک کھاتا تھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی سج دھج میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

تمثیلہ نے نیچے اترتے اترتے ہونٹوں کے کئی زاویے بدلے اور ایسے انداز اختیار کیے تھے جن سے سہیل اس کی طرف متوجہ ہو۔ مگر وہ اس کی طرف ذرا بھی مائل نہ دکھائی دیتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے ہی خیالوں میں کھویا ہوا ہو اور — شبیلہ سب کچھ دیکھ رہی تھی محسوس کر رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ تھی۔ اور یوں ظاہر کر رہی تھی جیسے اسے ان باتوں کی مطلق — پرواہ نہیں ہے۔ وہ بے نیاز سی بیٹھی تھی۔

اس کا دل پرسکون تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سہیل تمثیلہ سے ذرا سی بھی دلچسپی ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ اس کے چہرے سے یوں لگتا تھا۔ جیسے وہ مجبوراً اس کے ساتھ جا رہا تھا۔ اخلاق کے تقاضے پر یا کسی کا دل نہ توڑنے کے خیال پر عمل پیرا ہو کر۔

وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے، گاڑی کے نزدیک پہنچ کر وہ رک گئی — یکایک ایک جنبش لے کر تمثیلہ نے سہیل کا بازو پکڑا اور ایک ہاتھ سے دروازہ کھولا۔ "بیٹھئے! میرے ساتھ! ——" وہ پیار بھرے لہجے میں بولی۔ شبیلہ کا

دھک دھک کرنے لگا۔ اور اُسے تمثیلہ کی یہ حرکت بہت بری معلوم ہوئی۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ اس کے حق پر ڈاکہ ڈالنے لگی ہو۔ اس جذبے سے اس کے دل پر ٹھیس لگی اور اُسے صدمے اور رنج کا شدید احساس ہوا۔

پھر وہ خود ہی اپنے اس تاثر پر حیرت کا اظہار کرنے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس کے جذبات اس نہج پر کیوں پہنچے اگر تمثیلہ ایسا کرتی ہے تو کیسے۔ اُسے سہیل سے کیا سروکار، وہ اُس کی کیا لگتی ہے۔ ایک ملازمہ کو ایسے احساسات سے دور رہنا چاہئیے۔ ایسا تصور کرنا بھی اس کے لیے رنج و غم کا باعث بن سکتا ہے۔ وہ ایک غریب لڑکی ہے اور وہ رئیس زادہ۔ آگ اور پانی کا ملاپ نہیں ہو سکتا، اور وہ کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ ان کے درمیان چاندی کی دیوار حائل ہے اور وہ اس دیوار کو نہیں پھلانگ سکتی اور نہ اسے یہ کوشش ہی کرنی چاہئیے مبادا وہ اس دیوار سے ٹکرا کر جان دیدے۔ وہ کبھی ایسا نہ کریگی۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔

دل کو سمجھانے کی کوشش کی مگر دل تھا کہ مانتا ہی نہ تھا۔ وہ تمثیلہ کی سہیل سے بے تکلفی کو کسی طرح گوارا کرنے کو تیار نہ تھی۔ اُسے تمثیلہ کی ہر حرکت پر شدید تلخی کا احساس ہوتا تھا۔ مگر وہ بھی کیا کر سکتی تھی۔ مجبور جو تھی۔ اب اسے تلخ احساسات کا زہر پینا ہی تھا۔ اور وہ پی رہی تھی۔ ناوابستہ نہ رکھنے کے باوجود سب کچھ برداشت کیے جارہی تھی۔

اسے اس خیال سے بھی وحشت ہوتی تھی کہ سہیل اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھے اور اسے اس بات سے بھی رنج پہنچ رہا تھا کہ سہیل تمثیلہ کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ وہ بڑی اُلجھن، تذبذب، گومگو اور شش و پنج میں پھنس گئی تھی۔ اس کے چہرے پر کشمکش اور پریشانی کے آثار تھے۔ اس نے سب کچھ برداشت کیا اور صبر کا گھونٹ پی کر رہ گئی وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ تمثیلہ اور سہیل فرنٹ سیٹ پر بیٹھے تھے۔ لیا یک تمثیلہ گھومی۔

"آپ کچھ خاموش خاموش سی دکھائی دے رہی ہیں ؟" وہ معنی خیز انداز میں بولی۔
اسے یوں لگا جیسے تمثیلہ نے یہ بات کہہ کر اُسے جھنجھوڑ دیا ہو۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اور اس نے اس کے میک اپ زدہ چہرے کی طرف بغور دیکھا۔
"زندگی کے بعض مقامات ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں پہنچ کر انسان کو خاموش ہی رہنا پڑتا ہے۔" وہ فلسفیانہ انداز میں بولی۔
اس کے اس جواب سے تمثیلہ کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔
"تو آپ ایسے مقام پہنچ گئی ہیں ؟" اس کے لہجے میں چوٹ تھی۔
شبیلہ خاموش رہی۔ اس نے تمثیلہ کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ تمثیلہ اس کی طرف حیران حیران سی دیکھ رہی تھی۔
"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"
"ہر انسان کو کسی نہ کسی مقام پر پہنچنا ہی پڑتا ہے۔ شبیلہ کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔ اب آپ خود ہی محسوس کیجئے کہ جس مقام پر آپ اچانک پہنچ گئی ہیں وہاں پہنچنے کا آپ کو یقین تھا۔ حالات انسان کو کوئی تو مقام دیتے ہی ہیں"
اس طنز نے تمثیلہ کا رنگ اڑا دیا۔ اور وہ خاموشی سے گھوم گئی۔ سہیل نے بھی پلٹ کر اسے غور سے دیکھا۔ شبیلہ نے بھی اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اُسے یوں لگا جیسے سہیل کی نگاہیں کہہ رہی ہوں۔ میری طرف سے تمثیلہ کو کوئی مقام نہیں ملا ہے۔ تم نے میرے متعلق غلط اندازہ لگایا ہے۔ ان نظروں سے اس کے دل میں طمانیت کی ایک لہر دوڑ گئی اور اس کے ہونٹوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ رقص کرنے لگی جسے تمثیلہ نے آئینہ میں دیکھا۔ اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ اس نے اسی لمحے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے آگے بڑھا لے گئی۔
کار آگے بڑھتی چلی اور وہ بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ یکایک تمثیلہ نے کار ماں سے

نیچے ایک گھاٹی میں اتار دی۔ وہاں رش بالکل نہ تھا۔ اس نے اسپیڈ بڑھانی شروع کردی اور کار گھاٹی نما سڑک پر بھاگنے لگی کبھی موڑ آ جاتے کبھی سڑکیں بدلیں۔ آخر کار تمثیلہ نے شیورلیٹ ایک بڑی خوشنما کوٹھی کے گیٹ میں داخل کی۔ اور گاڑی چمن سے گزر کر پورٹیکو میں آکر رک گئی۔ چھوٹے سے چمن میں بے شمار پہاڑی پھول کھلے ہوئے تھے۔ جن کے رنگ برنگے چہرے بڑے خوشنما انداز میں ہوا کے جھونکوں کی چھیڑ چھاڑ سے سر ہلا رہے تھے۔ بہت ہی دلکش منظر تھا۔ کوٹھی جدید سامان آرائش سے آراستہ تھی اسے دیکھ کر راحت اور طمانیت کا احساس ہوتا تھا۔

تمثیلہ کار سے نیچے اتری اور دروازہ کھول کر سہیل سے مخاطب ہوئی۔

"آئیے! ——" پھر اس نے شبیلہ کی طرف نظریں گھمائیں۔

"آپ بھی اتر آئیے! ——"

"اتر رہی ہوں ——" وہ مسکرا کر بولی ——" اب کار میں تو بیٹھی ہی نہ رہوں گی؟"

اس کی مسکراہٹ اور جواب سے تمثیلہ جل بھن گئی مگر چہرے پر کسی قسم کی تلخی کے تاثرات نہ پھیلنے دیئے۔ اس کے برعکس شبیلہ خوش خوش دکھائی دے رہی تھی۔ تمثیلہ کی پریشانی اور الجھن سے اسے فرحت و انبساط کا احساس ہو رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی ہر حرکت سے احساس مسرت ٹپکا پڑتا تھا جسے محسوس کر کے تمثیلہ بے قرار و بے چین ہوتی جا رہی تھی ——

ایک بوڑھا ان کی طرف لپکا۔

"چھوٹی بی بی —— آپ آگئیں —— " وہ شفقت بھرے لہجے میں مودبانہ بولا۔

"ہاں امین بابا ——" اس نے جواب دیا۔

"بڑی بیگم آپ کی طرف سے بڑی پریشان تھیں!" ——— "وہ محبت سے بولا۔

"کیوں!" ——— تمثیلہ کی پیشانی پر حیرت کی سلوٹیں بکھر گئیں۔

"موسم اچانک بدل گیا ہے۔" وہ سپیر خلا میں آسمان کی طرف دیکھ کر بولا۔

"خیال ہے زبردست طوفان آئے گا۔"

"یہاں تو روز ہی طوفان آتے ہیں بابا۔ پھر گھبرانا کیسا۔" یہ کہہ کر اس نے شبیلہ کی طرف دیکھا اور شبیلہ نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ، عزم اور وقار پھیلا لیا۔ اور ہونٹوں پر بے پرواہ سی مسکراہٹ بسا لی۔ تمثیلہ نے امّی سے تعارف کروایا۔

شبیلہ اور سہیل نے مناسب انداز میں انھیں آداب کہا جسے انھوں نے خندہ پیشانی سے قبول کیا۔

"تمثیلہ نے تمہارا غائبانہ تعارف کرادیا تھا۔ انھوں نے سہیل سے مخاطب ہو کر کہا:" تمثیلہ جب ڈی بیٹ میں حصہ لے کر لاہور سے لوٹی تھی تو تمہارے حسنِ سلوک سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ تمہاری بہت تعریفیں کرتی تھی۔"

"ان کی مہربانی ہے۔ وہ ادب و اخلاق کو ملحوظ رکھ کر بولا۔" ورنہ میں تو خود کو کسی قابل نہیں سمجھتا۔"

"آپ کو قابل بنادیا جائے گا۔" تمثیلہ نے ادا سے کہا۔ اور شبیلہ کو یوں لگا جیسے اس کے دل پر کسی نے بھاری پتھر رکھ دیا ہو۔ اس کی تمام لاپرواہی رخصت ہوگئی اور اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ چہرے پر اضطراب پھیل گیا۔ خوشی میں ڈوبا ہوا چہرہ افسردہ ہوگیا۔ دل کا سکون اور طمانیت یکایک غائب ہوگئی۔ وہ تو اپنی دانست میں تمثیلہ کو شکست دے بیٹھی تھی۔ مگر تمثیلہ کی اچانک اس تبدیلی نے اسے گھبرا دیا۔ تمثیلہ کے دل میں ابھرنے والے عزم نے اسے پھر سے مضطرب سا کر دیا۔ اس کے

حوصلے کی دیوار میں دراڑ پیدا کردی۔

وہ چلتے ہوئے ایک گیلری سے گزرے اور پھر ایک لاؤنج پار کر کے ڈرائنگ روم میں آگئے۔

ان کے چہرے پر خوشی اور ہونٹوں پر ایک دلنشین مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس عورت کا لباس بھی تمثیلہ کی طرح نیم عریاں تھا۔ اس عمر میں یہ لباس مضحکہ خیز سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا چہرہ بھی میک اپ میں رنگا ہوا تھا۔ وہ بھرے بھرے جسم والی درمیانہ قد کی عورت تھی۔ گورا چٹا رنگ روپ جو کبھی خاصا پرکشش رہا ہوگا اب راکھ میں دبی ہوئی چنگاری کی طرح ہو کر رہ گیا تھا۔ چنگاری جسے مغربی تہذیب کے سہارے شعلہ بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔

اپنی بیٹی کی طرف محبت پاش نظروں سے دیکھ کر بولی —— "بڑی دیر کردی تم نے؟"

"دیر تو کچھ بھی نہیں ہوئی ممی! —— وہ پیار سے اپنی ممی کو لپٹ کر بولی پھر اس نے ان سے علیحدہ ہو کر رخ موڑا۔ اور سہیل اور شبیلہ کی طرف ایک نظر دیکھا ——"

"تمثیلہ کی ممی نے شبیلہ کی آمد سے کسی طرح کی خوشی محسوس نہ کی تھی۔ ان کے سرد اور خشک سلوک نے اسے اور بے تاب کر دیا تھا۔ وہ یہاں آکر اپنی تضحیک محسوس کر رہی تھی۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا تھا۔ وہ اپنے آپ پر جھنجلانے لگی تھی۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے یہاں آنے کی غلطی کیوں کی۔

"یہ لڑکی کون ہے سہیل؟"

تمثیلہ کی ممی نے شبیلہ کی طرف بے پرواہی سے اشارہ کیا۔

"یہ میری عزیز ہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ شبیلہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اسے

انتہائی کوفت اور ندامت کا احساس ہو رہا تھا جو اسے پریشان کر رہا تھا۔

"کس قسم کی عزیز ہیں؟" ——— وہ دھیمے لہجے میں بولیں۔ "میرا مطلب ہے کیا رشتہ ہے؟"

وہ چند ثانیے خاموش رہا۔ اس کی نگاہیں تمثیلہ کی طرف اٹھیں جس کے چہرے پر کشمکش کے آثار تھے۔ پھر اس نے شبیلہ کو دیکھا۔ جو محجوب و پریشان کھڑی تھی۔ آخر کار اس کی نگاہیں تمثیلہ کی ممی کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"میرے انکل کی لڑکی ہیں۔" وہ بڑے ادب سے بولا۔

"ہوں ——" پھر وہ اس طرح چونکیں جیسے انھیں کچھ یاد آ گیا ہو۔"

"تم لوگ کھڑے کیوں ہو، بیٹھو نا۔"

وہ سب قیمتی صوفوں پر بیٹھ گئے۔ شبیلہ بیٹھنے کو تو بیٹھ گئی تھی۔ مگر اُسے نرم نرم صوفہ کیلوں کی طرح لگ رہا تھا۔ جو اس کے جسم میں اترتی چلی جا رہی تھیں اور اس کی روح میں ہر ساعت نیا زخم بنا رہی تھیں۔

"آپ کچھ کھوئی کھوئی سی لگ رہی ہیں۔" تمثیلہ اس کی حالت سے لطف لے کر بولی۔ اس نے نظریں اٹھا کر اس کے مسرور چہرے کو گہری نظروں سے دیکھا۔

"کنفیوشس کا مقولہ ہے انسان کو اپنے آپ میں گم رہنا چاہیئے۔" اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"خوب! آپ کا مطالعہ خاصا معلوم ہوتا ہے۔" تمثیلہ نے اپنی دانست میں طنز کیا۔ مگر شبیلہ کی سنجیدگی اتنی بڑھ چکی تھی۔ کہ اس نے طنز کا ذرا بھی تاثر نہ لیا۔

"مطالعے کے بغیر یوں لگتا ہے۔ جیسے انسان تاریکیوں میں زندگی گزار رہا ہے۔" وہ گہری آواز میں بولی۔

"تو آپ روشنیوں کے بیچ زندگی گزار رہی ہیں۔" تمثیلہ نے پھر طنز کیا۔

"اگر آپ کی نظر میں میرا مطالعہ خاصا ہے۔ تو یوں ہی سمجھ لیجیے۔ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ہوں" تمثیلہ صوفے پر پہلو بدل کر بولی۔

پھر ایک گہرا سکوت کمرے میں پھیل گیا۔

"چھوٹی بی بی" نوکر کمرے میں آ کر مودبانہ بولا۔ "آپ کے دوست آئے ہیں۔"

"انھیں اندر بھیج دو۔"

چند لمحوں بعد تین نوجوان کمرے میں داخل ہوئے وہ ان کے استقبال کے لیے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ہیلو! میجر فیاض۔"

"ہیلو! کیپٹن رشید۔"

"ہیلو لیفٹیننٹ اشتیاق۔"

تمثیلہ نے باری باری ان کے نام پکارے۔

"ہیلو مس تمثیلہ۔ وہ ایک زبان ہو کر بولے۔ پھر چند ثانیوں میں سب کا تعارف ہو گیا۔ شبیلہ ان کی آمد سے گھبرا سی گئی تھی۔ وہ ایسے ماحول کی عادی نہیں تھی اس لیے اس کا گھبرانا ایک فطری امر تھا۔ سہیل نے بھی ان کی آمد کو برا محسوس کیا تھا۔ اور وہ چہرے سے کبیدہ خاطر دکھائی دے رہا تھا۔ تمثیلہ اپنے نئے مہمانوں سے باتوں میں مشغول تھی۔ اس لیے وہ سہیل اور شبیلہ کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو نہ دیکھ سکی تھی۔

جب رات کا اندھیرا اچھی طرح پھیل گیا اور بتیاں روشن ہو گئیں تو انہوں نے شاندار ڈرائنگ روم میں جا کر ڈنر کیا۔

خوشبودار کافی پینے کے بعد ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ تمثیلہ کے دوستوں نے

شنیلہ سے بات کرنے کی بہت کوشش کی مگر اس نے انھیں ذرا بھی لفٹ نہ دی اور وہ کھسیانا سا منہ بنا کر رہ گئے۔ ماحول کچھ افسردہ اور سنجیدہ رہا۔ جھجک اور ہچکچاہٹ کی خلیج سی پھیلی رہی جیسے بے تکلف دوست بھی نہ پاٹ سکے کیونکہ سہیل اور شنیلہ نے ان کا راستہ نہیں دیا تھا۔

ادھر ادھر کی رسمی باتوں کے بعد تمثیلہ کے دوست اچلے گئے اور شنیلہ نے اطمینان کا سانس لیا۔

"آپ نے دوستوں میں کوئی لڑکی نہیں ہے کیا؟" شنیلہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "مجھے لڑکیوں کی دوستی سے کچھ وحشت سی ہوتی ہے ——" پھر اس نے اپنی ممی کی طرف دیکھا۔ "ممی کے دوست بھی زیادہ تر مرد ہی ہیں۔"

"بڑی آزاد خیال ہیں آپ" اس نے پھر طنز کیا "میرا خیال ہے آپ کو ڈانس بھی بہت اچھا آتا ہوگا۔"

"رمبا، سمبا، چا چا چا۔ ٹوسٹ، فوکس ٹراٹ، راک اینڈ رول سبھی انگلش ناچ آتے ہیں مجھے" وہ اس کے طنز سے ذرا متاثر نہ ہوئی تھی اور کہے جا رہی تھی۔ "ممی اور میں باقاعدہ کلب جاتی ہیں۔ اور ہر روز ڈانس کرتی ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی ہے آپ کے خیالات سے آگاہ ہو کر" اس نے زہرخند کیا۔ "زندگی کو زندہ دلی سمجھ کر گزار رہی ہیں۔"

"نئی تہذیب زندہ دلی کا دوسرا نام ہے۔" تمثیلہ مسکرائی۔ "آپ بھی اس تہذیب کو زندگی کا شعار بنا لیجیے۔ لطف آ جائے گا۔"

"جہاں میں ہوں —— خوش ہوں —— جو مزا مجھے ملتا ہے۔ وہی زندگی کا صحیح مزا ہے" شبلیہ کا لہجہ تلخ ہو گیا "آپ مزے کیے جائیں ——۔ مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ ——" پھر شنیلہ نے سہیل کی طرف دیکھا "آپ

بھی مس تمثیلہ سے زندگی کا مفہوم سمجھ لیجئے۔"

وہ اس طنز سے چونکا اور نادم سا ہو گیا۔ خفت سے کا رنگ اس کے چہرے کو کانوں تک سرخ کر گیا۔ اُسے یوں لگا جیسے شبیلہ نے اس پر طنز ہی نہیں کیا بلکہ اس کے سینہ میں خنجر گھونپ دیا ہو۔ وہ یکایک اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بہت دیر ہو گئی ہے۔ اب ہمیں جانا چاہیئے۔"

"کچھ دیر تو اور رک جائیے۔" تمثیلہ شیریں لہجے میں بولی۔

"نہیں۔ صبح ہمیں بہت ضروری کام ہے۔ جلدی اٹھنا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ وہاں سے جلد سے جلد نکل جانا چاہتا تھا۔ جہاں شرافت جیسے نام کی کوئی چیز اسے نظر نہ آئی تھی۔ اس ماحول نے اسے بیزار کر دیا تھا۔ وہ پریشان اور کبیدہ خاطر ہو گیا تھا۔ اس پر ایک وحشت اور گھبراہٹ سی طاری ہو گئی تھی۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ شبیلہ کو یہاں لاکر اپنی نظروں میں خود ہی گر گیا ہے۔ شبیلہ کے طنز سے اس نے گہری ندامت محسوس کی تھی۔ شبیلہ کو اسے اس جگہ لانا نہ چاہیئے تھا۔ اگر اسے ایسے ماحول کا ذرا بھی احساس ہوتا۔ تو واقعی وہ کبھی شبیلہ کو اس جگہ نہ لاتا۔

"تو آپ جانے پہ بضد ہیں۔" تمثیلہ اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔

"جی ہاں۔"

"تو پھر چلیے میں آپ کو چھوڑ کر آتی ہوں ـــــ" وہ اپنے لہجے میں اکتاہٹ کو کم کر کے پیار سے بولی۔

"آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں۔ ڈرائیور سے کہیئے چھوڑ آئے گا۔" وہ اس کے ساتھ جاتے ہوئے گھبراہٹ سی محسوس کرنے لگا تھا۔

"میرے ساتھ جاتے ہوئے آپ کو کیا تکلف ہے؟"

"نہیں ـــــ نہیں تکلف تو نہیں۔"

"کچھ تو ہے آخر۔ جو آپ کو ڈرائیور یاد آیا ہے!"

"نہیں مس تمثیلہ ـــــ میں نے تو آپ کی تکلیف کے خیال سے کہا ہے۔"

"میری یا اپنی عزیزہ کی تکلیف کے خیال سے!"

"یعنی ـــــ سہیل چونک کر بولا۔

"یہی کہ شاید وہ میرے ساتھ آپ کی ہم نشینی پسند نہ کریں۔"

"جی نہیں ـــــ مجھے ایسا کوئی غم نہیں ـــــ" شبیلہ نے ٹھہر ٹھہر کر پر اعتماد لہجہ میں کہا۔

اور وہ نفرت سے منہ سکیڑ کر رہ گئی ـــــ اور اس کی حالت اس مجرم کی سی تھی جسے الزام بتائے بغیر سزا سنا دی گئی ہو۔

"تو پھر چلئے ـــــ" سہیل بالآخر بولا۔

شبیلہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

انھوں نے مناسب الفاظ میں شبیلہ کی ممی سے اجازت لی۔ اور ڈرائنگ روم سے باہر آ گئے۔ وہ اپنے اپنے خیالوں میں گم چلتے ہوئے پورٹیکو میں آئے تمثیلہ نے پھر ضد کر کے سہیل کو اپنے ساتھ والی سیٹ پر بٹھایا۔ جب شبیلہ پچھلی سیٹ پر آرام سے بیٹھ گئی تو اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ تمثیلہ کی کوٹھی سنی بنک کے علاقے میں واقع تھی۔ وہاں سے گرینڈ ہوٹل کا فاصلہ تین میل تھا۔

وہ جلد ہی گرینڈ ہوٹل پہنچ گئے۔ اور اس نے انھیں ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں اتار دیا۔

"شکریہ ـــــ" سہیل نے اخلاقاً کہا۔

"شکریہ کی کیا بات ہے۔" وہ موسیقی نواز غمزے میں بولی۔
"میں تو سوچتی ہوں جیسے میں آپ کے لیے کچھ بھی نہ کرسکی۔"
"کھانا کھلا دیا۔ پھر ہوٹل پہنچا دیا۔" وہ اخلاق آمیز طنز سے بولا۔
"ابھی آپ نے کچھ کیا ہی نہیں۔"

سہیل اپنے دروازہ کے قریب پہنچ کر یکایک پلٹا۔ اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا شبیلہ کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ شبیلہ قدموں کی آہٹ سے چونکی اور پلٹ کر دیکھا اس کے چہرے پر حیرت اور ہلکی سی دہشت کے آثار تھے۔

"آپ! ـــــ" وہ لہجے کی لرزش کو قابو کرتے ہوئے بولی۔ "میرے کمرے میں؟"

وہ یہ کہہ کر اپنی بات کا ردِ عمل اس کے چہرے پر دیکھنے لگی۔ مگر اُسے سہیل کے چہرے پر کسی قسم کی گھبراہٹ دکھائی نہ دی۔ وہ ہونٹوں پر ایک حسین مسکراہٹ لہرائے کھڑا تھا۔

"جی ہاں! میں آپ کے کمرے میں" وہ بے پروائی سے بولا۔ شبیلہ نے اس کی شوخی کو کھٹکتی نظروں سے دیکھا

رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ اس وقت آپ میرے کمرے میں کیا لینے آئے ہیں۔ وہ ہلکی سی گھبراہٹ کے تحت بولی۔

"میں کچھ لینے نہیں آیا ہوں" وہ یکایک سنجیدہ ہوگیا۔ اس نے اپنی ابھرتی ہوئی

فطری شوخی کو فوراً دبا لیا کیونکہ اسے یاد آگیا تھا. کہ وہ اپنی شرارتوں کو چھوڑنے کا اس سے وعدہ کر چکا ہے۔

"تو پھر ـــــ" وہ حیرت اور پریشانی سے بولی

"پھر یہ کہ آپ کے پاس کوئی سلیپنگ ڈریس نہیں ہے" وہ مطمئن لہجے میں بولا۔ "رات کو آپ سوئیں گی تو اس ساڑھی کا ستیاناس ہو جائے گا" اس نے اس کی ساڑھی پر نظریں جما دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میرا سلیپنگ سوٹ لے سکتی ہیں. میرے اٹیچی کیس میں دو سوٹ ہیں"

وہ خاموش ہو گیا۔

شبیلہ کا چہرہ شرم و حیا کی وجہ سے سرخ ہو چکا تھا. وہ لجا گئی. اسے شرم و حیا کا شدید احساس تھا. اس کا سر خود بخود جھک گیا اس کی نظریں اٹھ نہیں رہی تھیں. اس کے اس انداز پر سہیل کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا. اس کا یہ انداز محشر بداماں تھا. فتنہ انگیز تھا. شبیلا تھا اور وہ نشہ و سرور میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا ـــــ

"مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے ـــ" اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ اور لہجہ متین تھا: "میں اس طرح سونے کی عادی ہوں. میری ساڑھی کو کچھ نہیں ہوگا. آپ تشریف لے جائیے مجھے نیند آ رہی ہے"

اس کے ان الفاظ سے اسے دکھ سا پہنچا۔ اور اس نے کربناک انداز میں اس کے سراپا پر ایک گہری نظر ڈالی۔ ایک گہرا سانس لیا اس کے چہرے پر ہلکی سی حزن و ملال کی لہر چھا گئی

"آپ میری روح کی گہرائیوں میں کبھی نہ جھانک سکیں گی شاید!" اس نے اتنا کہا اور تیزی سے پلٹا. پھر اس کے قدم اپنے کمرے میں آ کر رک گئے. اس نے سوچا تھا فولاد ذرا نرمی کھائی دیا تو وہ اپنے مچلتے ہوئے جذبات کی ضرب سے اسے اور نرم کرنے کی کوشش کرے گا. مگر فولاد کی سختی تو اپنی جگہ برقرار تھی۔

سلیپنگ سوٹ پہنا، بستر پر دراز ہو کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن بہت سی بے چین کروٹیں بدلنے کے بعد بھی اسے نیند نہ آسکی۔ اس کے سینے میں آگ دہک رہی تھی۔ اور دل میں بے کلی اور بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ خیالات کی گرہیں ٹوٹتی جا رہی تھیں۔

سامنے کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ پہاڑوں پر بار بار بجلی چمک رہی تھی جس سے درخت اور پہاڑ نمایاں ہو جاتے تھے۔ اور ایک دل کش منظر ابھر آتا تھا۔ اس کے دل میں درد بھرا ہوا تھا۔ اسے قدرت کی یہ دلکشی اس وقت بڑی محسوس ہوئی۔ اور اس نے اٹھ کر جلدی سے کھڑکی بند کر دی۔

وہ پھر پلنگ پر آکر لیٹ گیا۔ دفعتاً باہر فضا میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ ہوا انتہائی تیز ہو گئی تھی۔ بادو باراں کا شدید طوفان آگیا تھا۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک میں اضافہ ہو گیا تھا۔ کوہساری فضا وحشت انگیز انداز میں چیخنے لگی تھی۔۔۔۔۔ مگر اس کے دل سے ابھرتی ہوئی آواز کو بڑے سے بڑا طوفان بھی نہ دبا سکتا تھا۔ اسے اپنے دل کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ شبیلہ تم سے کتراتی ہے، خوف کھاتی ہے شاید وہ زندگی کے کسی موڑ پر بھی تمہاری نہ بن سکے۔ شاید تمہارے ذہن میں جھلملاتے ہوئے رنگین تصورات حقیقت کا جامہ نہ پہن سکیں۔ تمہاری محبت اظہار سے پہلے ہی شاید موت کی وادیوں میں سو جائے، اور تم تمام زندگی کف افسوس ملنے کے لیے تنہا رہ جاؤ۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔ میں اپنی۔۔ محبت کی شمع اس کے دل میں فروزاں کر کے ہی رہوں گا۔ میں اس سے الگ نہیں رہ سکتا۔ اور نہ وہ مجھ سے جدا رہ سکتی ہے۔

وہ اپنے دل میں ابھرتے ہوئے اسی عزم کو تقویت پہنچانے کے لیے نئی راہیں سوچنے لگا۔ وقت گزرتا رہا۔

رات گزر رہی تھی۔

تیز ہوا کی رفتار کے مطابق اس کے خیالات بھی رواں دواں تھے۔۔۔
پھر جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ سپنوں کی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔
صبح جب وہ بیدار ہوا تو کمرے میں سورج کی سنہری سنہری کرنیں شیشوں سے چھن کر آتی ہوئی دیواروں پر آڑے ترچھے طلائی نقوش بنا رہی تھی۔ اور ان کے بیچ لہراتے ہوئے ننھے منے ذرات بڑے پیارے لگ رہے تھے۔
وہ کمرے میں دھوپ کی کرنیں دیکھ کر جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ اور باتھ روم میں جاکر جلدی سے منہ ہاتھ دھویا۔ اس کے بعد اس نے کپڑے تبدیل کیے اور تیار ہو کر باہر نکلا۔ گو وہ تمام رات سو نہ سکا تھا۔ پھر بھی چند گھنٹوں کی نیند نے اسے کافی ہشاش بشاش بنا دیا تھا۔ اور اس کے چہرے پر کسی طرح کی کشمکش اور تردد کے آثار نہ تھے۔
وہ شبیلہ کے کمرے کے دروازے پر آکر رک گیا۔ اور آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔
"کون؟" اندر سے میٹھی سی آواز آئی۔
"سہیل!" اس نے خوشگوار لہجے میں مختصراً کہا۔ "کیا آپ تیار ہو چکی ہیں؟"
"میں تیار ہوں! آجائیے۔"
وہ دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ شبیلہ نے منہ دھونے کے بعد باتھ روم سے باہر آکر دروازہ کا شسٹر اتار دیا تھا۔ اور بال سنوارنے لگی تھی۔
جوں ہی سہیل کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ برش ڈریش پر رکھ کر سنگھار میز کے آئینے کی طرف سے گھومی اور اس کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔
"معلوم ہوتا ہے رات آپ آرام سے سوئی ہیں۔" وہ اپنے لہجے کو شیریں بنا کر بولا۔
"کیا آپ آرام سے نہیں سو سکے؟" وہ دبی دبی مسکراہٹ ہونٹوں پر لاکر بولی۔ وہ اس

اس انداز سے مسرور ہو گیا۔ اور اسے گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔ خلاف توقع شبیلہ کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ وہ مسکرایا۔

"اگر آرام سے نہ بھی سو سکا ہوں تو آپ کو اس سے کیا؟"

"کیا ایک ہمسفر ہونے کی حیثیت سے مجھے یہ پوچھنے کا حق نہیں پہنچتا؟" اس نے نظریں اٹھائیں۔ "آپ نے بھی تو ابھی ابھی ہمسفر کی حیثیت سے ہی میرے سونے کے متعلق پوچھا تھا۔"

"ایک کو دوسرے ہمسفر کا خیال رکھنا ہی چاہیئے۔" پھر وہ ذرا رکا اور حوصلہ کر کے بولا۔ "مگر مجھے تو اس سفر میں یوں لگا ہے جیسے ہمسفر مجھ سے دور دور رہنا چاہتا ہو۔ جیسے میں کوئی بلا ہوں۔" اس نے آخری جملہ ایسے مذاحیہ انداز میں کہا کہ وہ بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑی

"یہ آپ کا وہم ہے۔" وہ شیریں لہجے میں بولی۔ اگر میرے دل میں ایسے خدشات ہوتے تو میں آپ کے ساتھ سفر ہی نہ کرتی۔ آپ کے ساتھ تنہا یوں مری نہ چلی آتی۔" پھر وہ یکایک سنجیدہ ہو گئی۔ "میں اس حد تک ہی قریب رہنے کو پسند کرتی ہوں جس حد تک کہ شرافت اجازت دے ــــــ"

"ہوں ــــ" سہیل نے اتنا کہا اور خاموش ہو گیا۔ اس نے اس کے اظہارِ خیالات کو اپنی سنجیدگی سے پھر سلا دیا تھا۔ اور وہ شبیلہ کے چہرے پہ یکایک پھیلی ہوئی سنجیدگی کو دیکھ کر پھر کچھ کہنے کی جسارت نہ کر سکا تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ اور اسے چند لمحے گہری گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔

"چلیے! ناشتہ کرلیں۔ پھر کام کے لیے بھی جانا ہے۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ شبیلہ نے کنکھیوں سے اس کے چہرے پر اچانک پھیل جانے والی افسردگی کو دیکھا۔ اس سے اسے دھیمے سے تعلق کا احساس ہوا۔ مگر اس نے اس احساس کو جلد ہی دبا دیا۔

شبیلہ
سہیل
کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی ہوٹل میں آگئی۔ وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھتے ہی بیرہ آگیا۔ سہیل نے اسے ناشتہ لانے کو کہا۔ ہال میں زیادہ رونق نہیں تھی۔ شاید پہاڑوں پر آکر سکون ڈھونڈھنے والے ابھی بیدار نہ ہوئے تھے۔ انھیں اٹھنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ وہ تو وہاں سیر و تفریح کے لیے آئے تھے۔ اس زمانے کا انسان کتنا آرام طلب اور عیش پرست ہو گیا ہے۔ دولت کی فراوانی نے انسان سے محنت چھین کر اسے سست اور کاہل بنا دیا ہے۔ اس کی رگ رگ میں بے حسی اور آرام طلبی کی لہر دوڑا دی ہے۔ شبیلہ غالباً سنجیدگی سے یہی سوچ رہی ہے۔

بیرہ آگیا اور ناشتہ میز پر لگا کر چلا گیا۔ وہ خاموشی کے عالم میں ناشتہ کرنے لگے۔ جیسے ہی وہ ناشتہ سے فارغ ہوئے تمثیلہ آوارد ہوئی۔ اس کی آمد کو دونوں نے بیزاری سے قبول کیا۔ مگر رسمی آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے انہوں نے کسی طرح کی ناگواری کا اظہار نہ ہونے دیا۔

"آئیے! ــــــ" سہیل کرسی کی طرف اشارہ کرکے بولا۔ "چائے پیجئے گا؟"

"نہیں ــــــ" وہ چہکی۔ "میں ناشتہ کرکے آئی ہوں۔ حیرت ہے آپ لوگ اتنی صبح اپنے کمرے سے نکل آئے۔ میں آپ لوگوں کو اوپر ڈھونڈ کر ہال میں آئی ہوں۔"

"آپ ابھی صبح کہہ رہی ہیں۔ گھڑی کی طرف دھیان دیجئے۔" وہ بولا۔

"نو بج رہے ہیں اور گرمیوں میں تو کافی دن چڑھے بجتے ہیں۔"

تمثیلہ شبیلہ کو نظر انداز کئے اس سے باتیں کئے جا رہی تھی۔

"اب آپ کہاں جائیں گے۔" تمثیلہ موضوع بدل کر بولی۔
"انہیں،" اس نے شبیلہ کی طرف اشارہ کیا۔ "سامنی سینی ٹوریم میں ایک شخص سے ملِ کر فیکٹری کی خرید کے سلسلے میں بات کرنی ہے۔ وہیں جا رہے ہیں۔"
"تو پھر چلیے!" ــــــ وہ جلدی سے بولی۔ "میری گاڑی حاضر ہے ــــــ"
"اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے انکساری سے کہا۔ "ہم ٹیکسی میں چلے جائیں گے۔"

"پھر وہی جی جلانے کی باتیں۔" وہ ہونٹوں کے کئی زاویے بدل کر بولی۔
"اب چلیے بھی نا!" اس نے بڑی ہی بے تکلفی سے سہیل کے بازو تھام کر اسے باہر کی طرف کھینچا۔ اس کے اس انداز سے شبیلہ کے چہرے پر ناگواری کی لکیریں ابھر آئیں۔ اور اس کے چہرے سے نفرت جھلکنے لگی تھی۔ سہیل نے اس کی طرف نظر دوڑائی۔ خود اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے وہ پھنس گیا ہو۔ اور مجبوری میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے تمثیلہ نے بھی اس کی طرف دیکھا مگر ایسی نظروں سے جس میں فاتحانہ چمک تھی۔ اس کا چہرہ مسرت میں ڈوبا ہوا تھا مگر اس نے اس کے اس انداز کا کوئی تاثر نہ لیا۔ وہ اپنے مقام پر بالکل سنجیدہ تھی۔

دن روشن اور چمکیلا تھا۔ سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ ناشپاتی سیب اور خوبانی کے درخت پھلوں سے لدے ہوئے کوہساری ہوا سے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ چیڑھ کے درختوں کے جھومر دلہنوں کی پیشانی پر جگمگاتے ہوئے جھومر کی طرح دھوپ میں دمک رہے تھے۔ لمبے لمبے چنار ان کی طرف حسرت سے تکتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔

ونڈ سکرین سے چھن کر آنے والی چند شریر کرنیں شبیلہ کی زلفوں کو چومنے لگی تھیں۔ تمثیلہ اور سہیل دھوپ میں نہائے ہوئے تھے۔ اور ان کے سایوں سے بچنے والی

کرنیں شبیلہ کے لباس چہرے اور زلفوں کو اپنی زد میں لیے ہوئے تھی۔ اور ان کی زد میں آکر اس کا حسن انتہائی نکھرا نکھرا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بڑی رعنا اور دلکش دکھائی دے رہی تھی۔ حالانکہ اس کی ساڑھی سادہ تھی اور رات کو سونے کی وجہ سے کہیں کہیں سے شکن آلود بھی ہو گئی تھی۔ مگر وہ بھی اس کے حسن میں کمی کی بجائے اضافہ ہی کر رہی تھی۔ شبیلہ کی لمبی لمبی پلکوں کو جنبش اور یاقوتی ہونٹوں کو کبھی کبھی ہلکی سی لرزش ہوتی تھی۔ ایک معنی خیز سا تاثر اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔

اور

تمثیلہ

آئینے میں اس کے سراپا کو دیکھ کر کڑھ رہی تھی۔ جل رہی تھی اور اپنے دل میں۔۔ حسد اور بغض سے لبریز لاوے ابھرتے محسوس کر رہی تھی۔ اس کے دل میں کینے کی آگ سلگ رہی تھی۔ جس کا اظہار اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی نخوت سے ہو رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کے علاوہ دنیا میں کوئی لڑکی حسین نہ ہو اور اس سے ملنے والا ہر فرد محض اس کی تعریفیں کرے۔ اس کے حسن و جمال کو سراہے۔ اس کی دلکشی میں مدح سرا ہو۔ وہ کسی اور حسین لڑکی کو دیکھ کر جل جاتی تھی۔ اسے حسین لڑکیوں سے جلن سی تھی۔

شیورلیٹ تیز رفتاری سے راستہ طے کرتی جا رہی تھی۔ اور اس کی منزل سالمی سینی ٹوریم تھی۔

"کتنا خشک سفر ہے" وہ ترچھی نظروں سے دیکھ کر سہیل سے مخاطب ہوئی "میرا خیال تھا سیر و تفریح کے لیے الوپیہ چلیں گے۔ نتھیا گلی کی سیر کریں گے۔ تفریح ہو جائے گی۔ مگر اس عجیب و غریب سے بھی دوچار ہونا تھا۔"

"آپ خود ہی چلی آئی ہیں ——————" وہ سامنے دیکھتا ہوا بولا۔

"اگر میں کہتی کہ الوپیہ چلیں تو آپ چل پڑتے۔" اس نے پر شوق لہجے میں سرگوشی کی۔

وہ آہستہ آواز میں اس لیے باتیں کر رہی تھی کہ شبیلہ نہ سُن سکے۔ اور ان کی طرف سے مشکوک ہی رہے۔

شبیلہ کا انداز سرد تھا۔

وہ لاتعلق سی بیٹھی تھی۔

"میرا یہ مطلب تو نہیں۔" سہیل ذرا سا اس کی طرف رخ پھیر کر بلند آواز میں بولا۔ "میں نے تو کہا تھا کہ ہم ٹیکسی میں چلے جائیں گے۔ آپ خود ہی اصرار کر کے لے آئی ہیں۔"

اس جواب سے وہ جھنجلا سی گئی اور اس نے آئینے پر نظر ڈالی اسے شبیلہ کے چہرے پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھرتی محسوس ہوئی اور اس مسکراہٹ نے اس کے دل میں نفرت کی ایک لہر سی دوڑا دی۔

"آپ تو ہر بات کا مطلب الٹ ہی سمجھتے ہیں۔" اس نے چلانے کے سے انداز میں تلخی سے کہا۔ وہ جھلائی جا رہی تھی۔ اس جھلاہٹ میں اس نے گاڑی کی رفتار بھی بڑھا دی تھی۔ وہ شبیلہ کو جلانے اور تڑپانے میں ناکام ہو گئی تھی۔ اور اسے شبیلہ کے چہرے پر لہراتی ہوئی مسکراہٹ نے بے کل کر دیا تھا۔ وہ گہرے انداز میں ڈوب گئی تھی۔ ہر لحظے گاڑی کی رفتار بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

یہ بھی نفرت کے اظہار کا ایک رخ ہے۔

شبیلہ یہی سوچتے ہوئے متبسم تھی۔

گاڑی موڑ کاٹتی تو اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکتے اور ادھر ادھر جھول جاتے۔ اس کے باوجود اس کی رفتار میں کمی نہ ہو رہی تھی۔

"مس تمثیلہ پہاڑی علاقہ ہے رفتار ذرا کم رکھیے!" ——— اس نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ تمثیلہ نے اُسے ترچھی نظروں سے دیکھا۔ تھوڑی دیر خاموش رہی۔

"کیوں! جان بہت پیاری ہے!" ——— وہ جوش سے بھر تھراتے

لہجے میں بولی
"جان کسے پیاری نہیں ہوتی! ـــــ" سہیل نے بے پروائی سے
جواب دیا۔
"مگر اس پیاری جان کو کس کے لیے بچا کر رکھنا چاہتے ہیں آپ! ـــــ"
اس نے معنی خیز لہجے میں چوٹ کی۔ اور آئینہ میں شبیلہ کے عکس کو خشمگیں نظروں سے
دیکھا۔
سہیل کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ لہرانے لگی۔
"اپنے لیے ـــــ" پھر وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ بقول ارسطو۔ زندگی بہت
بڑی نعمت ہے اور جو اس نعمت کی قدر نہیں کرتا۔ انتہائی بدبخت انسان ہے :
"تو میں بدبخت ہوں۔ تمثیلہ کے ہونٹوں پر زہر میں بجھی ہوئی تلخی نمایاں ہو گئی۔ اس
کے چہرے پر یکایک وحشت عود کر آئی۔ چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ اور آنکھیں نم آلود سی
ہو گئی تھیں۔ اس کے چہرے سے ذہنی خلفشار نمایاں ہو رہا تھا۔
سہیل یہ حالت دیکھ کر کانپ گیا۔ اسے ڈر ہوا کہ کہیں تمثیلہ اپنا ذہنی توازن ہی
نہ کھو دے اور گاڑی کسی گہری کھڈ میں جا گرے۔ اور ان کا رشتہ ہمیشہ کے لیے اس فانی
دنیا سے کٹ جائے۔ وہ گھبرا سا گیا تھا۔
"آپ کو تو میں نے بدبخت نہیں کہا۔ میں نے تو اس شخص کو بدبخت کہا ہے جو زندگی
کی قدر نہیں کرتا۔ وہ نرم لہجے میں بولا۔
"تو پھر سمجھ لیجیے اس وقت مجھے زندگی بہت ہی حقیر شے دکھائی دے رہی ہے" اس کا
لہجہ وحشت انگیز تھا۔ دل چاہتا ہے اسے چٹانوں سے ٹکرا دوں اور ہمیشہ کے لیے فنا ہو
جاؤں؟
تمثیلہ کے لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ تھی اور اس کا پاؤں کا دباؤ ایکسلیٹر پر بھر

شلینے بڑھتا جا رہا تھا۔

مس تمثیلہ! ــــــــ "آپ ایسے خیالات رکھتی ہیں۔ یہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آپ کو کس چیز کی کمی ہے۔ کیا نہیں ہے آپ کے پاس، موٹر، بنگلہ، نوکر چاکر اور سب کچھ ہی ہے آپ کے پاس! ــــــــ وہ نرم لہجے میں بات کرنے لگا تھا۔

"میرے پاس سب ہی کچھ ہے ــــــــ" اس کے لہجے میں دل سے ابھرنے والا انتہائی درد پیدا ہو گیا۔ "لیکن محبت نہیں ہے۔ بے پناہ، بے لوث اور سچی محبت سے میں کوسوں دور ہوں،" اس کی آواز آنسوؤں میں بھیگ گئی تھی مگر اس نے آنسو پلکوں سے نیچے نہ اترنے دیئے تھے۔ اس کی آواز کے درد سے سہیل کے دل پر چوٹ سی لگی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ انتہائی مظلوم لڑکی کے پہلو میں بیٹھا ہے جو اپنے سینے میں غم کے جوالا مکھی چھپائے زندگی کے بار کو اٹھائے ہوئے ہے۔ سہیل نے کئی گہرے گہرے سانس لیے۔

"آپ جس ماحول میں زندگی گزار رہی ہیں اس سے باہر نکل آیئے۔" وہ اسے سمجھانے کے سے انداز میں بولا۔ "مغربی تہذیب کے مدوجزر میں آپ کو سکون نہیں مل سکتا۔ یہاں زندگی ایسے ہی متلاطم بنی رہے گی۔ سچی اور بے لوث محبت تو در کنار۔ خلوص بھری نظریں بھی نصیب نہ ہوں گی۔ نمائشی اور کھوکھلی زندگی انسان کو دکھ ہی بخش سکتی ہے!"

"اب تو موت کے بعد ہی میں اس تہذیب کو الوداع کہہ سکتی ہوں۔" اس کے لہجے کی رقت برقرار تھی۔ "میں اب اس ماحول کو نہیں چھوڑ سکتی۔"

"تو پھر ترستی رہیئے سچی محبت کو۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"اگر آپ مجھے یقین دلائیں ــــــــ" وہ اسے کنکھیوں سے دیکھ کر پُر اثر لہجے میں بولی۔ "کہ مجھے سچی محبت مل جائے گی۔ تو شاید میں اس تہذیب کو بھی چھوڑ دوں۔"

"میں ـــــــ" وہ بوکھلا سا گیا "میں کیا یقین دلا سکتا ہوں"

شبیلہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اور اس کا دل کسی انجانے سے خوف سے دھڑکنے لگا تھا۔ مگر سہیل کے آخری جملے سے اسے یوں محسوس ہو اتھا جیسے وہ مرتے مرتے بچ گئی ہو۔ اپنے اس جذبے پر وہ حیرت زدہ اور پریشان سی تھی۔

آگ جس میں وہ جلنا نہیں چاہتی تھی۔ جذبات جنھیں قبول کرنے کے لیے وہ تیار نہیں تھی۔ اور تعلق جو وہ پیدا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ خود ہی کیوں اسے اپنے احاطے میں لے رہے ہیں۔ یہ کون سا جذبہ ہے جو اسے بے خود بنا رہا ہے۔ سہیل سے وہ تعلق بھی پیدا کرنا نہیں چاہتی تمثیلہ سے اس کے ربط و ضبط کو دیکھ بھی نہیں سکتی یہ آخر کیا ہے؟

اور پھر تمثیلہ ـــــــ ایک بیمار ذہن، مغرب زدہ لڑکی ـــــــ آہ بے چاری

اس کا دل تمثیلہ کی بے بسی پر کڑھنے لگا۔

وہ تصورات میں کھوئی ہوئی تھی لیکن کان تمثیلہ کی طرف تھے۔

"جب آپ یہ یقین نہیں دلا سکتے ـــــــ" تمثیلہ کے لبوں پر زہر آلود مسکراہٹ بکھر گئی "میں بچپن سے مغربی تہذیب میں پلی ہوئی اپنے ماحول سے کیسے باہر نکل سکتی ہوں۔ کہہ دینا آسان ہے اور عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ بہت ہی مشکل ہے"

سہیل کچھ نہ بولا۔ اور چمکتے ہوئے پہاڑوں کی طرف دیکھنے لگا جو دھوپ کی آغوش میں مسکراتے ہوئے چہروں سے آسمان کو حیرت سے تک رہے ہیں۔ اور نیلے آسمان پر کہیں کہیں سفید لکہ ہائے ابر محو خرام تھے تمثیلہ بھی خاموش ہو گئی تھی۔ شبیلہ بھی چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اب تمثیلہ کا جوش ماند پڑ چکا تھا۔ اور وہ پرسکون ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ بھی اعتدال پر آگیا تھا جس طرح سمندر تلاطم کے بعد پرسکون ہو جاتا ہے۔ وہ بھی طوفانی دور سے باہر نکل آئی تھی۔ اور گاڑی کی رفتار بتدریج گھٹ کر

معمول پر آ گئی تھی۔

کار گیٹ میں داخل ہو کر چڑھائی چڑھنے لگی۔ اور آخر کار سینی ٹوریم کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو کر رک گئی۔

سہیل گھوما اور شنیلہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ کی منزل آ گئی۔ اتریئے" سہیل نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک دستخط شدہ چیک اس کی طرف بڑھا دیا۔ اور صاف کاغذ بھی اس کی طرف بڑھائے۔ شنیلہ نے ہاتھ بڑھا کر دونوں چیزیں لے لیں۔ اور نیچے اتر گئی۔

"سنیئے!ـــــ" سہیل نے پیچھے سے آواز دی۔ وہ چلتی ہوئی رک گئی۔ اور اس کے قریب آ کر اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ بولا۔ "اندر جا کر کسی نرس سے سیٹھ ارجمند کے بارے میں معلوم کر لیجیے گا۔ جس قیمت پر بھی ہو سودا طے کر لینا ہے" پھر وہ ذرا رک کر بولا: "میرا مقصد اچھی طرح سمجھ گئی ہوں گی آپ؟"

شنیلہ نے سر کے اشارے سے اثبات کا اظہار کیا۔ اور خراماں خراماں چلتی ہوئی گیٹ میں داخل ہو گئی۔ اور وہ دیر تک اس کی چال کے بانکپن کو دل میں اترتے محسوس کرتا رہا۔ تمثیلہ سہیل کی باتوں سے حیرت میں پڑ گئی تھی اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے تمثیلہ کو گہری نظروں سے دیکھا اور مسکرایا۔ تمثیلہ کے چہرے پر تذبذب کے آثار تھے۔

"شنیلہ یا ارجمند سے ناواقف ہے؟" تمثیلہ نے متذبذبانہ انداز میں کہا۔

"ہوں!" وہ مختصراً بولا۔

"آپ تو کہتے تھے شنیلہ کو سیٹھ ارجمند سے ملنا ہے۔" وہ حیرت سے بولی۔

"اسی سے ملنے گئی ہے ـــــ" وہ ہنس کر بولا۔ اور تمثیلہ خفیف سی ہو گئی۔

"ملنے تو اس سے گئی ہے۔ ایک اجنبی سے ملاقات۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔" وہ بڑبڑائی۔

"اور وہ اجنبی جس کے نام کا بھی اسے علم نہیں؟"

"کیا کسی اجنبی سے کچھ خریدا نہیں جا سکتا؟" بات مدلل تھی۔

سہیل نے مزید وضاحت کی۔

"بھائی جان کو پتہ چلا تھا کہ ارجمند صاحب اپنی اسٹیل فیکٹری فروخت کر رہے ہیں انہوں نے شبیلہ سے مشورہ کیا۔ شبیلہ خریدنے پر تیار ہو گئی اور بھائی جان نے اس کا پتہ دے کر انہیں یہاں میرے ساتھ بھیج دیا۔"

"مگر چیک تو آپ نے دیا ہے؟" وہ اسے گہری اور شکی نظروں سے دیکھ کر بولی۔ وہ ان نظروں سے گڑبڑا سا گیا۔

"شبیلہ نے چیک میرے پاس رکھ دیا تھا۔" وہ خود کو جلدی سے سنبھال کر ایک خوب صورت جھوٹ کا سہارا لے کر بولا۔ مگر اس کے اس انداز سے تمثیلہ مطمئن نہ ہوئی۔ اس کے چہرے پر ہنوز کشمکش پھیلی رہی اور تذبذب بکھرا رہا۔

"شبیلہ ناکافی کپڑوں کے ساتھ فیکٹری خریدنے کو مری آئی ہے۔ اور اس کا چیک آپ کے پاس ہے۔" وہ الجھے الجھے لہجے میں بولی۔ "میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔" پھر اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ "خیر اگر آپ سچی بات بتانے سے گریز کر رہے ہیں تو آپ کی مرضی۔ مجھے دوسروں کے راز جاننے کا کیا حق ہے۔"

اس کے لہجے کی الجھن اور طنز سے چند لمحوں کے لیے سہیل کے چہرے پر گہری ندامت بکھر گئی۔ اس نے دیکھا اور محسوس کیا مگر اس نے کچھ کہا نہیں خاموش رہی۔ مگر اسے اتنے سے ہی یقین ہو گیا کہ معاملہ وہ نہیں جو سہیل نے بتایا ہے۔ اس کے پس منظر میں کوئی راز ضرور ہے جس کا اظہار وہ نہیں کرنا چاہتا۔ اگر وہ راز عیاں کرنا نہیں چاہتا تو نہ سہی۔

تمثیلہ کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اسے سہیل سے شکایت ہے۔ کہ اس نے اس سے راز چھپایا ہے۔ اسے اس کے رازدارانہ رویّے سے صدمہ پہنچا تھا۔ اس کا دل بجھ سا گیا تھا۔

جسے سہیل نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ وہ بڑا صاف گو اور سچا انسان تھا۔ اس راز کو چھپانے سے اسے بڑا قلق ہو رہا تھا۔ اسی وجہ سے وہ بڑا پریشان تھا اور تمثیلہ سے نظریں چرا رہا تھا۔ اُسے اپنے جھوٹ پر افسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے جھوٹ محض شبیلہ کا ذاتی وقار بنانے کے لیے بولا تھا کہ اس کے سامنے شبیلہ کی توقیر میں کمی واقع نہ ہو۔

"لگتا ہے ـــــ" تمثیلہ نے سرد سے لہجہ میں کہا، "آپ مجھ سے کوئی خاص بات چھپانا چاہتے ہیں۔"

"نہیں! ایسی تو کوئی بات نہیں ـــــ کوئی ایسا راز میں لاہور سے لے کر روانہ نہیں ہوا جسے چھپانے کی ضرورت پیش آئے۔ ـــــ اور بھلا اس کی ضرورت بھی کیا ہے۔" سہیل نے اپنے لہجے میں زمانے بھر کی لاپرواہی سمیٹ لی۔

"لیکن! ـــــ لیکن سچ یہ ہے کہ میں تو یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ آپ کی ہمسفر کوئی فیکٹری خریدنے کے لیے آئی ہیں ـــــ اور آپ ان کی رہبری کے لیے۔" تمثیلہ نے کیلے انداز میں کہا۔

"چلو نہ سہی ـــــ" سہیل نے بیزاری سے کہا، "ضروری تو نہیں کہ ہر شخص ہر بات سے مطمئن ہو سکے۔"

"بالکل، بالکل ـــــ اور ہر شخص کو ضرورت بھی کیا ہے کہ وہ ہر کسی کو مطمئن کرے ـــــ کیوں ٹھیک ہے نا!"

سہیل اس کے تابڑ توڑ حملوں سے کچھ محجوب سا ہو گیا ـــــ اس نے اس کے تاثرات زائل کرنے کے لیے کہا۔

"آپ کن الجھنوں میں پڑ گئی ہیں مس تمثیلہ" وہ اپنے لہجے کو پُر اثر بنا کر بولا، "اپنے دل کو تمام شکوک سے پاک کر لیجئے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے آپ الجھن میں پڑیں۔"

شبیلہ نے سہمی سہمی سی نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ پہلے ہی مسکراتی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اس تصادم کی تاب نہ لا سکی۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔ اور لبوں سے ایک ٹھنڈی آہ نکلی۔ وہ اس کی مردانہ وجاہت سے سپر انداز سی نظر آتی تھی۔

سہیل و ہنی اس کامیابی پر مسکرایا۔

دفعتاً سہیل نے گھوم کر دیکھا۔ شبیلہ حزن و ملال کی تصویر بنی تیز تیز قدم اٹھاتی چلی آرہی تھی۔ اس کی چال سے گہرے اضطراب کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ قریب آکر رک گئی۔

"کیوں خیریت تو ہے آپ پریشان کیوں ہیں" وہ گھبرا کر بولا۔ شبیلہ نے چیک اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"سیٹھ ارجمند کل رات فوت ہو گئے" وہ گہرے تاسف سے بولی۔ اور یہاں ہمارے پہنچنے سے نصف گھنٹہ پہلے ہی ان کے لواحقین ان کی لاش کو لے کر گئے ہیں"

"اوہ بے چارہ سیٹھ ارجمند!" تھوڑی دیر خاموشی رہا۔ پھر وہ شبیلہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ مگر آپ کیوں رنج کرتی ہیں جانے دیجئے فیکٹری نہیں ملی تو نہ سہی"

وہ چپ چاپ کھڑی رہی اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ارجمند نہیں مرا۔ اس کا اپنا کوئی عزیز فوت ہو گیا ہو۔ ایک انسان کے لیے ایک انسان کے ایسے جذبات عظمت کے گہرے نشان تھے۔ اور انسان کبھی جو مر چکا ہو۔ مگر انسانیت تو نہیں مری تھی۔ انسانیت جس کا مفہوم کچھ ہی لوگ جانتے ہیں۔

سہیل کو شبیلہ کے اس جذبے نے بے حد متاثر کیا تھا۔

کچھ دیر سکوت رہا۔

کھڑی کیوں ہیں آپ! اندر بیٹھے! چلیں ——— وہ شبیلہ سے مخاطب ہوا شبیلہ آہستہ آہستہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی اور دروازہ بند کر دیا گیا۔

"مس تمثیلہ! ہوٹل چلیے نا ـــــ" سہیل نے تمثیلہ کی طرف رخ کیا۔ "ہم اسی وقت لاہور واپس جانا چاہتے ہیں۔"

"کیوں! اس وقت کیوں؟" ـــــ وہ زور سے چونکی۔ "ایک روز اور نہیں ٹھہر سکتے آپ! آج آپ کو سیر و تفریح کراتی ہوں۔"

"پھر کبھی اگر ادھر آنا ہوا اور آپ مل گئیں تو ضرور ٹھہروں گا۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔ "مگر اب نہیں ـــــ"

تمثیلہ اس کے انکار سے زچ ہو گئی۔

شبیلہ نے مطمئن انداز میں ایک گہرا سانس لیا۔

راولپنڈی سے آنے والی ریل کار لاہور اسٹیشن کے یارڈ میں پہنچ گئی سہیل ایک قلی کو اٹیچی کیس اٹھوا کر شبیلہ کے ہمراہ پلیٹ فارم پر اترا۔ اور گیٹ سے نکل کر باہر آ گیا۔ قلی نے اٹیچی کیس لے جا کر ایک ٹیکسی میں رکھ دیا۔ اور اپنی مزدوری لے کر چلتا بنا۔

ڈرائیور نے ان کے بیٹھنے کے لیے پچھلا دروازہ کھولا۔ شبیلہ بغیر کسی جھجک کے پچھلی سیٹ پر بیٹھنے لگی۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھنے کے لیے پچھلے دروازے کی طرف لپکا۔

"ادھر نہیں" اس نے ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ بکھیر کر اگلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "ادھر"۔ ایک شگفتہ مسکراہٹ سہیل کے ہونٹوں پر لہرا گئی۔ اور وہ شوخ انداز میں گردن ہلا کر بڑا سا منہ بناتے ہوئے اگلی سیٹ کی طرف بڑھا۔

"ہوں!——" وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔ "یہ حجاب کے پردے کب تک حائل رہیں گے"

"شبیلہ شرم و حیا کی دل کش تصویر بن گئی۔ اور ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ لیے نظریں جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ وہ کچھ نہ بول سکی۔ میٹر ڈاؤن کرنے کے بعد ڈرائیور نے اپنی سیٹ سنبھال کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اور اپنی گردن کو تھوڑا سا موڑا۔

"کہاں چلوں! صاحب جی"

"گلبرگ چلو "

شبیلہ چونکی اور نظریں اٹھا کر سہیل کی طرف دیکھا۔ وہ نظریں پھیرے اسے شریر انداز میں دیکھ رہا تھا۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں سے شبیلہ کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا اور اس نے جلدی سے نظریں جھکا لیں۔

"ڈرائیور پہلے بینک کوارٹرز چلو "

"نہیں پہلے گلبرگ چلو "

ڈرائیور حیرت سے دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔ ان کی تکرار بڑھنے لگی۔ سہیل کی آنکھوں میں شرارت اور شبیلہ کے چہرے پر گھبراہٹ تھی۔ آخر وہ رونے کے قریب ہو گئی۔ اور دروازہ کھول کر نیچے اترنے لگی۔

چلو معاف کیا! " وہ پیار سے بولا۔ مگر وہ دروازہ کھول چکی تھی۔

"ارے کیا کرتی ہو؟"

"نہیں اب میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ وہ روہانسی ہو کر اترنے کے سے انداز میں آگے لپک کر بولی " میں دوسری ٹیکسی سے چلی جاؤں گی "

سہیل نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"قسم لے لو جو اب کسی قسم کی بات کروں" پھر مضحکہ خیز سا منہ بنا کر بولا " سفر ختم ہو گیا قسم ٹوٹ گئی لیکن اس شرارت کے بعد ہی پھر قسم کھانی پڑ گئی۔ بڑی ہوشیار ہیں آپ "

وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"چھوڑیئے میرا ہاتھ ———" وہ نازسے ہاتھ جھٹک کر بولی

"پہلے آرام سے ٹیکسی میں بیٹھ جائیے پھر ہاتھ چھوڑوں گا" وہ انتہائی اپنائیت سے بولا۔ اس کے لہجے میں جانے کونسا طلسم چھپا ہوا تھا۔ کہ وہ غیر ارادی طور پر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"بہت تنگ کرتے ہیں" اس کے منہ سے اچانک یہ جملہ نکل گیا۔ اور دوسرے لمحے ہی اس کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ چھا گئی۔

"بہت تنگ کرتے ہیں آپ" وہ بڑبڑایا کتنی شیریں بات ہے۔ لیکن کتنا غلط الزام ———"

اس پر گہری شرم مسلط ہو گئی۔

سہیل نے ڈرائیور کی طرف دیکھا۔

"چلو ——— بھائی ———" وہ مسرورانہ انداز میں بولا۔ "پہلے بنک کوارٹر ہی چلیئے"

"بڑی جلدی ہار تسلیم کر لی ہے آپ نے ———" ڈرائیور نے مسکرا کر کہا۔ وہ بھی کوئی زندہ دل اور منچلا انسان تھا۔ سہیل نے اُسے ایک نظر دیکھا اور وہ مسکرایا۔

"ایک وقت آتا ہے جب ہارنا پڑتا ہے"

ڈرائیور بھی شاید اس فلسفے کو سمجھ گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہنسی بکھر گئی۔ اور شبیلہ شرمیلی ہی اسے آپ ہی آپ سمٹ سی گئی۔ دوسرے لمحے گاڑی سڑک پر بھاگ رہی تھی۔

کئی سڑکوں سے ہوتی ہوئی گاڑی اس جگہ پہنچ گئی جس جگہ شبیلہ بارش کی رات میں اس سے جدا ہوئی تھی۔

وہ جگہ آ گئی جہاں سے حسین تصورات کا آغاز ہوا تھا ——— وہ حسین خیالوں

میں ڈوبتا ہوا بولا۔

"ڈرائیور گاڑی یہیں روک دو ــــــــ" شبیلہ اس کی بات کو نظر انداز کر کے بولی۔

"ڈرائیور نے سہیل کی طرف دیکھا ــــــــ

"ہاں ڈرائیور گاڑی یہیں روک دو" وہ بڑے خوابناک لہجے میں بولا۔ "میں خود بھی اس حسین جگہ سے آگے بڑھنا نہیں چاہتا۔ فی الحال یہی میری منزل ہے۔"

"ابھی تو بے شمار منزلیں آئیں گی" وہ گاڑی سے اترتے ہوئے پرخیال انداز میں بولی اور اسے دیکھے بغیر آگے بڑھتی چلی گئی۔ اس کے پردہ سماعت سے ابھی تک ایک دلکش نغمے کی طرح شبیلہ کے ہونٹوں سے نکلا ہوا جملہ ٹکرا رہا تھا۔ اور سرور انگیز بازگشت پیدا کر رہا تھا۔

"ابھی تو بے شمار منزلیں آئیں گی"

"واقعی ابھی تو بے شمار منزلیں آئیں گی" وہ بڑبڑایا۔ میں اسی جگہ کو منزل سمجھ بیٹھا تھا مگر یہ جگہ زندگی بھر بھلائی بھی نہ جا سکے گی" شبیلہ اسے نئی زندگی کی راہ دکھا کر چلی گئی تھی وہ بڑے ہی حسین انداز میں ان راہوں کے سپنے دیکھنے لگا تھا۔ جو اسے نئی منزلوں پر پہنچانے میں مددگار ہوں گی۔ اس کی مونس و غمخوار بن کر اسے آگے بڑھائیں گی۔

"اب کہاں چلوں جناب ــــــــ" ڈرائیور کی آواز پر وہ چونکا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دلکش سی مسکراہٹ بکھری اور اسے خمار آلود سی نگاہوں سے دیکھا۔

"اب گلبرگ چلو ــــــــ" اس کا لہجہ خوشگوار تھا۔ اور آواز میں خوش کن جوش کی تھرتھراہٹ تھی۔

ڈرائیور نے ٹیکسی کا رخ موڑا اور اسے گلبرگ جانے والی سڑک پر ڈال دیا۔

جوں ہی شبیلہ نے اپنے کوارٹر کے دروازے سے اندر داخل ہو کر صحن میں قدم رکھا

تو اس کے قدموں کی آہٹ سے سب نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے والد کے کمرے میں شام کی چائے پی جا رہی تھی۔

چہروں پر خوشی کی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ گلاب کے پھول کی طرح کھل اٹھے۔ وہ دلکش انداز میں چلتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"لو ہماری بٹیا بھی آ گئی !——" ارشاد احمد مسرت بھرے لہجے میں بولے۔

"تمہاری سہیلی کی شادی خیر و عافیت کے ساتھ ہو گئی بیٹی" رابعہ بیگم ممتا بھرے لہجے میں بولیں۔

"بڑی اچھی طرح امی جان" جھوٹ بولنے کی اس کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ بجی نے چائے کی ایک پیالی بنا کر اس کے آگے میز پر رکھ دی۔ اس نے پیالی اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا پھر پیالی کو اسی جگہ رکھ دیا۔ سب چائے پی رہے تھے۔ اور باتیں کر رہے تھے۔ جہیز کی باتیں، شادی کی باتیں، گہما گہمی کی باتیں اس سے عجیب عجیب باتیں پوچھی گئیں۔ اس نے کئی باتوں کا تو سہم سہم کر جواب دیا۔ جہیز کی باتوں پر اس کے والدین پر ایک دم گہری افسردگی پھیل جاتی تھی۔ اس افسردگی کو محسوس کر کے اسے کافی دکھ ہوا تھا۔ وہ خوب جانتی تھی کہ اس کے والدین کے خیالات کہاں پہنچ گئے تھے۔ انھیں جوان لڑکیوں کی جہیز کی فکر نے بے چین کر دیا تھا۔ پھر اس نے بڑی ذہانت سے جلدی موضوع بدل دیا تھا۔ اس کے والدین کے چہرے خیالات کا رخ بدلنے سے پرسکون ہو گئے اور اسے پہنچنے سوالوں سے نجات مل گئی۔ اس نے بھی اطمینان کا سانس لیا تھا۔ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے اسے کتنے ہی جھوٹ بولنے پڑے تھے۔

کھانے سے فارغ ہو کر بجی، شیلہ اور تصور کچھ دیر وہاں بیٹھے رہے۔ پھر سونے

کی نیت سے کمروں میں جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کیوں چل دیے میرے بچو! ـــــ" ارشاد احمد نے پیار بھرے لہجے میں..

پوچھا:

"کچھ تھکاوٹ کا احساس ہو رہا ہے ابا جان! ـــــ" شبیلہ اپنے والد کی طرف دیکھ کر بولی۔ "اس لیے اب سونا چاہتی ہوں۔"

"ہاں ــــ ہاں بیٹی! ـــــ" جاوید آگر بولے۔ شادی بیاہ کے ہنگامے سے بے حد تھکن ہو جاتی ہے۔ ــــ" پھر انہوں نے نجمی اور تصور کی طرف دیکھا۔ "تم بھی جانا چاہتے ہو:"

تصور نے نظریں جھکا لیں۔ اسی طرح کا انداز نجمی کا تھا۔ اور اُن کے ہونٹوں میں دبی دبی مسکراہٹ تھی۔

"جی ہیں بھی اجازت دیجئے! ـــــ وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"اچھا بھئی ــــ" وہ مسکرائے ــــ نے جاؤ ــــ"

"تینوں کمرے سے باہر نکل آئے۔ اور ایک کمرے کے سامنے آ کر رک گئے۔

"شبیلہ بہن! آپ اتنی تھکی ہوئی تو معلوم نہیں دیتیں۔ وہ ہنس کر بولا۔

"اندر چلئے۔ لُڈو کھیلیں گے:"

"بھئی مجھے تو معاف ہی کرو۔ وہ اکتاہٹ سی ظاہر کر کے بولی۔ اس وقت موڈ نہیں ہے نجمی کے ساتھ کھیل لو:"

اس اجازت سے نجمی گھبرا سی گئی اور صحن میں جگمگاتے ہوئے بلب کی روشنی میں اس نے اپنی بہن کو عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ مگر اس کے چہرے پر شگفتہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"میری طرف کیا دیکھ رہی ہو۔" وہ پیار سے اس کا گال تھپک کر بولی۔ "جاؤ کھیلو

جاکر! ـــــــــ"

شبیلہ اپنے کمرے میں آگئی اور نجمی تصور کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ تصور نے درمیان میں پڑی ہوئی میز پر لُڈو پھیلا دی۔

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔

نجمی کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ اور وہ تصور کی طرف سے کھیل کے آغاز کی منتظر تھی ـــــــ۔

تصور کو ان کا مہمان بنے کئی دن گزر گئے تھے اور اسی عرصے میں اس نے نجمی کی جھجک اور تکلف کو مٹا دیا تھا مگر اس کے فطری حجاب کو دور نہ کر سکا تھا۔ تنہائی میں اسے تصور سے مل کر شرم کا گہرا احساس ہوتا تھا۔ اور وہ سمٹ سمٹ جاتی تھی جب خاموشی بڑھنے لگی تو نجمی نے نظریں اٹھائیں اور اُسے اپنی طرف گھورتے دیکھ کر گھبرا گئی۔ شرم و حیا سے اس کا چہرہ کئی رنگ بدل گیا۔

"آپ میری طرف یوں کیوں گھور رہے ہیں!" وہ ناز سے گھبرائے ہوئے سے انداز میں بولی۔" کھیلئے نا۔"

"کیا کھیلوں؟"

"کھیل آپ کے سامنے پڑا ہے اور پوچھ مجھ سے رہے ہیں۔" وہ مضطرب سے شیریں لہجے میں بولی۔

"کھیل سے پہلے میری کل والی بات کا جواب دیجیے! ـــــــ" وہ محبت بھرے لہجے میں بولا۔

"کون سی بات کا! ـــــــ" وہ دانستہ انجان بن کر شرم آلود آواز میں بولی۔

"جو کل میں نے باغِ جناح میں کہی تھی۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔" میں تمہیں اپنی

زندگی کی راہوں میں ساتھ ساتھ چلتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں تمام زندگی کے لیے اپنا ہمسفر بنانا چاہتا ہوں"
تھوڑی دیر سکوت رہا۔
"لو لیے نا! ــــــ" وہ سکوت توڑ کر جذبات کی شدت سے لرزتے ہوئے لہجے میں بولا۔
"سفر تو شروع ہو چکا ہے" وہ بمشکل کہہ سکی۔ گہری حیا سے اس کی آواز حلق میں پھنس گئی۔
"ہرّے! ــــــ" وہ خوشی سے بے قابو ہو کر چلایا۔
نجمی کو پسینہ آگیا ــــــ وہ بجلی کی طرح تیزی سے اٹھی اور ہوا کے جھونکے کی طرح دروازے سے باہر نکل گئی اور وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔
"لقور کے چہرے پر خوشیاں ہی خوشیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اس کا دل مسرور تھا اس کی روح وجد میں لہرا رہی تھی۔
نجمی نے تصور کے کمرے سے باہر آکر اپنی بکھری سانسوں کو ہموار کیا۔ اور پھر اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔ آسمان ابر آلود تھا۔ اور کالی گھٹاؤں میں بار بار بجلی چمک رہی تھی۔ کبھی کبھی بادل بھی گرجنے لگتا تھا۔
"قدموں کی آہٹ سے پلنگ پر لیٹی ہوئی شبیلہ نے ایک مضمحل سی کروٹ لی اور نجمی کی طرف حیرت سے دیکھا۔
"پھلنے کو دل نہیں چاہا کیا" اس سے اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔
"آپی! ــــــ" وہ منہ بنا کر شرمیلی آواز میں اٹھلا کر بولی ــــــ "سونے کو دل چاہا چلی آئی" یہ کہتے ہی اس نے سوئچ دبا یا اور کمرے میں اندھیرا پھیلا دیا۔ پھر اپنے پلنگ پہ گر پڑی۔

پگلی کہیں کی ـــــ شبیلہ نے پیار سے کہا۔

ننھی تاریکی میں اپنی بہن کا اتنا بہت سا پیار دل میں لیے ان کے تصور کے حسین خیالوں میں کھو گئی، کھوئی چلی گئی ـــــــــــ حتیٰ کہ وہ نیند کی حسین وادیوں میں پہنچ گئی۔

موٹر ٹریڈرز کے دفتر میں آکر شبیلہ کو اپنی سیٹ پر بیٹھے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ چپراسی اُسے بلانے آگیا۔ راحیل نے اُسے بلایا تھا۔ وہ چپراسی کے جانے کے بعد اٹھی اور بڑے پروقار انداز میں چلتی ہوئی راحیل کے کمرے میں داخل ہوئی۔

وہ دفتر کے اندر پہنچی تو راحیل نظریں اٹھائے اُسے آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے قریب پہنچ کر رک گئی۔

"ابھی کوئی ضروری خط نہیں آیا ہے پاس! ـــــــ" وہ ادب سے بولی۔

"نہ سہی ـــــــ" پھر اس نے اُسے غور سے دیکھ کر کرسی کی طرف اشارہ کیا ـــ "بیٹھیے! ـــــــ"

شبیلہ متانت آلود حیا اپنے لبوں پر لیے پروقار انداز میں بیٹھ گئی۔ ہلکے میک اپ اور سادہ پنک ساڑھی میں آج اس کا رنگ کچھ اور نکھر آیا تھا۔

راحیل نے نظر بھر کر اُسے ایک بار دیکھا اور پھر نظریں جھکا دیں۔

شبیلہ نے محسوس کیا۔ آج راحیل کچھ بدلا بدلا سا ہے۔

کچھ دیر یونہی گزر گئی۔

"باس! ـــــ آپ نے کس کام سے مجھے بلایا ہے؟"

"کوئی خاص کام نہیں ـــــ" جیسے راحیل کی آواز کہیں دور سے آئی ہو۔ آہستہ خوابناک اور قدرے تھما ہوا۔

"جی! ـــــ" شبیلہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

"آپ کو سفر میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی؟"

"جی نہیں! ـــــ" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے سہیل نے آپ کو تنگ تو نہیں کیا۔ وہ بے حد شریر ہے لیکن اتنا ہی شریف بھی۔"

سہیل کے ذکر سے شبیلہ کی نظر جھک گئی۔ دل کی لہریں کچھ گڈمڈ ہوئیں ـــــ "نہیں بالکل نہیں۔ ہمارا سفر بالکل خوشگوار انداز میں گزرا باس! ـــــ"

لفظ باس پر اس نے خاص طور پر زور دیا۔

"ہوں ـــــ" راحیل کسی گہری سوچ میں تھا۔

راحیل کی اداسی اور گہری محویت کو شبیلہ نے شدت سے محسوس کیا۔

ایک خیال اس کے ذہن میں سرسرایا۔

"راحیل کی سوچ اور محویت کا مرکز کہیں اس کی ذات تو نہیں! ـــــ" اور وہ کانپ اٹھی۔

سہیل ـــــ راحیل ـــــ دو نام اس کے ذہن سے ٹکرانے لگے۔ اور وہ فکر کی گہرائیوں میں اترتی چلی گئی۔

اور راحیل! وہ اپنے ہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔

شبیلہ حسین سادہ لباس میں خاموشی سے مطالعہ کرتا سا تھا۔ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

اور وہ اس کی موجودگی سے بے نیاز اپنے ہی خیالوں میں دور بہت دور پہنچ چکا تھا۔
شبیلہ نے جس دن سے دفتر میں قدم رکھا تھا۔ وہ اس کے لیے ایک سوال بن گئی تھی۔ ایک ایسا سوال جو ابھی تک لاینحل تھا جس کا جواب اُسے نہ مل سکا تھا۔ شبیلہ کیا ہے؟ اس کی جھکی جھکی سی مرتعش نظریں، اس کی آواز اور بکھری بکھری زلفیں، زیبائش سے بے نیاز سادہ سا چہرہ، لاپرواہ انداز اور اپنے ہی کام میں منہمک رہنے والی دبلی پتلی سی لڑکی نے نہ جانے کیوں اُسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔
کبھی کبھی وہ جھنجلا اٹھتا مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے؟ میں اس کے بارے میں کیوں سوچتا ہوں۔ آخر اور بھی تو اس دفتر میں بہت سے ملازم ہیں آخر ان کی ذات میری توجہ کو اپنی طرف کیوں نہیں کھینچتی۔ اس کا جواب وہ اپنے آپ سے مانگتا۔ اور پھر خود ہی چونک پڑتا۔
وہ اپنی ذاتی زندگی میں بے حد شریف، کم گو اور اپنے ہی آپ میں مست رہنے والا انسان تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد باپ کے وسیع کاروبار کا تنہا نگران تھا۔ اور اتنی بڑی ذمہ داری نے آج تک اسے کسی طرف مائل نہ ہونے دیا تھا۔ اس کی دلچسپی اور انہاک کا مرکز صرف اپنا کاروبار تھا لیکن اب وہ کچھ دنوں سے اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ شبیلہ نے اُسے بے حد متاثر کیا تھا۔ اور متاثر کر دینے والی یہ انجانی قوت روز بروز، لمحہ بہ لمحہ اُسے اپنی گرفت میں لے رہی تھی۔ اکثر تنہائی میں اُسے شبیلہ کا معصوم اور بے خود کر دینے والا حسن ایک سوال بن کر اس کی نگاہوں کے سامنے آ جاتا۔ اور وہ پریشان سا ہو کر رہ جاتا۔

اور بالآخر ایک سنجیدہ سا نوجوان ایک نتیجہ پر پہنچ چکا تھا۔ ایک ایسے فیصلہ پر جس کے بارے میں شبیلہ سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اسے اس لمحہ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی امتحان گاہ میں ہو اور ابھی اُسے کوئی بہت ہی اہم انٹرویو دینا ہو۔ ایسا انٹرویو جس کی کامیابی پر ہی اس کی آئندہ زندگی کا دارومدار ہو۔

"مجھے افسوس ہے! ـــــ فیکٹری نہ خریدی جاسکی" مسٹر ارجمند ہمارے پہنچنے سے قبل ہی انتقال کر گئے تھے۔"

"مجھے علم ہے" وہ اس کو عجیب نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "کل آتے ہی ہوٹل نے مجھے تمام حالات سے آگاہ کر دیا تھا۔ کوئی بات نہیں ہے۔ کوئی اور فیکٹری خریدنے کی کوشش کریں گے۔ ہو سکتا ہے ارجمند کے عزیز واقارب وہی فیکٹری ہمارے ہاتھ فروخت کر دیں۔ بہر حال آپ کی جو محنت ہے وہ قابلِ داد ہے۔ آپ نے فرم کو کسی طرح گزند نہیں پہنچائی پوری توجہ سے کام کیا ہے۔ فرم آپ کو اس کا معاوضہ دیتی ہے" یہ کہہ کر اس نے چیک بک اٹھائی اور ایک سو روپے کا چیک کاٹ کر اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ سو روپے کا چیک فرم کی طرف سے آپ کی محنت کا معاوضہ ہے" وہ با اخلاق لہجے میں بولا۔

"تنخواہ ملتی ہے تو اس کی کیا ضرورت ہے ـــــ" وہ متردد ہو کر بولی۔

"جب فرم کسی کارندے کو باہر بھیجتی ہے تو اس کی محنت کا معاوضہ الگ دیا جاتا ہے! ـــــ" وہ زور دے کر بولا ـــــ "اسے رکھ لیجئے ـــــ یہ آپ کا حق ہے ـــــ"

راحیل کی آواز انتہائی پر خلوص تھی۔ اور لہجے میں اخلاق آمیز استدعا تھی۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور چیک لے لیا۔

"مس شبیلہ! اس نے ایک گہری آواز میں سرگوشی کی ـــــ شبیلہ نے اس کے لہجے سے اسے چونک کر دیکھا۔

"جی" وہ متحیر سی تھی۔

"مس شبیلہ ایک التجا ہے۔ اگر آپ ٹھکرا نہ دیں تو ـــــ" اس کا لہجہ سرشار سا تھا۔ بے حد شفیق سا تھا۔

"التجا کیسی! ـــــ وہ متعجب تھی ـــ "آپ تو حکم دیتے ہیں۔"

"حکم کا وقت اور ہے! ـــــ" وہ بے خودی سے بولا۔ "اور میں اس وقت کو بہت پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔"

اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ـــــ وہ حیران حیران نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں کچھ سمجھی نہیں باس ـــ" وہ اب کچھ پریشان ہو چکی تھی۔ اس نے اس کی پریشانی کو محسوس کیا۔

"وعدہ کیجیے! میری التجا کو ٹھکرائیں گی نہیں آپ! ـــ" وہ اپنی آواز کو انتہائی لطیف بنا کر بولا۔

"مگر کچھ پتہ بھی چلے!" وہ جھلا سی گئی تھی ـــــ وہ حیران تھی کہ راحیل کو ہو کیا گیا ہے۔

"آج شام پانچ بجے آپ چائے میرے ساتھ شیزان میں پئیں گی۔" اس کے لہجے میں پیار بھری استدعا تھی۔

"میں باس ـــ" وہ گھبرا گئی۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں ہو سکتا؟ ـــــ" وہ مسکرا کر بولا۔

"ایک شریف آدمی کے ساتھ آپ کو چائے پینے میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھئی"

"جی یہ بات نہیں ہے۔" وہ بوکھلا سی گئی۔

"اور کیا بات ہے ـــــ" وہ اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہو کر بولا۔ گھبرائے گھبرائے انداز میں وہ اُسے بہت ہی دلکش لگی تھی، اس کا دل سینے میں اچھلنے لگا۔ جیسے وہ سینے کی دیواریں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

"میں اس گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔" اس نے اپنی گھبراہٹ پر کسی قدر قابو پایا

"جو ہوٹلوں میں آنے جانے کی آزادی نہیں دیتا۔"

"ہوں! ـــــ" وہ یکایک افسردہ ہو گیا۔ اور اس کے چہرے پر گہرے رنج وغم کے آثار پیدا ہو گئے۔ اور شبیلہ کو اس کے چہرے پر نظریں دوڑا کر بہت ہی دکھ پہنچا۔ وہ راحیل جیسے دردمند انسان کو آزار پہنچا رہی تھی۔ اس نے اس شخص کو دکھ پہنچایا تھا۔ جس نے اس کی بڑے حالات میں مدد کی تھی۔ اس کے دکھ کو اپنا دکھ جانا تھا۔

"آپ کسی بہانے سے بھی آسکتی ہیں ـــــ"؟ اس نے انتہائی سوز وغم میں ڈوب کر کہا۔

وہ خاموش رہی۔ چہرے پر کشمکش پھیلی ہوئی تھی۔ اور ذہن سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

"پلیز! ـــــ آپ کو آنا ہوگا ـــــ" اس کے لہجے میں دردبھری التجا تھی۔ "آپ کو ضرور آنا ہوگا۔ سوچئے نہیں۔ میں بار بار آپ سے اس طرح کی التجا نہ کروں گا کچھ باتیں ہیں جو میں آپ سے اسی ملاقات میں کہہ دینا پسند کروں گا۔ دیکھتے ہیں تقدیر کیا فیصلہ کرے گی۔"

اس کے اس انداز سے وہ چونکی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اور اس نے نیور راحیل کو دیکھا جو افسردہ تھا۔ وہ اس کی افسردگی سے مغلوب ہو گئی۔ اور اپنی نظریں جھکا لیں۔

"اگر کوئی بہت ہی ضروری کام ہے تو آجاؤں گی۔" پھر وہ کچھ سوچ کر بولی۔ مگر یہاں بھی تو بات کی جا سکتی ہے۔"

"نہیں یہ فضا ایسی بات کے لیے مناسب نہیں ہے۔"

اس کے چہرے سے یوں لگتا تھا۔ جیسے وہ الجھن میں پڑ گئی ہو۔

ٹھیک اسی وقت دفتر کا ہیڈ کلرک صدیقی کمرے میں داخل ہوا۔ راحیل نے اسے

دیکھا اور شبیلہ کی طرف رخ کر کے کہنے لگا۔

"اچھا اب آپ جائیے۔ میں نے جو کام بتایا ہے۔ اُسے آج ضرور کرنا ہے"۔

"جی بہت اچھا ———" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ اور اس نے دیکھا کہ راحیل کا چہرہ مسرت میں ڈوب گیا ہے۔

شبیلہ اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔ کش مکش کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں تھے راحیل اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔ شیزان میں بلاکر اُسے کیا کہنا ہے۔ اس کا متردد لہجہ اس کی سرشارانہ کیفیت، سنجیدگی، افسردگی اور اس کے انکار سے اس کے لہجے میں رنج و غم کا پیدا ہونا۔ یہ باتیں کیا ظاہر کرتی ہیں۔ کیا وہ ان ہی راہوں پر نہیں چل پڑا جن پر اس کا چھوٹا بھائی گامزن ہے اور وہ باوجود چاہنے کے بھی اس کا ساتھ نہیں دے سکی۔ ابھی تک اس کی ہمسفر نہیں بن سکی۔

کیا دونوں بھائی ایک ہی منزل کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ سہیل کی منزل تو وہ خود تھی۔ اس کی تلاش کا تو اسے پتہ تھا۔ مگر راحیل کی منزل کونسی ہے۔ راحیل کو تلاش کیا ہے۔ اس کا اُسے پتہ نہیں تھا۔ اگر راحیل کی منزل بھی وہ خود ہوئی تو کیا ہوگا؟ ——— دو بھائی ——— دو رقیب ——— یہ کیسا موڑ تھا ——— یہ کیسا خیال تھا۔ وہ کانپ گئی۔ وہ لرز گئی۔ اس کے جسم میں کپکپی پیدا ہو گئی وہ بدحواس اور سراسیمہ سی دکھائی دینے لگی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں سے انتہائی غم جھانکنے لگے۔ پریشانی اس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں کلبلانے لگی۔ وہ رنج و غم میں ڈوب کر رہ گئی۔

یکایک سہیل کا چپراسی اس کے پاس آیا۔

"آپ کو چھوٹے صاحب نے بلایا ہے" ——— وہ مودبانہ بولا۔

شبیلہ چونکی۔

"دفتر کے عملے نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ کئی لبوں پر تلخ مسکراہٹیں پھیل گئیں۔

وہ ان مسکراہٹوں کا چور نظروں سے جائزہ لے کر اور مضطرب ہو گئی۔

"اُف! یہ پریشانیاں، یہ اُلجھنیں —" وہ بڑبڑائی۔ "اب شاید مجھے نوکری چھوڑنی ہی پڑے گی۔"

"آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟" نوکر نے اُسے بڑبڑاتے دیکھ کر کہا۔

"نہیں! —" وہ سنبھلی۔ "تم چلو میں آتی ہوں —" یہ کہہ کر اس نے اپنے پرس میں چیک رکھ لیا۔ اور پھر مضمحل انداز میں اٹھی اور سہیل کے کمرے میں چلی گئی۔

"فرمائیے! —" اس کا لہجہ بے حد غمگین تھا۔

"سہیل نے اُسے حیرت سے دیکھا

"کیا بات ہے۔ آپ کچھ اداس دکھائی دیتی ہیں؟" اس نے ہمدردی سے کہا — ہمدردی کے چند لفظوں سے آبگینۂ دل کو ٹھیس لگی۔ اور شبیلہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ مگر اس نے کمال ضبط سے انھیں پلکوں کی چلمن کے پیچھے ہی روک دیا۔ اس نے آنسوؤں کو بہنے نہ دیا۔

سہیل بے چین اور مضطرب ہو گیا۔

"آپ کی آنکھوں میں آنسو؟"

"نہیں — نہیں تو —" شبیلہ نے بناوٹی مسکراہٹ لبوں پر لا کر کہا۔

"اس تکلف کو جانے دیں۔ سچ بتائیں کیا ہوا۔ دفتر میں کسی نے کچھ کہا آپ سے؟" ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس نے کہا۔

"نہیں آپ کا وہم ہے، ایسی تو کوئی بات نہیں!"

"وہم — وہم — آخر یہ وہم بلا کیا ہے؟ —" وہ طیش میں آگیا۔ "میں آپ کا افسردہ چہرہ اور آنسو بھری آنکھیں دیکھ رہا ہوں، اور آپ اسے وہم کہہ کر ٹال رہی ہیں۔ آپ کس کو بے وقوف بنانا چاہتی ہیں؟ مجھے یا اپنے آپ کو —"

"اپنے آپ کو ـــــــ" بے ساختہ شبیلہ کے منہ سے نکل گیا۔
وہ دم بخود ہو گیا ــــ شبیلہ کے ایک ہی فقرے نے اس کی زبان بند کر دی۔ بالآخر وہ بولا۔

"آخر کیوں؟ ــــ کیا ضرورت پڑ گئی اپنے آپ کو بے وقوف بنانے کی؟ کچھ پتہ بھی تو چلے۔"

"پلیز ــــ اس قصے کو جانے دیجئے ــــ مجھے دکھ پہنچا کر آپ کو کیا ملتا ہے۔ میں ــــ میں سہیل صاحب ــــ کچھ نہیں کہنا چاہتی ــــ کچھ نہیں سننا چاہتی ــــ میری طبیعت سخت خراب ہے برائے مہربانی یہ بتایئے آپ نے مجھے کس لیے بلایا ہے؟"

"باتیں کرنے کے لیے" وہ جھلا سا گیا "یہ پوچھنے کے لیے کہ کیا ایک منزل سے دوسری منزل پر پہنچنے والے ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ جیسا میں ہوں اور کیا نئی منزلیں دکھانے والے ویسے ہی ہوتے ہیں جیسی آپ ہیں۔ کیا اسی طرح منزلوں کو تلاش کیا جاتا ہے۔ اتنا حقیر سلوک تو اس سے بھی نہیں کیا جاتا جس سے کوئی پرانی عداوت ہو" ــــ سہیل کے چہرے پر رنج و غم کی پرچھائیاں تھرک رہی تھیں اور وہ دل کو پکڑے بیٹھا تھا۔ شبیلہ نے اُسے دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے دل کو مٹھی میں لے کر مسلنا شروع کر دیا ہو۔ اس کا رنگ اُڑ گیا۔ دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی۔ وہ بدحواس سی ہو گئی۔

"آپ بیٹھیں گی نہیں" اس کا لہجہ بہت ہی افسردہ تھا ــــ" اتنی بے رخی بھی اچھی نہیں ہوتی۔"

وہ اس کے لہجے کی انتہائی درد، اور گڑگڑاہٹ سے بے چین ہو کر غیر ارادی طور پر فوراً بیٹھ گئی۔ جانے اس کی آواز میں کیسا سحر تھا۔ جس نے اُسے بیٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔
"شکریہ! ــــ" آپ نے میری اس خواہش کو تو نہیں ٹھکرایا۔ وہ کھویا ہوا

سلا کھاتی دے رہا تھا۔" آپ کی شکل جتنی دلفریب اور معصوم ہے کاش، طبیعت بھی اتنی معصوم ہوتی۔"

"اس موضوع کو میں پسند نہیں کرتی۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔ وہ اس کی بات سے ایک بار پھر جھلا گئی تھی۔

"آپ جانے کس کو پسند کرتی ہیں اور کس کو ناپسند۔" اس کے لہجے میں معنی خیز طنز تھا۔

"پلیز! کام کی بات کیجیے۔"

"ہونہہ! کام! بس ـــــ" اس نے سختی سے کہا۔ "کاش آپ کے سامنے انسان نہ ہوتے صرف مشینیں ہوتیں۔ جن سے آپ سر ٹکرا ٹکرا کر اکتا جاتیں۔ اور انسانوں سے ملنے کی شدت سے آرزو مند ہوتیں۔"

"شاید آج آپ نے بہکنے کا موڈ بنا لیا ہے! ـــــ" وہ اسے شاکی نظروں سے دیکھ کر بولی۔

یکایک اسے اپنے رویے پر شدید ندامت کا احساس ہوا۔ اور وہ مضطرب ہو گئی۔

"کیا کہا آپ نے! میں بہکنے لگا ہوں ـــــ" وہ رنج و غم میں ڈوب کر بولا۔ اس نے اسے غور سے دیکھا۔

مگر یہ کیا۔ آپ نادم کیوں ہیں۔ آپ کے چہرے پر پشیمانی کا رنگ کیوں پھیل گیا ہے۔"

اس جملے سے وہ کچھ اور سرخ ہو گئی اور بمشکل نظریں اٹھائیں

"معافی چاہتی ہوں۔" اس کے لہجے میں شدید تاسف تھا۔ "مجھے ایسا نہ کہنا چاہیے تھا۔"

"آپ جو بھی چاہے کہہ سکتی ہیں۔ میں تو سرد سلوک کے گھاؤ کھانے کا عادی ہو گیا ہوں۔ شاید زخموں کی زیادتی کی وجہ سے بہک بھی گیا ہوں۔ سوچتا ہوں آج بہک ہی جانا چاہیئے۔ بس جان لیجیے کہ میں آپ کو چاہتا ہوں ـــــ اور تا قیامت چاہتا رہوں گا ـــــ زندگی کے آخری سانس تک ـــــ میں اب کسی کو یہ مقام نہیں دے سکتا۔ جو میں آپ کو دے چکا ہوں۔ آپ میری زندگی کی ایک اہم جز بن گئی ہیں اور زندگی کے لیے ہمسفر سے علیحدگی موت ہوتی ہے"۔ اس نے شدتِ جذبات سے دل کا سارا غبار باہر نکال دیا۔ اور وہ راز عیاں کر دیا جسے چھپانے کی کوشش میں وہ مضمحل، بے چین اور مضطرب رہنے لگا تھا۔ اس نے وہ راز کہہ دیا۔ جس کی نقاب کشائی کے لیے وہ خود میں ہمت نہ پاتا تھا۔ اُسے حوصلے نہ ملتے تھے۔

شبیلہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا ـــــ اس پر سکتہ کا سا عالم طاری ہو گیا۔ اس کے لب لرزے لیکن ان سے کوئی بات نہ نکل سکی۔

زندگی کا کیسا موڑ تھا جس پر وقت نے اسے لا کھڑا کیا تھا۔

سہیل کی بات گرچہ اس کے لیے غیر متوقع نہ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے لب کئی بار یہ بات کہنے کے لیے مچلے ہیں۔ اس نے یہ راز کہنا چاہا ہے۔ لیکن ہر بار اس نے جان بوجھ کر ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا۔ کہ وہ یہ بات دل کے اندرونی گوشوں سے باہر نہ نکال پائے۔ وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس بات کے برملا اظہار کی، یا اسے سننے کی اپنے میں قوت نہیں پاتی تھی۔

سہیل ایک سرمایہ دار خاندان کا لاابالی سا نوجوان تھا۔ اور وہ ایک غریب خاندان کی مجبور اور بے بس لڑکی۔

وہ اپنے آپ کو، اپنے خاندان کو سرمایہ داری کی دہلیز پر جھکا ہوا دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ سیم و زر کی چکاچوند پر اپنے آپ کو قربان کرنا اُسے منظور نہ تھا۔

سہیل بے شک ایک حساس نوجوان تھا لیکن ایک امیر زادے کی محبت اس کا احساس کتنے دن باقی رہے گا۔ اس میں کتنی پائیداری ہو سکتی ہے۔ شبیلہ کسی وقتی جذبے کے تحت مستقبل کے غم خریدنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ اس آگ سے الگ دور ہی رہنا چاہتی تھی۔

اس سے اپنا دامن بچانا چاہتی تھی۔

اگر کبھی اس کے دل میں سہیل کے لیے کوئی جذبہ ابھرنے بھی لگا تھا تو اس نے اُسے سختی سے سُلا دیا تھا۔ اس آواز کو دبا دیا تھا جو کبھی کبھی اس کے دل میں ایک خاموش سی لہر بن کر سرگوشی کرتی تھی۔

"زندگی کو فضول سوچوں کی نذر کر نا نہ چاہیئے!" ـــــ وہ اُسے خیالوں میں گم دیکھ کر بولا۔

"زندگی سوچوں کی مرقع ہی تو ہے!" ـــــ وہ فلسفیانہ انداز میں بولی: "جو لوگ سوچ سمجھ کر قدم نہیں اٹھاتے ہمیشہ ٹھوکر ہی کھاتے ہیں" ـــــ یہ کہہ کر وہ اٹھی اور دروازے کی طرف قدم بڑھانے لگی ـــــ

"سنیئے!" ـــــ وہ پیچھے سے پکارا۔ اس کے قدم رک گئے پھر

"آپ سوچ سمجھ کر جو بھی فیصلہ کریں گی مجھے منظور ہوگا۔ چاہے وہ فیصلہ سن کر مجھے زندگی کی بازی ہار ہی دینا پڑے۔"

"وقت فیصلے خود کر دیتا ہے!" ـــــ اس نے گھومے بغیر کہا۔

"اپنی امانت تو لیتی جائیے!" ـــــ وہ کچھ یاد کرتے ہوئے بولا۔ اس کے قدم رک گئے۔

"کیسی امانت!" ـــــ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ کرسی جو کل آپ ٹیکسی میں بھول گئی تھیں" ـــــ اس نے یاد دلایا۔

وہ آہستہ سے پلٹی۔

"یہ میری نہیں آپ ہی کی ہے ـــــ اسے آپ ہی نے خریدا تھا" وہ سنجیدگی سے بولی اس نے کل جرسی کو فانستہ ٹیکسی میں چھوڑ دیا تھا کہ اگر وہ جرسی گھر لے گئی تو اس سے کئی سوالات کئے جائیں گے۔ اور وہ گھر والوں کو کسی قسم کے شک کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

"مگر خریدا تو آپ کے لیے ہی تھا ـــــ" اس کا لہجہ رنجیدہ تھا۔ اس کی اس مغائرت سے سہیل کے دل پر چوٹ سی لگی تھی۔ وہ اس قسم کے سلوک کا قطعاً متوقع نہ تھا۔ اس کے چہرے پر افسردگی پھیل گئی۔ شبیلہ نے نگاہیں اٹھا کر اس کا جائزہ لیا ـــ اُسے اس کی رنجیدہ حالت سے بہت صدمہ سا پہنچا۔

"اچھا! ـــــ لائیے! ـــــ" وہ نرم لہجے میں بولی "کہیں آپ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ میں اخلاق سے عاری ہوں۔

اس کے ان الفاظ سے سہیل کے چہرے پر چھائے ہوئے افسردگی کے بادل چھٹ گئے۔ اطمینان اور سکون کی لہر دوڑ گئی۔

وہ لجائے لجائے سے پر وقار انداز میں آگے بڑھی۔ اس کے ہاتھوں سے وہ لفافہ لیا جس میں جرسی تھی اور واپس پلٹ کر تیز تیز قدم اٹھاتی باہر آ گئی۔

"آپی! آپ اتنی بن سنور کر کہاں جا رہی ہیں" تصور کے قریب کھڑی ہوئی نجمی نے شبیلہ سے پوچھا۔ اس کے ان الفاظ سے شبیلہ شرما گئی۔ اور اس کے ہلکے سے میک اپ زدہ چہرے پر خفت کی لہر بکھر گئی۔

"اتنی کہاں بنی سنوری ہوں ــــــ" اس نے خفت کو ایک دل کش مسکراہٹ میں چھپا لیا۔ "سادہ سی ساڑی ہے۔ ہلکا سا میک اپ ہے۔"

"ہائے اللہ آپی! ــــــ" وہ بولی۔ "آپ تو اس طرح بھی قیامت دکھائی دے رہی ہیں۔"

تصور مسکرا دیا۔ اور شبیلہ اس کی طرف دیکھ کر شرم و حیا کی تصویر بن گئی۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر نجمی کے گال پہ ہلکی سی تھپکی لگائی۔

"چل شریر کہیں کی۔" اور وہ آگے بڑھ گئی

"بیٹی! کہاں چلی ہو! ــــــ" رابعہ بیگم نے اس کے کمرے میں داخل ہو کر اس سے کہا۔

"امی! ایک جگہ چائے کی پارٹی ہے۔" وہ ماں کو پیار سے دیکھ کر بولی "بس وہیں جا رہی ہوں۔"

"اپنے ابا سے اجازت لے لیا کرو بیٹی! ــــــ" رابعہ بیگم بولیں۔ "تمہارے نہ پوچھ کر جانے سے ان کا دل بُرا سا ہو جاتا ہے۔ وہ گھنٹوں سوچوں میں ڈوبے رہتے ہیں۔"

"امی! ــــــ" وہ بچوں کی طرح اٹھلائی ــــــ "اُن سے اجازت لے کر ہی تو جاتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے بیٹی! ــــــ" یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئیں۔ ان کے پیچھے پیچھے شبیلہ بھی باہر چلی گئی۔ اس نے بڑے پیار کا اظہار کر کے اپنے والد سے جانے کی اجازت لے ہی لی۔ اور باہر آ کر بس پکڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ رنگل مال کے بس اسٹاپ پر اتری اور آہستہ خرامی سے چلتی ہوئی شیزان کے قریب ہونے لگی۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد شیزان کے سامنے اپنی مرسیڈیز کے قریب کھڑا ہوا اُسے راحیل دکھائی دے گیا تھا۔ جیسے وہ بڑی بے تابی سے اس کا منتظر تھا۔

راحیل نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔ لیکن شبیلہ کی طرف سے کسی قسم کی گرمجوشی کا اظہار نہیں ہوا تھا۔

وہ چہرے پر متانت لیے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کی طرف آ رہی تھی۔ چند منٹوں کے بعد وہ اس کے قریب آ کر رک گئی۔

"میں تو سمجھا تھا ــــــ" وہ مسکرا کر بولا ــــــ "شاید آپ نہ آئیں گی" ــــــ

"وعدہ کر لیا تھا ــــــ" وہ آہستگی سے بولی۔ "اس لیے تو آنا پڑا" ــــــ

دونوں آگے پیچھے چلتے شیزان کے گیٹ میں داخل ہوئے۔
آہستہ چلتے ہوئے ایک کارنر والی میز کے گرد بیٹھ گئے۔ خاموش خاموش نگاہیں ایک دوسرے کا جائزہ لیتی رہیں اور جھکتی رہیں ۔۔۔۔ اور جھکتی رہیں ۔۔۔"
"کہیئے" بالآخر وہ خاموشی کا سحر توڑ کر بولی۔ "وہ کون سی باتیں ہیں۔ جن کے لیے آپ نے مجھے یہاں بلایا ہے"۔
وہ اس کے متین انداز سے گھبرا سا گیا۔ اس ایئرکنڈیشنڈ ہال میں بھی اُسے ہلکے سے پسینے کا احساس ہوا۔
"سکون سے بیٹھئے تو سہی ۔۔۔۔" وہ اپنی حالت کو بمشکل قابو کرکے بولا
"باتیں بھی ہو جائیں گی ۔۔۔۔" پھر اس نے سامنے کھڑے ہوئے ایک ویٹر کو اشارے سے بلایا۔
"کہیئے۔ آپ کیا پینا پسند کریں گی"۔
"کسی چیز کی خواہش نہیں ہے"۔
"تکلف کی بھی حد ہوتی ہے"۔
"کہا تو ہے کسی چیز کی ضرورت نہیں"۔
"چائے لے آؤ! ۔۔۔۔" بالآخر اس نے بیرے کو اپنی مرضی سے آرڈر دے دیا۔
"بہتر حضور! ۔۔۔۔" ویٹر ادب سے بولا۔ اور آرڈر کی تکمیل کے لیے چلا گیا۔ اس اثناء میں دونوں کے درمیان خاموشی پھیلی رہی۔ سکوت کے پردے حائل رہے۔ دونوں کچھ سوچ رہے تھے۔ جانے کیسی سوچیں ان کے پردۂ ذہن پر متحرک رہی تھیں۔
"چائے آگئی! ۔۔۔۔ اس کے ساتھ کھانے کے لوازمات بھی آگئے۔

شبیلہ نے چائے بنائی۔ ایک کپ راحیل کے آگے رکھ دیا۔ اور ایک اپنے آگے رکھ لیا۔ جب شبیلہ چائے بنا رہی تھی تو راحیل اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

خاموشی کا سلسلہ اسی طرح قائم رہا۔ ایک الجھن سی چہرے پہ اسی طرح پھیلی رہی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے شبیلہ کو یہاں بلایا تھا۔ یہ خوشگوار فضا منتخب کی تھی۔ مگر وہ کچھ بھی کہنے کی خود میں ہمت نہ پا رہا تھا۔ یہ پُرسکون فضا بھی اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اس کا حوصلہ استوار نہیں کر رہی تھی۔ وہ گھبرا سا گیا تھا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور چائے سے اٹھتی ہوئی گرم بھاپ کی طرف دیکھا وہ بھی بھاپ ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بھاپ کپوں سے اٹھتی ہوئی آڑھی ترچھی لکیروں میں اوپر جاتی تھی اور فضا میں تحلیل ہو جاتی تھی۔

"یہاں کی ہر چیز فانی ہے!" ــــــ وہ دھیمے لہجے میں بڑبڑایا۔

شبیلہ نے نظریں اٹھائیں۔ اسے ایک اپنے دیکھا پھر نظریں جھکالیں۔

"خلوص تو فانی نہیں ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"خلوص بھی فانی ہے۔ جب تک انسان زندہ رہے گا ــــــ خلوص بھی زندہ رہے گا۔ جب انسان فنا ہو جائے گا، خلوص بھی فنا ہو جائے گا ــــــ ہاں البتہ ــــــ" وہ سوچ کر بولا۔ "کہتے ہیں محبت فانی نہیں ہے!ــــــ"

"اگر محبت کو فنا نہیں تو خلوص بھی فانی نہیں ہے ــــــ" وہ شیریں لہجے میں بولی۔ "محبت خدا ہے۔ خلوص بھی خدا ہے ــــــ اور خدا کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔"

"اور اچھا فلسفہ بیان کیا ہے آپ نے ــــــ" وہ اسے تحسین آمیز لہجے میں مخاطب ہوا۔ "مجھے آج اندازہ ہوا۔ آپ بے حد ذہین بھی ہیں۔"

وہ اپنی تعریف پر لجا گئی۔ شرم و حیا کے رنگ اس کے چہرے پر بکھرتے گئے راحیل نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک شفاف مسکراہٹ لہرانے لگی

پھر انہوں نے چائے کے کپ اٹھا لیے۔ اور ایک دوسرے کو چور نظروں سے دیکھتے ہوئے چائے پینے لگے۔ راحیل اپنے دل کی بات کہنے کے لیے کوئی موضوع تلاش کر رہا تھا اور اس سوچ سے پیدا ہونے والا تردد اس کے چہرے کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔

ہوٹلوں سے باہر سڑکوں پر شام کے ہنگامے پرورش پا رہے تھے۔ شام ہوتے ہی انسان کا ہجوم سیر و تفریح کی غرض سے سڑک پر پھیل گیا تھا۔ جو ہر آن بڑھتا ہی جا رہا تھا مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے موسم کچھ سرد سا ہو گیا تھا۔ اور خوشگوار ہوا کے دھیمے دھیمے جھونکے مشامِ جان کو تازہ کر رہے تھے۔

سہیل نے مال کی ایک خوبصورت دوکان کے سامنے اپنی کار روک دی اور اتر کر دوکان کے اندر چلا گیا۔ اسے تشاہدہ کے لیے ٹافیاں خریدنی تھیں، وہ قریب قریب روز ہی شاہدہ کے لیے ٹافیاں لے کر جایا کرتا تھا۔ اسے شاہدہ سے بے حد لگاؤ تھا۔ وہ بھی اسے بہت چاہتی تھی۔ دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کو بہت ہی پیارے لگتے تھے۔ دونوں کی عادتیں ایک جیسی تھیں۔ شوخ اور چنچل۔

اس نے ٹافیوں کا پیکٹ خریدا اور دوسری روسے ہو کر دکان سے باہر آنے لگا۔ وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر اپنی دھن میں مست آ رہا تھا۔

اچانک فاخرہ اس کے آگے آ گئی۔ اس نے نظریں اٹھا کر فاخرہ کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی

"اوہ! آپ! ——" وہ لڑکھڑا سا گیا —— "کیا خریدنے آئی ہیں۔ آپ؟ ——"

"یوں ہی ضرورت کی چند چیزیں ——" وہ موسیقی نواز آواز میں لگاوٹ سے بولی۔

"ضرورت کی چند چیزیں! ——" وہ ہنسا! میک اپ کا سامان!——

اور کیا ہو سکتی ہے آپ کی ضرورت،؟"

"ہوں" وہ ہونٹ بنا کر شرمیلے سے انداز میں بولی

"تو پھر خریدیئے ! —— وہ آگے قدم بڑھا کر بولا "میں تو چلا ——"

"ٹھہریئے ! ——" وہ بولی "ساتھ ہی چلتے ہیں۔"

"مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔" وہ جان چھڑانے کے سے انداز میں بولا "دیر ہو جائے گی۔ خواتین چیزوں کی خرید میں اس طرح گم ہو جاتی ہیں کہ انھیں وقت کا احساس ہی نہیں رہتا۔"

"بڑا تجربہ ہے آپ کو ان باتوں کا ——" وہ مسکرا کر پیار بھرے لہجے میں بولی۔

"ذاتی تجربہ تو کوئی نہیں ہے ——" وہ جھینپ کر بولا "دیکھتے ہی ہیں۔ دکان میں کھڑی کتنی دیر دیر تک خواتین چیزیں خریدتی رہتی ہیں۔ اور ان کی پسند کا لامتناہی سلسلہ ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔"

"گھبرایئے نہیں" وہ پیار سے بولی —— "میری پسند کا سلسلہ جلد ہی ختم ہو جائے گا۔"

"پھر بھی کچھ نہ کچھ تو دیر لگ ہی جائے گی ——" وہ الجھن میں پڑتے ہوئے بولا۔

"جتنی دیر آپ نے باتوں میں لگا دی ہے" وہ مسکرائی "اس سے کم دیر میں فارغ ہو جاؤں گی۔ یہ بات جدا ہے کہ آپ مجھے ساتھ لے جانے سے گریز کرتے ہوں۔"

اس نے برا سا منہ بنایا اور اپنی بات کا ردِ عمل سہیل کے چہرے پر تلاش کرنے لگی۔

وہ اس طنز سے کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔

"آپ کو ساتھ لے جانے میں مجھے کیا عار ہے۔" اس نے اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ "تو پھر آپ جلدی سے فارغ ہو جائیں چلتے ہیں۔"

فاخرہ کے چہرے پر رونق آ گئی اور فرحت و انبساط کے رنگ لہرا گئے اور اسے مسکراتی ہوئی قاتل نگاہوں سے دیکھا۔ پھر وہ آگے بڑھی۔

اور چند ہی لمحوں میں کچھ چیزیں خرید کر واپس پلیٹ آئی۔

"کیوں! ——" وہ مسکرائی —— "جلد ہی فارغ ہو گئی ہوں نا!"

"واقعی! ——" وہ بھی مسکرایا —— "آپ نے بڑی پھرتی کا ثبوت دیا ہے ——"

لفظ پھرتی پر اس نے لجا کر گردن جھکالی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی باہر آ گئی۔

فاخرہ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی اور سہیل نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ گاڑی چل پڑی۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟ ——" وہ کنکھیوں سے دیکھ کر بولی۔

"گھر! ——"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ ——" وہ نشیلے لہجے میں بولی۔ "موسم کتنا سہانا ہے۔ تھوڑی دیر شہزان میں بیٹھتے ہیں۔ لطف رہے گا۔"

"مگر! ——" وہ تذبذب میں پڑ گیا۔

"یہ تو آپ نے بتا دیا ہے کہ کوئی کام نہیں ہے۔" وہ مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ محض گھر جا رہے ہیں۔ مجھ سے جان چھڑانے کے لیے کام کا بہانہ بنا دیا۔ سمجھا آپ نے ——"

وہ آخری جملہ کہتے کہتے سنجیدہ ہو گئی تھی اور وہ شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

جھوٹ نے اُسے پریشان کر دیا تھا۔ اس لیے اسے اب اخلاقاً جھوٹ کی سزا برداشت کرنی تھی۔

"میں تو دراصل آپ سے مذاق کر رہا تھا۔"

وہ ہنس دیا۔ اور گاڑی شیراز کے سامنے روک دی۔

فاخرہ بھی ہنسنے لگی

وہ دروازے سے گزر کر ہال میں داخل ہوئے اور میزوں کی رو کے بیچ چلنے لگے۔ دفعتاً سہیل کی نگاہ راحیل پر پڑی پھر اس سے پھسل کر شبیلہ پر مرتسم ہو گئی۔ اس نے انھیں کونے والی میز پر بیٹھے دیکھ لیا تھا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا۔ اور دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ بے کلی اور اضطراب نے اُسے گھیر لیا۔ اعصاب سنسنانے لگے جسم میں کپکپی سی پیدا ہو گئی،

وہ توقع بھی نہ کر سکتا تھا۔ کہ شبیلہ یوں بے حجابانہ اس کے بڑے بھائی کے ساتھ ہوٹل میں آکر بیٹھ جائے گی۔ پھر یکایک اُسے صدمہ کا شدید احساس ہوا اور دل سے ٹیسیں سی اٹھنے لگیں۔ اس کا چہرہ افسردگی بے چارگی اور بے کسی میں ڈوب گیا۔ وہ مایوسانہ انداز میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اس کے پاؤں بے حد وزنی ہو گئے۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ قدم نہیں اٹھا سکتا۔ اس نے جن راہوں پر شبیلہ کے ساتھ چلنے کا سوچا تھا کیا ان راہوں پر راحیل اس کا ہمسفر بن گیا ہے؟۔

یہ خیال اس کے لیے سوہان روح بننے لگا تھا اور اُسے دل سینے میں ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا وہ پسینے میں شرابور ہو گیا۔ راحیل نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا۔ سہیل کو فاخرہ کے ساتھ دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹوں کے چراغ روشن ہو گئے تھے۔ سہیل اور فاخرہ۔ فاخرہ اور سہیل۔ اچھی جوڑی ہے۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ اس کی قوت تخیلہ کی پرواز کسی اور سمت تھی۔ وہ فاخرہ اور سہیل کی محبت کو محسوس کر کے انھیں اکٹھے ہوٹل میں دیکھ کر مسرور

ہوگیا تھا اور دل سے چاہنے لگا تھا کہ دونوں شریکِ زندگی بن جائیں۔ فاخرہ کے چہرہ پر سوائے شرم و حیا کے اور کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ وہ راحیل کو دیکھ کر شرم و حیا کا پیکر بن گئی تھی۔ اس کے علاوہ اسے اور کسی جذبے سے دوچار نہ ہونا پڑا تھا۔

اور

شبیلہ

اس کا بُرا حال تھا۔ اس نے سہیل کی بدلتی حالت کو بھانپ لیا تھا۔ وہ اسے ہوٹل میں دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ پریشان ہوگئی تھی۔ اس کی رنگت اڑ گئی تھی جسم میں کپکپی طاری ہو گئی تھی، ہونٹ لرزنے لگے تھے پسینہ چہرہ پر تیزی سے اُمڈنے لگا تھا۔ دل کی دھڑکن بہت ہی تیز ہوگئی تھی اسے دو الجھنوں سے سابقہ پڑا تھا۔ ایک تو یہ کہ سہیل اسے راحیل کے ساتھ دیکھ کر غلط فہمی کا شکار ہوگیا تھا۔ دوسرے وہ فاخرہ کو اس کے ساتھ دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ لڑکی کون ہے اور سہیل سے اس کا کیا تعلق ہے؟"

ایک ہی قسم کے جذبے دونوں طرف چل رہے تھے۔

اس نے سہیل کی طرف سے نظریں اٹھا کر پریشانی سے مسکراتے ہوئے راحیل کی طرف دیکھا۔

"کیا آپ سہیل صاحب کے ساتھ والی لڑکی کو جانتے ہیں؟" اس کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکلا۔

"راحیل چونکا اور ادھر سے نگاہیں ہٹا کر اسے دیکھا۔

وہ میری آنٹی کی لڑکی فاخرہ ہے۔ اور سہیل کو بے حد چاہتی ہے۔ وہ شیریں لہجہ میں بولا۔

" اور سہیل؟ اس نے یوں پوچھا جیسے اس کی زندگی کا انحصار اسی سوال کے جواب

پہ ہے۔"

"ظاہر ہے۔ ایک دوسرے کو چاہتے ہی ہوں گے۔" وہ مسکرایا: "چائے پینے اکٹھے ہی ہوٹل میں آئے ہیں۔"

"یہ ضروری تو نہیں ——" اس نے اپنے دل کو ڈھارس دی۔ "اب ہم بھی اکٹھے آئے ہیں۔ ہم میں تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔"

شبیلہ کے اس جواب سے راحیل زور سے چونکا۔ پھر اس کا چہرہ ایک دم —— افسردہ ہو گیا۔ ایک ہی لمحے میں اس کے تصورات کے محلات فنا ہو گئے۔ جو اس نے شبیلہ کے لیے سجائے تھے وہ ارادے ہی مٹ گئے جن سے وہ شبیلہ کو آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ خیال ہی سو گیا جسے وہ شبیلہ کے گوش گزار کرنا چاہتا تھا۔ اسے اپنی محبت کا یقین دلانا چاہتا تھا۔ اسے اپنا بنانے کا احساس دلانا چاہتا تھا۔ وہ تو اس سے لمبی چوڑی باتیں کرنا چاہتا تھا خلوص و وفا کی، محبت اور ایثار کی۔ لیکن شبیلہ کے ایک جملے نے جیسے اس کے سارے عزائم فنا کر دیے تھے۔ اور اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بلندی سے کسی گہرے کھڈ میں گر پڑا ہے۔ اس کا حوصلہ چھن گیا تھا۔ وہ ولولہ ہی سو گیا تھا۔ جسے بروئے کار لا کر وہ اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ خواہشوں، ارمانوں، تمناؤں اور آرزوؤں کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔ وہ اداسیوں میں ڈوب گیا تھا۔ چند ثانیوں بعد اس نے خود کو سنبھالا۔ اور سہیل اور فاخرہ کی طرف دیکھا۔

"یہیں آ جاؤ سہیل ——" اس نے جہاں تک ہو سکا اپنے لہجے کو نرم بنا کر کہا۔ "وہاں کھڑے کیوں رہ گئے۔" اور سہیل راحیل کی آواز کے سہارے اس طرح آگے بڑھا جیسے حالتِ خواب میں چل رہا ہو۔ یا اسے ہپناٹائز کر دیا ہو۔ فاخرہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلدی۔

وہ ان کے قریب جا کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اور ان کے درمیان سکوت کے دبیز

پردے پھیل گئے۔ راحیل نے فاخرہ کا تعارف شبیلہ سے کرایا۔ فاخرہ نے خوشی کا اظہار کیا مگر شبیلہ کا رویہ تاثر خشک سا تھا۔ اس نے کسی طرح کے تپاک کا اظہار نہ کیا تھا۔

تعارف کے بعد پھر خاموشی چھا گئی تھی۔ سہیل پر گہری افسردگی سی مسلط تھی۔ شبیلہ بھی جذباتی کشمکش میں مبتلا تھی۔ اور تلاطم خیز نگاہوں سے فاخرہ اور سہیل کو دیکھتی تھی۔ اس کے چہرے سے دبے دبے غصے اور جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔ راحیل اور فاخرہ بالکل بے پرواہ بیٹھے تھے۔ سہیل ہال میں بیٹھے ہوئے حسین جوڑوں کی طرف نظریں کئے بیٹھا تھا۔ اسے شبیلہ کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ تھا۔ وہ فاخرہ کی موجودگی کو بھی نظر انداز کئے ہوئے تھا۔ اسے سوائے دل میں اٹھنے والا امڈ جزر کے اور کسی قسم کا احساس نہ تھا۔ شبیلہ نے اس کے ارمانوں میں آگ بھڑکا دی تھی۔ اس کے دل کے گلشن کو خزاں آشنا کر دیا تھا۔ اس کی آرزوؤں تمناؤں اور ارمانوں کی کلیوں کو مسل کے رکھ دیا تھا۔ پھول بننے سے پہلے ہی کلیاں خزاں کی نذر ہو گئی تھیں ـــــ



شیزان کا ہال چائے کی اٹھتی ہوئی بھاپ اور گرماگرم بحث ومباحثہ سے دہک رہا تھا۔ جب کہ نجمی اور نفور آہستہ خرامی سے ہال میں داخل ہوئے۔

دونوں سامنے والی سیٹوں پر بیٹھنے لگے تھے بیٹھتے بیٹھتے اچانک نجمی نے شبیلہ کو دیکھا شبیلہ کی نظریں بھی اٹھیں۔ نجمی کی نگاہوں میں خوشی اور شبیلہ کی آنکھوں میں پشیمانی پھیل گئی۔

"آپی! ـــــ" نجمی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ـــــ ـــــ "آپ ـــــ یہاں! ـــــ"

ایک پھیکی سی مسکراہٹ شبیلہ کے ہونٹوں پر پھیلی اور معدوم ہو گئی۔ جس میں ندامت کا عنصر غالب تھا۔

تصور نے مسکراتی ہوئی آنکھوں سے شبیلہ کو حیرت سے دیکھا نجمی کی آواز نے اسے ادھر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"شبیلہ بہن! ـــــــ" وہ متحیرانہ بولا۔ شبیلہ نے اسے شرمیلی شرمیلی نظروں سے دیکھا۔

"حیرت کا اظہار کیوں کر رہے ہو؟ ـــــــ" وہ ندامت کو اپنے اونچے در لطیف لہجے میں چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی؟ ـــــــ "اب آگئے ہو ـــــــ تو اسی میز پر آجاؤ! ـــــــ"

تصور اور نجمی بھی اسی محفل میں شریک ہو گئے۔

محفل جو اداس تھی، غمگین تھی۔ اور جس میں آدمیوں کے اضافے کے ساتھ ساتھ افسردگی پھیلتی جا رہی تھی۔

"یہ کیسی محفل تھی جس میں شامل ہر شخص مغموم اور دل گرفتہ سا نظر آتا تھا۔ جیسے یہاں زبردستی لایا گیا ہو۔ جیسے سزا کے طور پر بٹھایا گیا ہو۔ سب ایک دوسرے کو چور نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ سب اپنے اپنے دل میں پشیمانی اور پریشانی کی لہریں اٹھتی ہوئی محسوس کر رہے تھے۔

ہر ایک شخص دل گرفتہ، مضمحل سا تھا۔

لیکن جذبے ہر ایک کے الگ الگ تھے۔

سہیل کے چہرے سے غصّہ اور غم ہویدا تھا۔ غصہ جو اسے شبیلہ پر تھا، جس نے اس کی نگاہوں کے پیغام کو پذیرائی دینے کی جگہ اس کے بھائی کی محفل میں بیٹھنا پسند کیا تھا۔ غم ـــــــ جو اسے اس بات پہ تھا کہ شبیلہ کے رویے اور کردار نے اسی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اس کے خلوص اور وفا کو مجروح کیا تھا۔

اس کے برعکس راحیل کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ محض اپنے دل میں یہ پریشانی

محسوس کر رہا تھا کہ اس کا چھوٹا بھائی سہیل اس کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا اس نے اپنی روایتی حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے شبیلہ سے بات کرنے کے لیے کسی اور وقت کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

فاخرہ حیران سی کبھی سہیل کی بدلتی ہوئی حالت اور کبھی شبیلہ کو دیکھ لیتی وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پاتی تھی کہ یہ سب کیا ہے۔

اور نجمی اور تصور ــــــ اس بات سے دل گرفتہ تھے کہ چند لمحے باتیں کرنے کا جو موقع انھیں ملا تھا وہ ضائع ہو گیا تھا ــــ لاعلمی۔

سب اپنے ہی خیالات میں کھوئے ہوئے تھے۔

سب اپنی ہی آگ میں جل رہے تھے۔

"چائے لاؤ ــــ" راحیل نے بیرے کو چائے لانے کے لیے کہا۔ اور وہ مودبانہ جھک کر چلا گیا۔

پھر خاموشی پھیل گئی۔

"شبیلہ بہن! ــــ" تصور بولا۔ "ہمیں آپ اشارہ کر دیتیں۔ اکٹھے ہی آجاتے! ــــ" پھر وہ مسکرایا: "انکل نے بڑی مشکل سے اجازت دی ہے ہمیں ــــ"

"چلو! اجازت مل تو گئی نا ــــ" وہ افسردگی سے بولی۔ باتیں کرنے کو اس کا دل نہ چاہ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا۔ جلدی سے تنہائی لے اور وہ چپ چاپ بیٹھی تلخ سوچوں میں گم ہو جائے جو اسے حالات نے عطا کر دی تھیں۔

"آپی! ــــ" نجمی یاد کر کے بولی۔ "وہ چیز سی بہت خوبصورت ہے جو آپ کی سہیلی نے دی ہے۔"

شبیلہ کا رنگ اڑ گیا۔ سہیل سے ایک لمحے کے لیے اس کی نگاہیں ملیں اور پھر جھک

گئیں۔ سہیل کے ہونٹوں پر افسردہ اور شبیلہ کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل کر معدوم ہو گئی۔ کوئی کچھ نہ سمجھ سکا۔ کوئی کچھ نہ جان سکا۔ شبیلہ نے گھر میں کہہ دیا تھا کہ جرسی اس کی سہیلی نے تحفہ میں دی ہے۔ وہ گھر والوں سے بات بات پر جھوٹ بولنے لگی تھی۔ دل کے چور نے اسے کس قدر جھوٹا بنا دیا تھا۔ اس خیال سے اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

"کیا ذکر لے بیٹھی ہو ا ـــــــ" شبیلہ سرد لہجے میں بولی۔ "یہ وقت ایسی باتوں کے لیے نہیں ہے۔"

نجمی خفیف سی ہو گئی اور سہیل نے اسے کربناک نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے دل پر شدید چوٹ پڑی تھی۔ وہ اُسے ہر لحظہ غم بخش رہی تھی۔ رنج دیئے جا رہی تھی۔ اور خود بھی تو رنج و غم کی تپلی بنی ہوئی تھی۔

"شبیلہ بہن! ـــــــ" تصور نے کہا۔ ـــــــ "آپ بڑی اداس اداس سی ہیں ـــــــ"

"کبھی کبھی انسان کو اداس بھی ہو جانا چاہیئے۔" وہ دکھی لہجے میں بولی۔ "اداس ہو کر ہی خوشی کا احساس ہوتا ہے۔"

سہیل نے اسے پھر دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔ لیکن ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ ضرور پھیل گئی۔ جسے محسوس کر کے شبیلہ نے ایک سرد آہ بھری ـــــــ"

بیرہ چائے لے آیا۔

شبیلہ کے اشارے پر نجمی نے چائے بنائی اور اس کا ہاتھ فاخرہ نے بٹایا۔ پھر کپ سب کے آگے پہنچ گئے۔ چائے آہستہ آہستہ پی جانے لگی۔ سہیل کا کپ اسی طرح پڑا رہا۔ فاخرہ نے اسے خیالوں میں کھوئے ہوئے قاتل نظروں سے دیکھا۔ اور ہونٹوں کو ایک دلکش مسکراہٹ سے سجا کر بولی۔

"چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے! ـــــ" اس کی آواز میں بڑا ناز تھا۔

"پیجئے نا ـــــ"

"ہوں! ـــــ" وہ چونکا اور چائے کے کپ کی طرف دیکھنے لگا۔

"پیؤ نا ـــــ" راحیل نے پیار سے کہا "کپ کی طرف کیا دیکھ رہے ہیں"

اس نے ایک نظر اپنے بڑے بھائی کو دیکھا اور بڑے مضمحل انداز میں کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

چائے ختم ہو گئی۔ تھوڑی دیر سکوت رہا۔ سہیل نے سب کی طرف بجھی بجھی نظروں سے دیکھا

"میں جانا چاہتا ہوں ـــــ" اس نے اٹھ کر لاپرواہ انداز میں کہا۔

"بیٹھو! ـــــ" راحیل بولا "سب ہی چلتے ہیں"

"مجھے ضروری کام ہے ـــــ" وہ آہستہ سے بولا۔ فاخرہ بھی اس کے ساتھ ساتھ اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ شبیلہ نے اسے غور سے دیکھا تھا۔ سہیل نے دونوں کو افسردہ نظروں کی زد میں لے لیا تھا۔

"چلو بھئی! ـــــ" راحیل بولا "سب ہی چلتے ہیں"

اس نے ویٹر کو اشارے سے بلایا۔ وہ آگیا۔

"بل لاؤ!" ـــــ ویٹر بل لانے چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پلیٹ میں رکھ کر وہ بل لے آیا۔ راحیل نے بل ادا کیا۔ اور وہ باہر آ گئے بجمی اور شبیلہ پیچھے پیچھے تھیں۔

"آپی! ـــــ" بجمی نے سرگوشی کی۔

"ہوں! ـــــ" شبیلہ نے اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ کون تھا؟ ـــــ" وہ مسکرائی "جس کے ساتھ آپ بیٹھی تھیں۔

"اس فرم کا مالک ـــــــــ" اس نے اس کی طرف سے نظریں ہٹا کر کہا۔ "جس میں میں ملازم ہوں اور جس کا نام سہیل تھا وہ اس کا چھوٹا بھائی تھا۔

"آپ ہی ایسـ" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ "آپ کی فرم کا مالک بے بڑا خوبصورت!ـ"

"نجمی!ـ" شبیلہ نے اسے بڑے پیار سے ڈانٹا۔ "تم کس غلط فہمی میں پڑ گئی ہو۔"

"نجمی!ـ" خاموشی سے مسکرانے لگی۔

گاڑی کے قریب رک کر راحیل نے ان کی طرف دیکھا۔

"ارے بھئی آپ ـــــــ" وہ بولا۔ "پیچھے رہ کر کیا سازشیں کر رہی ہیں آپ ہے اِنا ـ"

"ہاں ـــ" تصور نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اب آ بھی جائیے!"

"چلیے۔ بیٹھیے!" راحیل نے اخلاق سے کہا۔

"ہم ٹیکسی میں جائیں گےـــ" وہ سرد لہجے میں بولی ـــــ "شکریہ!"

راحیل کے کئی بار کے اصرار کے باوجود اس نے انکار کر دیا۔

سہیل اپنی گاڑی تک پہنچا۔ اس کے چہرے پر گہرے تلخ تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ جنہیں دیکھ کر شبیلہ کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ ایک یاس سی اس کے چہرے پر مسلط ہو گئی تھی۔

چند لمحے اس نے اپنی گاڑی کے قریب کھڑے ہو کر شبیلہ کی طرف اداس نظروں سے دیکھا۔ اور اس کی نظروں کی تاب نہ لا کر وہ گھبرا گئی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔

تصور نے یہ سب کچھ دیکھا ـــ لیکن چپ رہا ـــ نجمی لاتعلق سی کھڑی تھی۔

ایک سحر تھا جس میں سب اسیر تھے۔

اس اثنا میں فاخرہ نے راحیل کے قریب ہو کر آہستہ سے پوچھا۔

"بھائی جان! یہ شبیلہ صاحبہ کون ہیں؟"

"ہمارے دفتر کی ایک کارکن! ــــــ" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

راحیل نے دیکھا فاخرہ کے لبوں کی پنکھڑیاں کچھ کھل کھل اٹھیں نہ جانے اس تبسم میں طنز تھا یا خوشی؟

سہیل ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ فاخرہ تیزی سے قریب آئی اور دروازہ کھول کر اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور ایک جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی اور دیکھتے ہی دیکھتے تیز رفتاری اختیار کر گئی۔ جو سہیل کے دل میں ابھرنے والے جوش کی غماز تھی۔ اس کے جانے کے بعد شبیلہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ اور آگے بڑھ کر ایک ٹیکسی روک لی۔

اس نے بجھے بجھے انداز میں راحیل کو الوداع کہا۔ اور تصوّر اور نجمی کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔

ڈنر کے بعد افتخار احمد اپنی خواب گاہ میں بے قراری سے ٹہل رہے تھے رات کے نو بج چکے تھے۔ ان کے چار یار طرز پر سجے ہوئے کمرے میں تیز روشنی ہو رہی تھی ان کے قدموں کے انداز سے یوں لگتا تھا۔ جیسے وہ کسی بہت بڑی الجھن میں گرفتار ہوں اور الجھن نہ سلجھ رہی ہو۔ ان کے چہرے پر غور و فکر کی لکیریں پھیلی ہوئی تھیں جن سے تشویشناک تاثرات جھلکتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ وہ ایک جگہ رک کر چند ثانیوں کے لیے سوچتے اور پھر چل پڑتے۔ قیمتی قالین پر ان کے قدم بے آواز پڑتے تھے۔ جن سے ان کی سوچ کے سلسلے کو ذرا بھی ضرب نہ پہنچتی تھی۔ اور وہ سوچتے ہی چلے جا رہے تھے۔ اچانک رکے اور ان کے چہرے سے یوں لگا جیسے وہ کسی فیصلے پر پہنچ گئے ہوں۔

وہ دروازے کی طرف آئے اور دروازہ کھول دیا۔

"فضلو! ــــــ" انہوں نے نوکر کو بلند آواز میں پکارا! "فضلو! ــــــ"

فضلو! ــــــ"

"چند لمحوں بعد پیچھے سے نوکر کی آواز آئی۔

"آیا حضور! ـــــ" وہ آہستہ آہستہ گول زینہ چڑھ کر اوپر آگیا۔ اور ان کے کمرے میں آکر ادب سے کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے باوقار انداز میں فضلو کو دیکھا۔

"راحیل اور سہیل گھر میں ہیں ـــــ؟" وہ پُر رعب آواز میں اس سے بولے۔

"جی حضور! ـــــ" وہ مؤدبانہ بولا ـــــ "اپنے اپنے کمرے میں ہیں! ـــــ"

"جاؤ! ـــــ" اُن کا لہجہ تمکنت لیے ہوئے تھا۔ "انھیں میرے کمرے میں بھیج دو۔"

نوکر کے جانے کے چند منٹوں بعد راحیل اور سہیل سلیپنگ ڈریس میں ملبوس اپنے ڈیڈی کے کمرے میں آموجود ہوئے۔"

"فرمائیے! ڈیڈی!" وہ یک زبان ہو کر بولے۔

"بیٹھو میرے بچو! ـــــ" وہ گہرے پیار کا اظہار کر کے بولے۔ وہ صوفوں پر بیٹھ گئے۔ افتخار احمد ان کے سامنے بیٹھے تھے۔ ان کے درمیان سکوت پھیلا ہوا تھا۔ راحیل کا چہرہ ہشاش بشاش تھا۔ مگر سہیل کے چہرے پر رنج و غم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ گو وہ کسی رنجیدہ سے رنجیدہ واقع کا بھی زیادہ تاثر لینے کا عادی نہیں تھا۔ مگر شبیلہ کی بے حسی، بے رخی، اس کے بھائی سے تنہائی میں اس کی ملاقات نے اسے بہت ہی دل برداشتہ کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ اس کے لیے ایک حادثے سے کم نہیں تھا۔ اور حادثوں کے اثر جلد زائل نہیں ہوتے۔

افتخار احمد نے گہری نظروں سے یکے بعد دیگرے دونوں کے چہرے پر دیکھا پھر ان کی نظریں سہیل کے چہرے پر مرتسم ہو گئیں، اور سہیل نے سر جھکا لیا۔ اُسے ان کی نظریں استفہامیہ محسوس ہوئیں۔

"سہیل بیٹے!" وہ بڑے پیار سے مرتعش آواز میں بولے۔ "اتنے افسردہ کیوں ہو؟"

وہ افتخار احمد کے اس محبت آگیں استفسار پر کانپ گیا اور سمٹ کر بیٹھ گیا۔ اور اپنی طرف سے اپنے چہرے کو خوشگوار بنانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

"میں افسردہ تو نہیں ہوں ڈیڈی!" اس نے ہونٹوں کو زبردستی مسکراہٹ آشنا کیا ——

"تو میری نظروں کو دھوکہ ہوا ہے کیا؟ —— " پھر انھوں نے پہلو بدل کر راحیل کی طرف دیکھا۔ کیوں راحیل بیٹے! تمہارا چھوٹا بھائی رنجیدہ دکھائی دیتا ہے نا؟"

راحیل نے نظریں پھیر کر غور سے سہیل کو دیکھا اور مسکرایا۔

"لگتا تو یونہی ہے ڈیڈی۔"

سہیل نے اپنے بھائی کو پھیکی پھیکی نظروں سے دیکھا۔ اور پھر اس کے دیکھنے پر نظریں جھکا لیں۔

"خوش رہا کرو میرے بچو!" وہ پیار سے بولے۔ تمہیں خوش دیکھ کر ہی مجھے راحت نصیب ہو سکتی ہے۔"

پھر وہ خاموش ہو گئے اور سوچنے کے سے انداز میں باری باری بیٹھے بیٹے سہیل اور راحیل کو دیکھتے رہے۔ جب خاموشی ذرا طویل ہو گئی تو انھوں نے کسلمندانہ انداز میں صوفے پر پہلو بدلا۔

"میرے بچو! ——" وہ ذرا رکے اور پھر بولے۔ "میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے۔ کہ میں نے آج دونوں ٹیکسٹائل ملیں فروخت کر دی ہیں۔"

اس خبر سے دونوں زور سے چونکے۔ اور مستفسرانہ انداز سے اپنے والد کی طرف

دیکھنے لگے۔

"میں چاہتا ہوں ——— " وہ گلا صاف کر کے کہنے لگے۔

"میں چاہتا ہوں۔ دو چھوٹی چھوٹی ملوں کے بجائے ایک بہت وسیع مل کیوں نہ بنائی جائے۔ اور اس کے لیے میں نے جگہ کا بھی بندوبست کر لیا ہے:"

یہ سُن کر دونوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور اُن کے چہروں سے سکون ظاہر ہونے لگا۔

"تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے میرے بچّو! ——— وہ محبت بھری آواز میں بولے۔

"ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے ڈیڈی! ——— " وہ ملائم لہجے میں بولے "جو کچھ آپ کریں گے بھلے کے لیے ہی کریں گے:"

پھر انہوں نے سہیل کی طرف دیکھا

"تمہاری کیا رائے ہے سہیل بیٹے!" ———

"میری رائے ——— " وہ سنجیدگی سے بولا۔ "جو آپ کی رائے ہے بس ———"

"ڈیڈی آپ کاروبار کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ آپ کا جو بھی قدم اُٹھے گا وہ صحیح اُٹھے گا۔" راحیل اپنے ڈیڈی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ہماری فرم بھی آپ کے زیرِ سایہ ہی چل رہی ہے "

"اور علیٰ بھی ایسے ہی رہے گی ——— " وہ تھوڑی دیر رک کر بولے۔ جب تک بڑی مل تیار نہیں ہو جاتی میں فرم کا تمام کاروبار اور روپیہ پیسہ اپنے تحویل میں لے لوں گا۔ تاکہ کاروبار میں اور اچھے پیمانہ پر اضافہ کیا جا سکے

"یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے ڈیڈی۔ راحیل مسکرا کر بولا۔ اور ان

کے چہرے پر ایک مشفقانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

پھر راحیل اور سہیل اجازت لے کر اپنے اپنے کمرے میں آگئے۔ جب وہ اپنے اپنے بیڈ پر لیٹے تو ان کے ذہن سے کاروباری معاملات خارج ہو چکے تھے۔ اور شبیلہ کی رعنائیوں سے بھرپور شبیہہ بار بار ذہن کے پردے پر منعکس ہو رہی تھی۔ اس دل فریب عکس سے راحیل کو سرور حاصل ہو رہا تھا۔ اور سہیل کو انتہائی دکھ اور بے کلی و بے چینی کا احساس۔ وہ رنج و غم میں ڈوبے ڈوب جاتا تھا۔ شبیلہ نے اس کے بھائی کے ساتھ ہوٹل میں جا کر اس کی تمام امیدوں اور آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا تھا۔ اس کی حسرتوں کو پامال کر دیا تھا۔ اس کی خواہشوں ارمانوں کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ اور وہ اس راکھ میں محبت کی چنگاریاں ڈھونڈ رہا تھا۔ جو اسے مل نہ رہی تھیں۔ راکھ ہی راکھ اس کے سامنے پھیلی پڑی تھی۔

رات گزرتی رہی
اس کے دل کی طرح
حسرتوں میں ڈوبی ہوئی۔
بے چین اور بے کل سی۔

بجھی بجھی سی۔ آخر صبح کاذب جھانکنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی وہ نیند کی کرناک وادیوں میں پہنچ گیا۔ نیند میں بھی اس کے چہرے پر رنج و غم کی دھند پھیلی ہی رہی اور گہری ہوتی گئی جیسے نیند میں بھی لاشعور اسے اذیتیں پہنچا رہا ہو۔

شبنیلہ سہیل کے کمرے میں داخل ہوئی تھی اور اُسے گہری نظروں سے دیکھا
سہیل کو دیکھ کر اُسے یوں لگا جیسے وہ بیمار ہو۔ جیسے محض ایک ہی رات میں اُسے کوئی مرض
لاحق ہو گیا ہو۔ اس کی اڑی اڑی رنگت اور گہرے رنج میں ڈوبا ہوا چہرہ دیکھ کر اس
کے دل پر چوٹ پڑی اور ہوک سی اٹھی۔ اس کا دل درد و غم سے بھر گیا۔ ایک شوخ
و شریر نوجوان کی اتنی ابتر حالت ہو گئی تھی۔ وہ اتنا غمگین ہو گیا تھا۔ جب وہ فاخرہ
سے محبت کرتا ہے تو پھر اُسے کون سے دکھ تھے جن کی چبھن سے اس کی حالت اتنی
پژمردہ ہو گئی تھی۔ وہ بجھ سا گیا تھا۔ کمہلائے ہوئے پھول کی طرح ہو گیا تھا۔

اس کی اپنی حالت بھی تو مختلف نہ تھی۔ اس کے دل کو بھی تو روگ لگ گیا
تھا۔ وہ بھی تو اس مرض سے نہ بچ سکی تھی جس میں سہیل مبتلا تھا۔ سہیل نے تو کچھ دیر
نیند لے بھی لی تھی۔ وہ تو تمام رات ایک خمار آلود انگڑائی بھی نہ لے سکی تھی۔ نیند پلکوں
میں نیند کا ایک ہلکا سا ہلکورہ بھی نہ آیا تھا۔ احساس ذرا بھی غنودگی مائل نہ ہوا تھا۔
بے چینی، اضطراب، اضمحلال، تھکن اور کسلمندی کے علاوہ احساس کچھ اور ظاہر ہی نہ کر سکا

تھا. پریشانیاں، الجھنیں اور تذبذب اس کے ذہن کی آماجگاہ بن کر رہ گیا تھا تلخیاں اور ڈھیروں رنجیدہ خیال اسے مل گئے تھے.

قدموں کی آہٹ سے سہیل نے رنج وغم میں ڈوبی ہوئی نگاہیں اٹھائیں اور اسے قریب آتے ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگا. وہ اس کے قریب آکر رک گئی.

"یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟" جانے اسے کیسے جراءت مل گئی "یوں لگ رہا ہے جیسے آپ مریض ہوں."

سہیل کے ہونٹوں پر ارمانوں کی چیخ بن کر ایک تلخ مسکراہٹ بکھیل گئی اور اس نے کربناک نظروں سے اسے دیکھا.

"آپ ہی نے مریض بنایا ہے" وہ تڑپ کر بولا.

"میں نے یا فاخرہ نے!" اس کا لہجہ تلخ تھا.

"شبیلہ!" وہ گرم لیکن غمناک نظروں سے اسے دیکھ کر بولا. "فاخرہ سے میرا کیا واسطہ. فاخرہ کو الزام نہ دو. اس جرم کی مرتکب آپ ہیں صرف آپ!"

"ہونہہ!" وہ تلخی سے مسکرائی. "فاخرہ سے زندگی کے سودے ہو گئے ہیں. اور مرض ہمیں نے لگایا ہے. خوب! الزام تراشی ہو تو اس طرح کی ہو."

"مجھے فاخرہ سے کوئی سروکار نہیں" وہ بے حد رنجیدہ ہو رہا تھا "میرا اس سے کوئی تعلق نہیں! اور آپ......"

"اور ــــ میں ــــ" وہ جلدی سے بات کاٹ کر بولی ــــ کیا ہوں میں ــــ

"بے حس پتھر کا ٹکڑا!" وہ تلخ لہجے میں بولا. "دعا ہو مجھ سے ہوا اور وقت نے فیصلہ راحیل کے حق میں کر دیا ــــ منزلیں میرے سامنے آنی چاہئیں تھیں ــــ اور آگئیں راحیل کے سامنے ــــ یہ ہیں آپ!"

"شک ــــ غلط فہمی ــــ وہ بے چین ہو کر بولی۔ اس کا علاج کون کر سکتا ہے آپ تو ہیں ہی شکی مزاج انسان۔ میں آپ کو یقین بھی دلاؤں تو یقین نہ آئے گا۔ باس نے التجا کر کے مجھے شیراز میں بلایا تھا اور میں ایک شریف انسان کی التجا ٹھکرانا نہیں چاہتی تھی۔ یہ چلی گئی۔ میرا ان سے صرف اتنا ہی تعلق ہے کہ میں ان کی فرم کی ملازم ہوں۔ میں ہواؤں میں اڑنے کے خواب دیکھنے کی عادی نہیں ہوں۔ اور نہ ہی میں ایسے خواب دیکھنا پسند کرتی ہوں۔ مجھے اپنی حیثیت کا علم ہے اسی لیے میں آپ کو۔۔۔۔"

اس کی آواز ایک دم بھرا گئی۔ میں آپ کو اپنے دل کا حال نہ بتا سکی۔ آپ کو فاخرہ مبارک ہو۔ آپ کی محبت پھلے پھولے اور بقول آپا کے بھائی کے آپ اور فاخرہ دونوں ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے ہیں یہ محبت آہستہ آہستہ شدت ہی اختیار کرتی چلی جائے۔ اضافہ ہی ہوتا رہے۔ ــــ میں جا رہی ہوں ــــ اب کبھی آپ کی راہوں میں آکر آپ کو دکھ پہنچاؤں گی۔ کبھی غلط فہمیوں کا باعث نہ بنوں گی۔ آج سے میری ملازمت ختم سمجھئے۔ اور یہ قصہ ہی ختم سمجھئے۔ وقت نے میرے خلاف فیصلہ دے دیا ہے۔ مجھ ناکردہ گناہوں کو مورد الزام ٹھہرایا ہے۔ راہوں میں آنے والی بیشمار مسرتیں مجھ سے منہ موڑ گئی ہیں۔ میں بدقسمت ہوں۔ بدنصیب ہوں۔ شاید مجھے کبھی خوشیاں میسر نہ آسکیں گی۔ میں شاید پیدا ہی رنج اٹھانے کے لیے ہوئی ہوں۔ مگر اب کبھی آپ کو میری طرف سے رنج نہ ملیں گے کبھی بھی نہیں۔ بالکل نہیں۔"

وہ شدت جذبات سے لرزتی۔ آنسو بہاتی ہوئی مڑی اور تیز تیز قدم اٹھاتی دروازے کی طرف جانے لگی۔

"شبیلہ ــــ!" سہیل کے ارمان چیخ بن کر منہ سے نکلے اور درد بن کر گونجے۔

"ٹھہرو شبیلہ! ٹھہرو!"

شبیلہ تیر کی طرح دروازے سے نکلی اور چلی گئی۔ اس نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ اور

وہ دل پکڑ کر سپلیکے گلدستے والی کرسی پر کٹی ہوئی شاخ کی طرح گرا۔

"شبیلہ! ـــــ" وہ گہرے رنج سے بڑبڑایا۔ شبیلہ! شبیلہ یہ تم نے کیا کر دیا۔ یہ کیسا فیصلہ ہے۔ جو وقت دے رہا ہے۔ بے شمار منزلوں کے بیچ آنے والی یہ کیسی منزل ہے جو دکھ ہی دکھ سمیٹ کر جھولی میں ڈال رہی ہے۔ اور جس نے میری محبت کا دامن کانٹوں سے بھر دیا ہے۔"

وہ بڑبڑا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

شبیلہ نے اپنی سیٹ تک پہنچتے پہنچتے آنسو پونچھ لیے تھے۔ اس نے پرس اٹھا لیا اور چل پڑی۔ عملے نے اسے عجیب سی نظروں سے گھورا۔ مگر اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ جس وقت وہ راحیل کے دفتر کے آگے سے نکل رہی تھی تو وہ کسی کام سے باہر نکل رہا تھا اس نے غمگین آنکھوں سے شبیلہ کو باہر کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ اس کے سامنے آگیا۔

"آپ جا رہی ہیں؟" اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔ کیا آپ نے استعفیٰ واپس نہ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

"جی ہاں!" وہ گہرے غم سے بولی۔ "میرا فیصلہ اٹل ہے۔"

راحیل اس کی بے اعتنائی، بے رخی اور سرد مہری سے بھونچکا رہ گیا۔ وہ اس وقت ہی چونکا۔ جب وہ فرم کے مین گیٹ سے باہر نکل کر سڑک پر جا چکی تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ اور واپس دفتر میں داخل ہو گیا۔ اس کے بشاش چہرے پر گہرے رنج و غم کے تاثرات قبضہ کر چکے تھے۔

شبیلہ مضمحل انداز میں دروازے سے گزر کر صحن میں آئی اور پھر سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور پلنگ پر گر کر سسکیاں بھرنے لگی۔ وہ تکیے پر سر رکھ کر رو رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں سے تکیہ بھیگنے لگا تھا۔ اس کا گداز جسم ہولے ہولے انداز میں مرتعش تھا۔ حالات ہی ایسے رخ پر پہنچ گئے تھے جنہوں نے اسے سسکیاں لے کر رونے پر مجبور کر دیا تھا

وہ آنسو تھے کہ اُمڈے ہی چلے آ رہے تھے۔ سسکیاں تھیں کہ ابھرتی ہی چلی جا رہی تھیں
باورچی خانے کی طرف جاتی ہوئی رابعہ بیگم نے اُسے تھکے تھکے سے انداز میں اپنے
کمرے میں گھستے دیکھ لیا تھا شاید۔ اسے دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ وہ اتنی پریشان کیوں ہے۔ وہ
اس کے پیچھے ہی کمرے میں آ گئی تھیں اور اسے اس حالت میں پڑے ہوئے دیکھ کر تڑپ گئی تھیں۔ پھر وہ کہنے لگیں۔

"رو رہی ہو بیٹی! ـــــ" وہ ممتا بھرے لہجے میں بولیں ـــــ "کیا ہوا؟"

وہ اُن کی ممتا اور ہمدردی سے اور زیادہ آنسو بہانے لگی۔ اس کی ہچکیاں
بلند ہو گئیں۔ نہ اس نے سر اٹھایا اور نہ جواب دیا۔

رابعہ بیگم بڑے شفقت بھرے انداز میں اس کے قریب بیٹھ گئیں۔ اور اس کے
بالوں میں محبت سے انگلیاں پھیرنے لگیں۔

"اپنی امی کو کچھ نہیں بتاؤ گی بیٹی! ـــــ" ان کے لہجے میں ممتا کی لرزش تھی
"آخر ہوا کیا ہے۔ جو رو رہی ہو؟"

دروازہ کھلا دیکھ کر ارشاد احمد بھی سیدھے اس کمرے میں چلے آئے تھے۔ وہ ڈاکٹر
کے پاس سے ہو کر واپس آئے تھے۔ وہ بھی یہ حالت دیکھ کر مضطرب و بے چین ہو گئے
تھے۔ اُن کے چہرے سے اداسی جھانکنے لگی تھی۔ انہوں نے اپنی بیگم کی بات سُن لی
تھی۔

"بتا دو نا بیٹی! ـــــ" وہ پیار سے بولے "وہ کیا غم ہے جس نے تمہیں
رونے پر مجبور کر دیا ہے۔ کونسا ایسا صدمہ پہنچا ہے جس نے تمہارا یہ حال کر دیا ہے؟"

والد کی آواز سُن کر زور سے چونکی اور تکیے سے آنسوؤں میں بھیگا ہوا چہرہ اٹھایا
اس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے گلاب کی کلیاں شبنم میں نہا گئی ہوں

"ابا جان! ـــــ میری سہیلی ـــــ" وہ روتے ہوئے بولی۔

"کیا ہوا تمہاری سہیلی کو ـــــ" وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی۔

مضطرب سی آواز میں بولے۔ رابعہ بیگم بھی کچھ گھبرائی گھبرائی سی لگ رہی تھیں۔

"ہاں بیٹی! کیا ہوا تمہاری سہیلی کو ———" رابعہ بیگم کے لہجے میں حیرت اور پریشانی تھی۔

"اسے اس کی بہن آکر لے گئی ہے ———" وہ آنسو پیتے ہوئے بولی۔ رابعہ بیگم اور ارشاد احمد نے ایک گہرا سانس لیا۔ اور ان کے چہرے طمانیت آمیز تاثرات میں ڈوب گئے۔

"یہ تو اس نے اچھا ہی کیا ———" ارشاد احمد پیار سے بولے۔ "جو وہ اپنی بہن کو لے گئی۔ اب اس کا علاج اپنی نظروں کے سامنے کرا سکے گی۔"

"ابا جان! ———" وہ روتے ہوئے بڑی خوبصورتی کے ساتھ جھوٹ بولے جا رہی تھی ——— اپنے رونے کا کوئی افسانہ بھی تو آخر گھر والوں کو سنانا تھا۔ "مگر وہ تو اب بالکل تندرست ہو گئی ہے۔"

"پھر رونے کی کیا بات ہے ———" رابعہ بیگم مسکرائیں۔ "تمہاری سہیلی چند دن اپنی بہن کے پاس رہنے کے بعد پھر واپس آجائے گی۔" یہ کہہ کر وہ بڑے محبت بھرے انداز میں اپنے آنچل سے اس کے آنسو پونچھنے لگیں۔

کچھ دیر بعد آنسو اس کی پلکوں میں خشک ہو گئے۔ مگر گہرے ذہنی خلفشار کے تاثرات اور اداسی چہرے پر پھیلی ہوئی تھی جس میں ہر دم اضافہ ہی ہو رہا تھا۔ اپنے والدین کے سامنے بار بار جھوٹ پر بھی اس کا ضمیر اس کو ملامت کر رہا تھا۔ اسے دُہرے صدمے اٹھانے پڑتے تھے۔ جان لیوا تلخیاں برداشت کرنی پڑ رہی تھیں۔

"اٹھو بیٹی! ———" ارشاد احمد پرشفقت انداز میں بولے۔ "اپنی امی کے ساتھ باورچی خانے میں جا کر دوپہر کا کھانا تیار کر دو۔ مجی کالج سے آکر کھانا مانگے گی۔ نصو بھی بھوکا آئے گا۔"

اس نے والد کو اندوہناک نگاہوں سے دیکھا۔ اور ان کے حکم کی تعمیل میں اپنی امّی کے ساتھ چلتی ہوئی باورچی خانے میں آ گئی۔ خیالوں میں ڈوب ڈوب کر پریشان انداز میں اس نے کھانا تیار کیا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے دھند سی پھیل رہی تھی ——

دھند —— خیالات اور تصوّرات کی دھند جس میں سہیل کا اداس چہرہ اُبھرتا رہا، مٹتا رہا۔

"زاویے پھیلتے رہے ——

اُبھرتے رہے ——

——————

شبیلہ نے گھر سے باہر آنا جانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ وہ سوچوں میں ڈوبی ہوئی
ایک ہی جگہ بیٹھی رہتی۔ کسی کے بلانے پر ہی چونکتی اور افسردہ چہرے کے ساتھ ہونٹوں پر
پھیکی پھیکی مسکراہٹ لیے مخاطب کی طرف پریشانی اور حیرت سے دیکھنے لگتی۔ اس کے
دوبارہ بولنے پر ہی وہ اس کی بات کو سمجھتی اس کی حالت روز بروز گرتی ہی جا رہی
تھی۔ اس کے دل کے ایوانوں میں پریشانیوں نے بسیرا کر لیا تھا۔ اس کی آرزوؤں کے
گلستان میں خزاں رسیدہ ہوائیں سسکیاں بھر رہی تھیں۔ اور تمناؤں کی پھلواری جل کر
راکھ ہو گئی تھی۔ اس دن رات گزر رہے تھے۔

نصور کیس جیت کر واپس جا چکا تھا۔ فیصلہ اس کے حق میں ہوا تھا جس روز فیصلہ
ہوا تھا۔ اس نے بڑی مسرت سے انہیں مٹھائی کھلائی تھی شبیلہ کی افسردہ حالت دیکھ
کر اس نے ہمدردی کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا۔

" شبیلہ بہن! آپ کو جانے دو چار روز سے کیا ہو گیا ہے۔ آپ بہت ہی پریشان
رہنے لگی ہیں۔ افسردگیاں اور اداسیاں ہر وقت چہرے سے جھانکتی رہتی ہیں۔ آپ کو

خوش رہنا چاہیئے! بہت ہی خوش ؟

مگر خوشیاں تو جیسے اس سے ہمیشہ کے لیے روٹھ گئی تھیں۔ سہیل کے تصور نے اس کی خوشیاں جیسے ہمیشہ کے لیے لوٹ لی تھیں۔ جیسے وہ اب کبھی نہ مسکرا سکے گی۔ کبھی اس کے گلستاں میں بہار نہ آئے گی۔ کبھی اس کی آرزوئیں خوشی کا پیغام نہ محسوس کر سکیں گی۔ کبھی اس کی تمناؤں کے پھول نہ کھل سکیں گے۔ اس پر مایوسی اور قنوطیت سی چھائی چلی جا رہی تھی۔

تصور نجمی سے ہمیشہ ساتھ ساتھ رہنے کے عہد و پیمان کر کے چلا گیا تھا۔ اس کے ساتھ پیار کے اٹوٹ بندھن باندھ کر چلا گیا تھا۔ اسے اپنی وفا کا یقین دلا کر چلا گیا تھا۔ اور نجمی اس کے دیئے ہوئے رنگین تصورات کے سہارے زندگی گزارتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے انگ انگ سے مستی اور مسرتوں کا اظہار ہوتا تھا۔ مگر جب اس کی نگاہ اپنی آپی کی طرف جاتی تھی تو اس کے دل سے ہوک سی اٹھتی تھی۔ اور مسرتیں اس کے چہرے سے مفقود سی ہو جاتی تھیں۔ اور وہ اداس اداس سی دکھائی دینے لگتی تھی لیکن پھر تصور کا حسین خیال اسے مسکرانے پر مجبور کر دیتا تھا۔ اس کے چہرے پر خوشیوں کا حسین عکس ابھر آتا تھا پھیل جاتا تھا۔ وہ از خود رفتگی کے عالم میں سب کچھ بھول بھال اور سب کام چھوڑ چھاڑ اپنے کمرے میں چلی جاتی تھی۔ اور اٹیچی کیس سے تصور کا فوٹو نکال کر بڑے والہانہ انداز میں اسے دیکھنے لگتی تھی۔ اور بڑی دیر تک بیٹھی اسے دیکھتی رہتی تھی۔

ارشاد احمد مکمل طور پر صحت یاب ہو کر بنک جانے لگے تھے۔ ان کے تندرست ہو جانے سے گھر کی تمام سوئی ہوئی مسرتیں بیدار ہو گئی تھیں۔ اور سکون کا بسیرا ہو گیا تھا۔ شبیلہ کے اداس چہرے کے علاوہ اس چھوٹے سے گھر میں اور کسی طرح کی پریشانی دکھائی نہ دیتی تھی۔ ڈاکٹر کا بل چکایا جا چکا تھا۔ نجمی اب بھی کبھی کبھی ڈاکٹر کے بیوی بچوں سے ملنے کے لیے جایا کرتی تھی۔ اور وہ اسے دیکھ کر باغ باغ ہو جایا کرتے تھے۔ بچے اسے اپنی باجی

جانتے تھے۔ اور اس سے بہت گھل مل گئے تھے۔ اس سے میٹھی میٹھی، ننھی منی اور پیاری پیاری باتیں کیا کرتے تھے۔ وہ بھی انھیں بچوں کے سے انداز میں بنا کر خوب ہنسایا کرتی تھی۔ اور خود بھی قہقہہ لگایا کرتی تھی۔ دوسرے تیسرے روز تصور کے خلوص بھرے خطوط آتے رہتے تھے۔ اور اسے بڑی محبت اور پیار سے جواب دیئے جاتے تھے۔ اور ارشاد احمد اسے خود اپنے ہاتھ سے جواب لکھتے تھے۔ زندگی بڑے اچھے لمحات میں بسر ہو رہی تھی۔

ایک شام وہ چائے سے فارغ ہو کر ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف تھے۔ محفل ارشاد احمد کے کمرے میں جمی ہوئی تھی۔ نجمی بڑے خوشگوار موڈ میں تھی مگر شبیلہ کے چہرے پر حسب معمول افسردگیاں منڈلا رہی تھیں۔ نجمی نے اس کے چہرے کو غور دیکھا۔ اور اس کا خوشگوار تاثرات ظاہر کرتا ہوا چہرہ تاریک سا ہو گیا۔

"آپی جب سے آپ نے ملازمت ترک کی ہے ایک لمحہ بھی خوشی کا نہیں دیکھا" نجمی کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔ شبیلہ زور سے چونکی۔ اس نے اپنے اندوہناک خیالوں سے نکل کر نجمی کو پریشانی سے گھورا۔ نجمی کو بھی اپنی بے خودی کا شدت سے احساس ہوا۔ اور اس کا چہرہ ندامت سے سرخ ہو گیا۔ وہ اتنی بے خود اور بے پرواہ ہو گئی تھی کہ وہ راز اس کے منہ سے نکل گیا جسے چھپانے کا اس نے آپی سے وعدہ کیا تھا۔ رابعہ بیگم اور ارشاد احمد نجمی کی بات کو سن کر اس طرح اچھلے تھے، جیسے کسی سانپ نے ڈس لیا ہو۔

ملازمت! ــــــ ارشاد احمد بولے کیسی ملازمت نجمی! ان کا لہجہ گمبھیر ہو گیا "کیا تمہاری آپی نے ملازمت کی تھی؟"

نجمی اپنے والد کے استفسار پر بہت ہی زیادہ گھبرا گئی۔ اور اس کا چہرہ زرد ہو گیا جسم لرزنے لگا۔ اس کے منہ سے بات نہ نکل سکی۔ اور شبیلہ وہ تو کب کی نظریں جھکا چکی تھی۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اور چہرہ افسردہ ہو گیا تھا۔ دل زور زور

سے دھڑکنے لگا تھا۔

"میری بات کا جواب دو بچی! ——" انھوں نے تلخ لہجے میں بچی کو ڈانٹا تھا اس ڈانٹ سے بوکھلا گئی اور اپنے والد کو سہمی سہمی نگاہوں سے دیکھا۔ مگر ارشاد احمد نے اس نگاہوں کی بالکل پرواہ نہ کی۔ اور ان کے چہرے پر جوش، شدید غصّہ اور جھنجھلاہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔

"جواب دو! ——" وہ گرجے۔

وہ ارشاد احمد کی گرج سے تھر تھر کانپنے لگی اور سہمے سہمے سے انداز میں شبیلہ کی ملازمت کا قصہ بیان کر دیا۔ پھر سہمی سہمی سی نظروں سے شبیلہ کی طرف دیکھنے لگی۔ جو پریشان خاطر بیٹھی تھی۔

"ہوں! ——" ارشاد احمد کا چہرہ تلخیوں میں ڈوب گیا۔ اور ایک زہریلی مسکراہٹ ہونٹوں کے گوشوں پر کانپنے لگی۔ "ہم سے قدم قدم پر جھوٹ بولے گئے۔ سہیلی کی بیماری کا بہانہ بنایا گیا۔ سہیلی سے قرض لینے کا جھوٹا قصہ بیان کیا گیا۔ آخر تمھیں یہ ڈرامہ کھیلنے کی جسارت کیسے ہوئی۔ وہ ملامت بھرے انداز میں غصّے سے اسے گھورنے لگے۔

رابعہ بیگم ہراساں ہراساں سی شبیلہ کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ مگر شبیلہ خاموش بیٹھی تھی۔

"نافرمان لڑکی! ——" ان کا لہجہ تیکھا، طنزیہ اور تلخ تھا۔" میری باتوں کا جواب بھی تمھارے پاس نہیں رہا؟"

یکایک اس نے چہرہ اٹھا کر اپنے والد کی طرف دیکھا۔ اس کی پلکیں کانپیں۔ ہونٹ لرزے اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بھی گرنے لگے ——

"آنسو بہانے کے لیے بہت وقت پڑا ہے —— ان کے لہجے میں غصّہ

اور جوش تھا۔ پہلے یہ بتاؤ تم نے میری مرضی کے خلاف قدم کیوں اٹھایا۔ ملازمت کیوں کی؟"

شبیلہ کی آنکھوں سے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے اس نے سیلِ اشک روکنے کی بہت کوشش کی مگر رک نہ سکا۔ وہ روئے چلی گئی۔ رابعہ بیگم اس کی اس حالت سے بے چین سی ہو گئیں مگر وہ ارشاد احمد کے فیصلے چہرے کی طرف دیکھ کر خاموشی سے اپنی کرسی پر ہی ڈکی بیٹھی رہیں۔ اور شبیلہ کو ممتا بھری نظروں سے دیکھتی رہیں۔ شبیلہ کے رونے سے ان کا کلیجہ کٹ رہا تھا۔۔۔۔

ارشاد احمد نے گرج کر پھر استفسار کیا۔ آخر کار شبیلہ کے ہونٹ لرزنے اور اس نے اپنی ملازمت کا روتے روتے تمام قصہ بیان کر دیا۔ لیکن اس نے وہ واقعات چھپا لئے جن سے سہیل اور راحیل کی محبت بھری تمناؤں کا اظہار ہوتا تھا۔ ملازمت چھوڑنے کا اس نے یہ جواز بتایا کہ اس کے عملے کی دو کرسچین لڑکیوں سے لڑائی ہو گئی تھی۔ اس لیے اس نے ملازمت چھوڑ دی۔ آہستہ آہستہ اس کے آنسو تھم گئے تھے۔ اور وہ اپنے دل کا غبار نکال چکی تھی۔ اپنی ملازمت کی کہانی بیان کر دینے سے جیسے اسے سکون کا۔۔ احساس ہو گیا تھا جیسے اس کے سینے سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔

اس نے سب کے چہرے پر اپنی پُرسکون نظریں دوڑائیں۔ اور اس نظر کی واپسی کے ساتھ ہی۔ اس کے دل سے دہشت زدہ اور غمگین تاثرات مفقود ہو گئے۔ ذہنی خلفشار بھی کم ہو گیا تھا۔ اور دل میں ابھرنے والے ذہنی و ہیجانی جذبات بھی سو گئے مٹ گئے۔ اب اسے کسی طرح کا ڈر محسوس نہ ہو رہا تھا۔

" تمہیں معلوم نہ تھا" ارشاد احمد تاسف بھرے لہجے میں بولے: "میں لڑکیوں کی ملازمت کو سخت ناپسند کرتا ہوں۔"

اس نے اپنی اداس نگاہیں اٹھائیں۔ اور اپنے والد کو ایک نظر دیکھا۔ جن کے

چہرے سے تلاطم خیز تاثرات مٹ چکے تھے۔ اور ان کی جگہ تاسف، افسردگی اور تذبذب جھانک رہا تھا۔ پھر اس نے ادھر سے نگاہیں ہٹالیں۔

"مجھ سے گھر کی بدحالی نہ دیکھی گئی اباجان! ــــ" اس کی آواز انتہائی غمگین ہو گئی۔ "میں برداشت نہ کر سکی کہ آپ بیماری کی حالت میں پڑے ہوں۔ــــ آپ کا علاج بھی اچھی طرح نہ ہو سکے اور آپ کو کافی غذا بھی نہ مل سکے۔"

"بیٹی! ــــ" ان کا چہرہ گہرے درد میں ڈوب گیا۔ "مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا ــــ"

"اگر پوچھتی ــــ" وہ ذرا رک کر بولی۔ "تو آپ یقیناً انکار کر دیتے۔ اور آپ کے انکار سے گھر کی حالت مزید ابتر ہو جاتی۔ جسے سہنے کا مجھ میں حوصلہ نہ تھا۔ میں نے آپ سے پوچھے بغیر ہی ملازمت کر لی۔ اس کے لیے میں سزاوار ہوں۔ مگر یہ جان لیجیے! میرے پیش نظر نیک جذبات تھے۔ میں یہ نہ دیکھ سکی میرے پیارے اباجان مجبور و بے بس دکھائی دیں۔ مجھ سے تقصیر ہو گئی ہے اور جو جی چاہے سزا دے لیجیے۔"

یہ کہہ کر وہ اداس اداس نظروں سے فرش کی طرف دیکھنے لگی۔ اور وہ جھکے جھکے چہرے کا گہری نظروں سے بغور جائزہ لینے لگے۔ پھر ان کے چہرے پر غم کے سائے رینگنے لگے۔

"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا! ــــ" وہ مغموم لہجے میں بولے۔ "میرے دل کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔"

"اباجان! آج کا زمانہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ زندگی نئی راہیں تلاش کر رہی ہے۔ لوگ جدت پسند ہو گئے ہیں۔" اسے اپنے والد کی نرمی سے کافی حوصلہ مل گیا تھا۔ اس کے لہجے کے غصیلے پن اور جوش نے معصومیت میں بدل کر اسے گفتار کی قوت بخش دی تھی۔ وہ بولے جا رہی تھی۔ "اگر میں نے اپنے حالات کو سنوارنے

کے لیے ملازمت کرلی تو کونسا ظلم کیا۔ محنت میں کوئی عار نہیں ہے سینکڑوں شریف گھرانوں کی لڑکیاں ملازمت کر رہی ہیں۔ اپنا بار آپ اٹھا رہی ہیں۔ میں بھی پڑھی لکھی لڑکی ہوں اور اگر تعلیم سے کچھ فائدہ اٹھالیا۔ تو کیا بُرائی کی۔ آپ نے آخر مجھے تعلیم کس لیے دلائی ہے۔ آخر اس کا کچھ نہ کچھ تو مصرف ہونا ہی چاہیئے۔

اس کے خاموش ہوتے ہی اُسے ارشاد احمد نے دُکھ بھری آنکھوں سے دیکھا۔

"تعلیم تمہیں اس لیے دلوائی ہے۔ وہ ذرا رکے، "کہ تم اپنے گھر کو سنبھالنے کے قابل ہو جاؤ۔ کوئی تعلیم یافتہ انسان تمہیں ان پڑھ ہونے کا طعنہ نہ دے سکے۔ اور۔ تمہارا رشتہ کسی اچھے گھرانے میں طے ہو جائے۔"

اس کے ہونٹوں پہ ایک زہر آلود سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور آنکھوں میں مضطرب سائے لہرا گئے۔

"ہونہہ! ——" وہ بولی۔ "اچھا گھرانہ آج وہ ہے۔ جہاں دولت کا راج ہے۔ غریبی کو اس زمانے میں جرم سمجھا جاتا ہے۔ جب ہم اپنی غریبی دور نہیں کرسکتے۔ اپنا افلاس ہی نہیں مٹا سکتے تو ہمیں دوسروں کے اچھے گھرانوں سے کیا تعلق۔ ہمیں اپنی راہوں کے کانٹے خود دور کرنے ہیں جو اچھے گھرانوں نے ہی ہمارے راستوں میں بکھیر دیئے ہیں۔ اگر میں نے اپنے حالات سدھارنے کے لیے جائز قدم اٹھالیا۔ تو اس سے کونسا بُرا نتیجہ نکلا۔ سوائے اس کے کہ بُرے وقت میں سہارا مل گیا۔ قرض مانگ کر کسی کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑا۔" وہ تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر سنجیدہ لہجے میں بولی۔ "ابا جان! — ہمیں قدامت پرستی کے دور سے باہر نکل آنا چاہیئے۔ لکیر کا فقیر بننا چھوڑ دیجیے۔ ذرا اپنے اردگرد نگاہ دوڑایئے اور افسوس کیجیے زمانہ کیا چال چل گیا ہے۔ اگر ہم زمانے کا ساتھ نہ دے سکے تو بہت پیچھے رہ

جائیں گے۔ بہت پیچھے۔ اتنا پیچھے کہ آج کا انسان ہم سے تمام رشتے منقطع کرلے گا۔ اور پلٹ کر حقارت سے دیکھے گا۔ اس کی نگاہوں میں ہم جیسے انسانوں کے لیے نفرت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔"

وہ خاموش ہوگئی۔

"پھر بھی بیٹے! ....." وہ آگے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ کہ رابعہ بیگم نے انھیں ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"اللہ! ——" وہ بیزاری سے بولیں "اب اس بحث کو چھوڑ بھی دیجئے۔ جو ہوگیا سو گیا۔ اب تو ہماری بیٹی کہیں نہیں جاتی ——" دلیل معقول تھی اس لیے وہ چپ چاپ بیٹھے رہے۔ انہوں نے مزید کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا مگر ان کے چہرے پر بدستور غم کے سایے رینگتے رہے۔ انھیں افسردہ دیکھ کر شبیلہ تڑپ گئی۔

"ابا جان! ——" اس کی آواز بھرّا سی گئی "پھر بھی اگر میں نے آپ کا دل دکھایا ہے۔ تو مجھے معاف کر دیجیے۔"

انہوں نے نظریں اٹھا کر اسے پیار سے دیکھا۔ یکایک ان کے چہرے سے رنج و غم کی پرچھائیاں زائل ہوگئیں۔ اور ان کی جگہ خوشی اور شادمانی نے لے لی۔ اور ان کی آنکھوں میں مسکراہٹ کی چمک پیدا ہوگئی۔

"بیٹی! —— معافی کیسی! ——" وہ خوش گوار لہجے میں بولے "جو ہوگیا اس پر خاک ڈالو اور خوش رہنے کی کوشش کرو۔ میں دیکھتا ہوں تم بہت ہی مغموم رہنے لگی ہو۔"

ان کے خوشگوار لہجے سے حالات معمول پر آگئے۔ مگر شبیلہ کی افسردگیاں کم نہ ہو سکیں۔ اسے ویرانیاں گھیرے رہیں۔ اس کے خیالوں سے سہیل کی خوبرو

شبیہہ نہ نکل سکی۔

فرم کی طرف سے اُسے چٹھی موصول ہوئی تھی۔ اس نے جواب میں اپنے استعفے کا حوالہ دیتے ہوئے لکھ دیا تھا۔ کہ اس سے آئندہ کسی قسم کی خط و کتابت نہ کی جائے۔ اس دن اس کے دل پر شدید ٹھیس لگی تھی۔ تنہائی میں بیٹھ کر اس نے کتنی ہی دیر آنسو بہائے تھے سہیل کی شوخیوں اور شرارتوں کو یاد کیا تھا۔ اس کی قربت کے دل نواز لمحوں نے اُسے بے قرار کر دیا تھا۔ اس کی باتوں نے اُسے تڑپا کر رکھ دیا تھا۔

جانے سہیل کہاں ہے؟

جانے اس کا حال کیا ہے۔ جانے اس کے شب و روز کیسے کیسے جان لیوا لمحات میں گزر رہے ہوں گے۔ شبیلہ کا دل کہتا تھا۔ کہ وہ اُسے بھول تو نہیں سکتا۔ وہ یہ جانتی تھی کہ وہ اس کے ذہن پر اچھی طرح چھا گئی ہے جس طرح سہیل اس کے خیالوں میں بس گیا ہے۔ دونوں طرف آگ برابر لگی ہوئی تھی۔ اگر شعلے نہ بھڑک سکے تھے تو محض اس کی وجہ سے اگر وہ ذرا بھی ہوا دیتی تو شعلے کبھی کے بھڑک گئے ہوتے۔ مگر وہ ہوا دینے کی جراءت نہ کر سکی تھی۔ اور نہ وہ ایسی جسارت کرنا چاہتی تھی!

حبس اور تپش کے دن گزر گئے تھے۔

سردی آگئی تھی۔ دن مختصر ہو گئے تھے۔ اس نے گھر سے باہر نکلنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ وہ کسی ضروری کام سے بھی باہر نہ جاتی تھی۔ کوئی نہ کوئی کتاب لیے بیٹھی رہتی یا وقت گزاری کے لیے تکیوں کے غلاف کاڑھنے لگتی۔ میز پوش اور کشن بنانے لگتی۔ اس مصروفیت میں بھی وہ سہیل کے تصور سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکی تھی۔

ایک روز تصور کا ٹیلیگرام موصول ہوا۔ اس کی امی شکیلہ بیگم سخت بیمار ہیں ان کی تیمارداری کے لیے شکیلہ کو بہن کو بلایا تھا۔ وہ رات کے کھانے کے بعد ارشاد احمد کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ اُسے ارشاد احمد نے روک لیا تھا۔ نجمی پڑھنے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ تھوڑی خاموشی کے بعد وہ شبیلہ کی طرف دیکھنے لگے۔

"شبیلہ بیٹی!۔۔۔" انہوں نے اُسے پیار سے پکارا۔

وہ خیالوں سے چونکی۔

"جی! اباجان!" اس نے محبت سے کہا۔

"صبح راولپنڈی چلی جانا!۔۔۔" ان کے لہجے میں رازدارانہ اجنبی سرگوشی تھی اور گہری نظروں سے دیکھتا کہ شکیلہ بیگم کے گھر لانے کا ماحول نجمی کے لیے سازگار رہے گا یا نہیں۔"۔۔۔ پھر وہ اپنا مطلب واضح کرتے ہوئے بولے۔" ہم چاہتے ہیں کہ نجمی اور تصور کا رشتہ طے کر دیا جائے۔ تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں!۔۔۔"

"بہت مناسب تجویز ہے اباجان!۔۔۔" وہ ہلکی سی مسرت کے ساتھ بولی۔" میرا خیال ہے کہ دونوں اس رشتہ کو پسند بھی کریں گے۔ نجمی اور تصور کو کوئی اعتراض بھی نہ ہوگا۔" نجمی کسی کام سے کمرے میں آنا چاہتی تھی۔ کہ اس نے اپنے آپ کی بات سُن لی۔ اور وہ تیز تیز دھڑکنوں کے ساتھ دروازے پر ہی سے واپس پلٹ گئی۔ اور اپنے کمرے میں جا کر اپنی تیز تیز سانسوں کو سنگھار میز کے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر درست کرنے لگی۔ اور آئینے میں اپنی شرمیلی شرمیلی شبیہہ کو دیکھ کر کچھ شرما گئی۔

دل کی دھڑکنوں سے آواز اٹھ رہی تھی، تصور ۔۔۔ تصور ۔۔۔ جیسے اس کی روح بھی رازداری کر سرشارانہ انداز میں محسوس کر رہی تھی ۔۔۔

دوسرے کمرے میں رابعہ بیگم کہہ رہی تھیں۔

"بڑی بیٹی کا بھی تو خیال کیجیے" وہ مسکرائیں "پہلے تو شبیلہ کی بارات آئے گی نا"

"ایسا ہی ہوگا ـــــ" وہ ہنسے ـــــ "خدا یہ مسئلہ بھی حل کر دے گا ـــــ"

اس گفتگو سے شبیلہ کے چہرے پر گہری شرم و حیا مسلط ہو گئی تھی۔ اس کی نظریں جھکی جا رہی تھیں اور جسم سمٹ رہا تھا۔ اس سے اب وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔ اور وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

تنہائی میں اس نے غور کیا۔

نجمی اور تصور ـــــ کتنی اچھی جوڑی ہے۔ خدا اسے سلامت رکھے جیسے اس کے دل سے آواز اٹھی اور پھر دفعتاً نہ جانے کیوں، نہ جانے کیسے اس کے خیالات کا رخ ایک دم سہیل کی طرف پلٹ گیا۔

کئی دن بعد اس یاد نے اسے بے قرار کیا تھا۔ ایک ہوک سی اس کے دل سے اٹھی۔ اس نے کوشش کی کہ وہ اس آواز اس جذبہ کو دبا دے۔ لیکن اس لمحہ وہ اس سعی میں کامیاب نہ ہو سکی۔ ایک درد تھا جس نے اسے لپیٹ میں لے لیا تھا۔ نڈھال سی ہو کر اس نے تکیہ پر سر رکھ دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

بند آنکھیں بھی اسے سہیل کی ابھرتی مٹتی تصویروں سے نجات نہ دلا سکیں۔ اس کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات ذہن کی سطح پر اجاگر ہوتے رہے اور وہ ان میں کھوتی چلی گئی۔

ایک آہ اس کے دل سے اٹھی۔
آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

"سہیل! ـــــــ" راحیل اس کے کمرے میں داخل ہو کر بولا۔

"جی بھائی جان! ـــــــ" وہ سلیپنگ سوٹ پہنے اپنے بیڈ پر گھٹنوں تک پلش کا لحاف لیے بیٹھا کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔ آواز پر کتاب سے نگاہیں اُچٹ کر اپنی طرف آنے والے راحیل کا جائزہ لینے لگی تھیں۔ راحیل اس کے بیڈ کے قریب آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم کل راولپنڈی چلے جانا ـــــــ"

"وہاں کیا کام ہے بھائی جان! ـــــــ" اس نے نیچے سے متین لہجے میں کہا ـــــــ

"تمہیں اکرام صاحب سے ملاقات کرنی ہے ـــــــ" راحیل تھوڑا سا آگے جُھک کر بولا۔

"پارٹنر شپ کے سلسلے میں؟ ـــــــ"

"بالکل ـــــــ" وہ کہنے لگا "ان کا آج خط موصول ہوا ہے۔ وہ اس بات

پر رضامند ہو گئے ہیں۔ کہ راولپنڈی کی ایک شاخ کھول دی جائے اور وہاں کا نظم و نسق خود سنبھال لیں۔ انہوں نے جگہ کا بھی بندوبست کر لیا ہے صرف راولپنڈی کی شاخ میں ہماری ان کی پارٹنر شپ ہوگی۔ تم راولپنڈی میں جا کر ایک ہفتہ قیام کرو اور وہاں کے حالات کا جائزہ لو۔ اگر ماحول کاروباری لحاظ سے اچھا ہو تو پارٹنر شپ کے کاغذات مکمل کر لیں گے۔" پھر وہ مسکرایا اور پیار سے اپنے بھائی کو دیکھا۔ تمہیں وہاں جانے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے ——"

"بالکل نہیں بھائی جان! ——" اس کے افسردہ اور سنجیدہ لہجے میں فرمانبرداری کا عنصر تھا۔ "آپ کے حکم کی تعمیل میرا فرض ہے۔"

"اوہ! یہ بات ہے ——" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "حکم نہیں بھئی ارشاد ہے ——"

اپنے بھائی کے اس خلوص سے اس کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ اجاگر ہوئی۔

"بھائی جان! ——" وہ نرمی سے بولا۔ "آپ کے سینے میں خلوص سے بھرا ہوا دل ہے"

"اچھا! رے نیاز نہیں ——" راحیل نے ہنس کر کہا۔ پھر وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ "ہاں میں دیکھ رہا ہوں۔ تم کافی عرصے سے بجھے بجھے سے رہنے لگے ہو۔ کیا بات ہے آخر؟"

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے بھائی جان! —— وہ بولا۔ "مجھ سے آپ کو کوئی شکایت ہے —— یا دفتر کی ڈیوٹی میں کوئی کمی ہوئی ہے ——"

"اوہ نہیں! ——" وہ جزبز ہو کر بولا۔ "نہ کوئی شکایت ہے نہ تم نے دفتر میں ڈیوٹی میں کمی کی ہے تم کھوئے کھوئے سے رہتے ہو۔ میں نے اس لئے پوچھ لیا تھا۔"

"ہوں! ——" اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

"بس تم خوش رہا کرو! —" وہ مسکرا کر بولا۔ "زندگی نام ہی خوشی کا ہے ——"

"مگر یوں لگتا ہے بھائی جان!" وہ معنی خیز انداز میں بولا "جیسے آپ بھی اس نام سے ناآشنا ہیں۔"

"مطلب!" راحیل نے اسے متحیرانہ دیکھ کر پوچھا۔

"میں دیکھتا ہوں ——" آپ بھی تو غمگین غمگین سے رہتے ہیں —— وہ راحیل کو گہری نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "جیسے کوئی غم سینے میں ہر وقت کسک پیدا کرتا رہتا ہو۔"

دونوں کی نظریں چند لمحوں کے لیے ملیں۔ افسردہ افسردہ سی مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا۔ کچھ چہروں پر متانت پھیل گئی۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد سہیل نے راحیل کی طرف دیکھا۔

"بھائی جان! ——"

"ہوں! ——"

"راولپنڈی میں جا کر کس ہوٹل میں قیام کروں!؟ ——"

"کسی میں بھی کر لینا! ——" وہ اٹھتے ہوئے بولا —— "یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے ——"

وہ باہر آگیا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

جب سے شبیلہ ان کی خرم چھوڑ کر گئی تھی اس وقت سے دونوں بھائی اداس اور پریشان رہنے لگے تھے۔ انھیں اس کے جانے کا بڑا قلق تھا۔ چند دن راحیل تو بہت ہی مغموم رہا۔ مگر جلد ہی اس نے اپنے منصب کو پہچان لیا۔ اور دل پر

صبر کی سل رکھ کر کاروباری مصروفیت میں گم ہو گیا۔ اس کی توجہ نہ دینے سے کاروبار بگڑنے لگا تھا اس نے بگڑتے کاروبار کو اور نہ بگڑنے دیا تھا اور اسے سنبھالنے کی کوشش میں پوری طرح مصروف ہو گیا تھا۔ مگر اس کی پوری توجہ کے بعد بھی کاروبار اصل حالت پر نہ آیا تھا جب سے اس کے والد نے فرم کا روپیہ اور حساب کتاب اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ وہ زیادہ مال امپورٹ نہ کر سکا تھا۔ روپے کی قلت ہونے لگی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا تھا۔ اس نے اس بارے میں اپنے والد سے استفسار کیا تھا۔ انہوں نے دوسرے ہی موضوع چھیڑ دیئے تھے۔ اور اُسے کاروبار کی بدحالی سے متعلق گفتگو کی طرف آنے ہی نہ دیا تھا۔ پہلے تو وہ شبیلہ کی وجہ سے بے چین رہا کرتا تھا۔ اب کاروباری الجھنوں کی وجہ سے مضطرب رہنے لگا تھا۔ اسی لیے اس نے راولپنڈی میں موٹر ٹریڈرز کی شاخ کھولنے کے لیے اکرام سے حامی بھر لی تھی۔

اور سہیل ——— اپنے بھائی کی فطرت کے برعکس کبھی کاروباری الجھنوں میں پڑنے یا ان کے بارے میں سوچنے کے لیے وقت نہ نکال سکا تھا۔ وہ آزاد اور غیر کاروباری ذہن کا مالک تھا۔ اسے روپے پیسے سے کوئی رغبت نہ تھی۔ فرم سے اس کا تعلق بس اتنا تھا۔ کہ وہ دن کے چند گھنٹے وہاں گزارتا، اپنے کمرے میں ——— جا کر خاموشی سے بیٹھتا اور لیا اوقات شبیلہ سے وابستہ یادوں کو تازہ کر کے واپس چلا آتا۔ اس کی ذات اور دلچسپیوں کا محور صرف شبیلہ کی ذات تھی۔

اسے سوائے شبیلہ کی بے رخی اور بے اعتنائی کے اور کوئی غم نہیں تھا۔ ہر وقت شبیلہ کی پرچھائیاں اس کے ذہن میں منعکس ہوتی رہتی تھیں۔ وہ سوچوں میں ڈوب کر شبیلہ کی یاد سے پیدا ہونے والا غمگین سا سرور حاصل کرتا رہتا۔ اور اپنے خون کو جلاتا رہتا تھا۔ جب اسے شبیلہ کا تصور بہت زیادہ بے چین کرتا! تو وہ کوئی کتاب لے کر

بیٹھ جاتا. مگر کتاب کے صفحات بھی اسے شبیلہ کا حسین پیکر دکھاتے ہر صفحے پر اسے رنج و غم کی تصویر بنی نظر آتی ایک افسردہ آہ اس کے لبوں سے نکلتی اور اذیت ناک تاثرات اس کے چہرے پر منڈلانے لگتے۔ شبیلہ کو بھلانا اس کے بس کی بات نہ تھی. وہ اسے زندگی کے کسی موڑ پر بھولنے کی خود میں سکت نہ پاتا تھا۔ اس نے اسے ایسے غم عطا کر دیے تھے جو روح کے جسم سے جدا ہونے کے بعد ہی مٹ سکتے تھے۔ اور ابھی روح جسم سے جدا نہ ہوئی تھی۔

سہیل نے صبح ناشتہ کے بعد اپنے بھائی سے اجازت لی اور اپنی کار میں بیٹھ کر راولپنڈی آگیا۔

وہ راولپنڈی آکر ایک شاندار ہوٹل میں ٹھہرا۔ اس نے بیرے سے اپنا اٹیچی کیس کمرے میں رکھوا کر ہاتھ منہ دھویا۔ اور بہترین سوٹ پہن کر نیچے آگیا اس کی گاڑی ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں کھڑی تھی۔ وہ اکرام صاحب سے ملنے کی غرض سے نیچے اترا تھا۔ اس نے گاڑی کی طرف دیکھا تھا۔ پھر گاڑی میں بیٹھ کر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا کیونکہ اکرام صاحب وہاں سے تھوڑے فاصلے پر ہی رہتے تھے۔ صدر میں ان کی شاندار کوٹھی تھی۔ اور جس ہوٹل میں اس نے رہائش اختیار کی تھی وہ بھی صدر میں ہی تھا۔ ہوٹل کے چھوٹے سے لان سے گزر کر سڑک پر آگیا۔ اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اکرام صاحب کی کوٹھی کی طرف چلنے لگا۔

چند منٹوں میں ہی وہ ان کی کوٹھی پہنچ گیا۔ وہ اپنے گھر پر ہی مل گئے تھے۔ انہوں نے بڑے تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔ اور وہ ان سے ایک گھنٹہ کاروباری امور پر متعلقہ بات چیت کر کے کل دوبارہ ملنے کا وعدہ کرنے کے بعد کوٹھی سے باہر نکلا۔ اور واپس ہوٹل جانے لگا۔ ابھی اس نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ سڑک عبور کرتے ہوئے اچانک اس کی نگاہ سامنے سے آتی ہوئی تمثیلہ پر پڑی۔ اس نے بھی اسے

گہری نظروں سے دیکھا پہلے اس کے چہرے پر حیرت اور پھر ایک دم مسرت کی لہریں دوڑ گئیں۔ مگر سہیل نے کسی طرح کی گرمجوشی کا اظہار نہ کیا۔ بلکہ وہ تو اس اچانک ملاقات پر گھبرا سا گیا وہ لپک کر اس کے قریب آئی۔

"ارے! —— آپ! ——" وہ دلفریب انداز میں مسکرائی۔" اس علاقے میں ——"

"کیا میں اس علاقے میں نہیں آسکتا ——" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"آ کیوں نہیں سکتے" وہ مسرت سے ہنس کر بولی۔" مجھے آپ کو یہاں دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ بیان نہیں کرسکتی۔ اگر سچ پوچھیے تو اس خوشی سے آج میں مر بھی جاؤں تو ایسی موت بہترین موت ہوگی۔"

"مرنے کی باتیں نہ کیجیے مس تنخیلہ! ——" وہ گہری آواز میں بولا۔" موت کا وقت تو معین ہے وہ تو آکر ہی رہے گی۔" وہ خاموش خاموش نظروں سے دیکھنے لگا۔

اور پھر کوئی یونہی مرتا ہے! —— اس نے پھر ہلکا سا طنز کیا۔" سب کہنے کی باتیں ہیں ——"

"اچھا یہ بتلائیے آپ کہاں سے آرہے ہیں —— اس نے بحث میں سے ہٹنے کی غرض سے کہا۔

"یہاں سے تھوڑے فاصلے پر اکرام صاحب رہتے ہیں۔" وہ بولا۔" ان سے کاروباری سلسلے میں ملنے گیا تھا"

"آئیے! پھر میرے ساتھ! ——" وہ عشوہ طراز انداز میں آنکھیں مٹکا کر بولی۔

"کہاں؟" اس نے آہستہ سے کہا۔

"گھر! ——" وہ مسکرائی۔ "وہ سامنے میری کوٹھی ہے۔ میں ایک سہیلی سے

ملے گئی تھی۔ وہ تو نہ ملی اور واپسی میں آپ مل گئے۔ اور میں اپنی اس خوش نصیبی پر جتنا ناز کروں کم ہے۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ چپ چاپ کھڑا رہا۔

"کیا سوچ رہے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ناز وادا سے بل کھا کر بولی۔ "چلیے۔ ابھی تا۔ مجھے آپ کا وہ وعدہ ابھی تک یاد ہے کہ آئندہ اگر کبھی ملاقات ہوئی تو آپ کے پاس ٹھہروں گا۔"

سہیل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ افسردہ چہرے پر ایک ایک سرخی بڑی دلکش دکھائی دی۔ اور وہ تو اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر جیسے مٹ سی گئی۔ اس کی آنکھوں میں جیسے خمار سا چھلکنے لگا۔

"مگر میں تو ہوٹل میں قیام کر چکا ہوں۔" وہ پھیکے انداز میں مسکرایا۔

"ہوں تمثیلہ نے سٹپٹانے کے سے انداز میں سہیل کی طرف دیکھا۔ "آپ نے ہوٹل میں قیام کیوں کیا؟"

ابھی سہیل کوئی جواب نہ دے پایا تھا کہ تمثیلہ کو جیسے کوئی بھولی بات یاد آگئی۔ مشکوک نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے استفہامیہ انداز میں بولی۔

"اس بار بھی کوئی ہمسفر آپ کے ساتھ ہے؟!"

اور سہیل اسے جیسے کسی نے آگ میں کھینچ لیا ہو۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس لمحات شبیلہ بے طرح یاد آگئی۔ وہ افسردہ لہجے میں بولا۔

"ایسی قسمت کہاں؟"

"ہوں! ـــــ بڑی چوٹ کھائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں آپ۔" تمثیلہ نے طنزاً ایک اور وار کیا۔

"چھوڑ! ـــــ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ـــــ" اس کی افسردگی

قائم رہی۔ اچھا۔ اب چلوں گا۔ کل پھر کسی وقت ملاقات ہوگی۔"

"سہیل صاحب" وہ سخت اپنائیت بھرے لہجے میں بولی۔

"یہ نہیں ہو سکتا، بالکل نہیں ہو سکتا، آپ یہاں آئیں اور ہوٹل میں قیام کریں؟ آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا ہوگا ——— یعنی میرے ہاں قیام ——"

"میرے پاس آپ کا ایڈریس نہیں تھا۔ ورنہ ضرور ہی آپ کے پاس ٹھہرتا۔ اتنے عرصے کی بات ہے۔" ایک افسردہ مسکراہٹ سہیل کے ہونٹوں پر کھیلنے لگی۔ "کہیں گم ہو گیا۔"

تمثیلہ نے شکوہ انگیز پیار بھری نظروں سے اُسے دیکھا "چلو ایڈریس گم ہو گیا مگر آپ تو مجھے مل گئے۔ اب ہوٹل میں ٹھہرنے کی تُک نہ چلے گی۔ آپ کو میرے پاس ہی ٹھہرنا ہوگا۔"

"بھئی! ——" وہ بولا ——" ایک ہفتہ مجھے یہاں رہنا ہے۔ ہوٹل میں رہائش ٹھیک رہے گی۔"

"ہوٹل —— ہوٹل ——" وہ پیار بھرے انداز میں لہجہ کو سخت بنا کر بولی۔ "بس ہوٹل میں نہیں ٹھہریں گے آپ! اب چلیے۔ زیادہ باتیں نہ بنائیے۔"

تمثیلہ بے تکلفی سے کھینچتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ خوب صورت کوٹھیوں کا سلسلہ دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ سرمایہ دار طبقہ ہی زیادہ تر اس علاقے میں رہائش پذیر تھا۔ اور قریب قریب سب ہی آزاد خیال لوگ تھے۔ نہ دیکھنے سے گزرنے والوں میں سے کسی نے بھی تمثیلہ کو سہیل کا بازو پکڑ کر چلتے ہوئے حیرت سے نہ دیکھا۔ کسی نے تعجب کا اظہار نہ کیا۔ اور وہ اس کے ساتھ ساتھ تھوڑی دور چلی پھر اپنی شاندار کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہو گئی۔ چمن سے گذر کر وہ عمارت میں داخل ہوئے اور ایک گیلری سے گذر کر لاؤنج میں آئے اور لاؤنج طے کر کے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

میں آگئے۔

"چلیے ممی سے ملاؤں آپ کو!" وہ ڈرائینگ روم میں رک کر بولی۔

"بیمار پڑی ہیں!"

"او ہو! ___" وہ چونکا اور ہمدردانہ لہجے میں بولا "کیا بیماری ہے؟"

"نمونیہ ہو گیا تھا" اس کا لہجہ یکایک غمگین ہو گیا تھا۔ "بخار ابھی تک نہیں اترا، نقاہت بھی روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔"

"بہت افسوس ہوا" ان کی بیماری کا سن کر" وہ تاسف سے بولا۔

"چلیے، بس اُن سے ضرور ملوں گا۔"

"چلیے! ___" وہ قدم سامنے کے دروازے کی طرف بڑھا کر بولی وہ وسیع و عریض جدید طرز پر آراستہ ڈرائینگ روم کے سامنے والے دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ بہترین قالین پر ان کے چلنے سے قدموں کی ذرا بھی آواز پیدا نہ ہوتی تھی

"تمثیلہ بہن! ___" ایک محبت بھری آواز نے تمثیلہ اور سہیل کو پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

"دیکھو کون آیا ہے ___" وہی آواز دوبارہ گونجی اور انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ گہرا تعجب اور پریشانی اُن کے چہروں پر پھیل گئی۔

تصور کے قریب شبیلہ کھڑی تھی۔

تصور مسکرا رہا تھا۔ اور شبیلہ کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی۔

سہیل کو تمثیلہ کے ساتھ دیکھ کر اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ اور جسم لرزنے لگا تھا

وقت نے ایک اور انگڑائی لی تھی۔

ایک اور انقلاب اس کے دل کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

اس بات نے تو اسے اور بھی پریشان اور حیران کر دیا تھا۔ کہ تصور تمثیلہ کا بھائی ہے۔ دونوں طرف تلخی، پریشانی اور حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ نزدیک ہی تو کز شبیلہ کا اٹیچی کیس سنبھالے کھڑا تھا۔ اور تصور دونوں کو متحیرانہ پریشانی سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ تو ایسے دیکھ رہی ہیں ——" وہ تذبذب بھری مسکراہٹ سے بولا۔ "جیسے ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے ہوں۔" تصور تمثیلہ کے ساتھ سہیل کو دیکھ کر خود بھی حیران ہو گیا تھا۔

آخر کار وہ سنبھلے اور حیرت، رنجیدہ تاثرات میں ڈھل گئی۔

"بھائی جان ——" تمثیلہ اپنے بھائی کی طرف دیکھ کر بولی۔ "جب میں دلی بیٹ کے لیے گئی تھی تب اسٹر سہیل میرے اچھے دوست بن گئے تھے۔ اور شبیلہ ان کے ساتھ ہی مجھے کوہ مری میں ملی تھی۔"

"میں انہیں جانتا ہوں ——" تصور اخلاق آمیز لہجے میں بولا۔ "لاہور میں ملاقات ہو چکی ہے ان سے۔" پھر وہ شبیلہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "شبیلہ بہن کی وجہ سے ان کے

سانحہ نثار ہوا تھا۔"

وہ باتیں کر رہا تھا اور شبیلہ سخت ذہنی اُلجھن و خلفشار میں مبتلا تھی۔ اس کے دل میں طوفان خیز جذبات ہلچل پیدا کر رہے تھے۔ سانسوں کی ناہمواری سے وہ جرسی جو سہیل نے اسے کوہ مری میں لے کر دی تھی۔ اُبھر اور دب رہی تھی۔ سہیل نے اس کے گداز جسم پر اس جرسی کو دیکھ لیا تھا۔ اسے اس سے تسکین سی ملی تھی۔ اور اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ شبیلہ سوچ رہی تھی جانے کب سے سہیل یہاں ہے۔ جانے تمثیلہ اور وہ کتنے دن سے یکجا ہیں۔ اس خیال سے اس کے دل پر ایک گہری چوٹ پڑی تھی۔ اور وہ سہما کر رہ گئی تھی۔

حالات کے اس رخ نے اُسے حیران کر دیا تھا۔

تمثیلہ! —— تصور کی بہن ہے۔ اس کے خواب میں بھی کبھی یہ خیال نہ آسکتا تھا۔

سہیل، شاید اسی عرصہ میں تمثیلہ سے قریب آچکا ہے۔ کیا وہ اس سے کوئی ذہنی انتقام لے رہا ہے۔ کیا وہ اُسے بھول چکا ہے؟"

لیکن! —— لیکن —— اس نے سوچا، جب وہ خود ہی سہیل کے راستے سے ہٹ گئی ہے۔ جب اس نے خود ہی اس کی محبت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ تو اب اُسے سہیل اور تمثیلہ کی یکجائی کیوں کھٹک رہی ہے۔ اُسے کیا پریشانی ہے۔ اب کونسا جذبہ اسے بے قرار کر رہا ہے —— اضطراب کی ایک لہر اُسے بہا کر دور لے گئی اور وہ اپنی ہی سوچ میں گم سُم تھی۔

"سہیل صاحب!" تصور مسکرا کر بولا۔ "آپ ابھی تشریف لائے ہیں کیا؟ کیونکہ جب آدھا گھنٹہ پیشتر میں شبیلہ بہن کو اسٹیشن لینے گیا تھا تو تمثیلہ بھی یہاں نہیں تھی۔

"میں اپنی سہیلی سے ملنے گئی تھی۔" تمثیلہ سہیل کے جواب دینے سے پہلے ہی بول

بول پڑی۔

"آپ کا خیال درست ہے ——" سہیل تمثیلہ کی بات ختم ہوتے ہی بولا۔

"میں ابھی ابھی آیا ہوں۔ اس علاقے میں ایک دوست سے ملنے آیا تھا۔ کہ تمثیلہ سے ملاقات ہو گئی۔ یہ مجھے یہاں کھینچ لائیں۔ ویسے میں لاہور سے بھی راولپنڈی آج ہی آیا ہوں۔" آخری جملہ اس نے شبیلہ کو بغور دیکھ کر کہا۔ اس سے شبیلہ نے مطمئن طریقے پر آہ بھری تھی۔ جلد ہی اس کے خیال کی تردید ہو گئی تھی کہ وہ تمثیلہ سے جانے کب سے مل رہا ہے۔

شبیلہ کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا۔

شبیلہ کے چہرے پر طمانیت دیکھ کر سہیل کو یوں لگا جیسے اس کے سینے سے کوئی بہت بڑا بار اتر گیا ہو۔ اور اسے سکون کا احساس ہوا۔ مگر وہ شبیلہ کو اچانک دیکھ کر دل میں ابھرنے والی پرانی یادوں کو کسی طرح نہ مٹا سکا تھا۔ گو چہرے کو اس نے مطمئن بنانے کی کوشش کی تھی۔ تاہم دل میں تلاطم بپا تھا۔ جذبات کا طوفان امنڈ رہا تھا۔ شبیلہ کافی عرصہ غائب رہنے کے بعد پھر اس کی راہوں میں آ گئی تھی۔ تقدیر بار بار اسے شبیلہ کے سامنے کیوں لا رہی تھی۔ آخر تقدیر کیا چاہتی تھی۔ وقت بار بار ان کا امتحان کیوں لے رہا تھا؟

"آپ تو خیالوں میں کھو گئے۔ تمثیلہ طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولی۔" اپنی عزیزہ کو مل کر کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا آپ نے؟"

وہ بوکھلا سا گیا۔

اس نے پھر تمثیلہ کو جھینپ کر دیکھا۔ پھر اس نے شبیلہ پر نگاہیں جما کر ایک لمبا سا سانس لیا۔

"مجھے ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے" وہ خوشی کا اظہار کر رہا تھا مگر

لہجہ سنجیدہ تھا۔

"لہجہ متین سے ہے" وہ چوٹ کرتے ہوئے بولی "کیا یہی انداز ہوتے ہیں خوشی کے؟"

اس کے طنز یہ جملوں سے شبیلہ کے چہرے نے کئی رنگ بدلے تھے۔ کئی بار اس نے ہچکی محسوس کی تھی۔ کئی بار اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ کئی بار اس کے دل پر ٹھیس لگی تھی۔ درد ابھرا تھا۔ اور وہ بری طرح تڑپی تھی اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی مرضی سے منہ موڑا تھا۔ اس نے خود ہی اس سے ملنا ترک کیا تھا۔ فرم کی نوکری چھوڑنے کا مقصد بھی یہی تھا۔ کہ اس سے ہمیشہ کے لیے علیحدگی ہو جائے۔ مگر نصیب نے پھر اُسے سہیل کے راستوں پر لا کھڑا کیا تھا۔ اس اچانک ملاقات نے اُسے اور زیادہ رنج دے دیئے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی۔ سہیل سے ملاقات بھی رنج کا باعث بنتی ہے اور جدائی بھی غموں کے سوا کچھ نہیں دیتا۔ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ کیوں بار بار سہیل کے راستوں میں آتی ہے۔ غیر متوقع طور پر اسے سہیل کی راہوں میں آنا ہی پڑتا ہے۔ کیا یہ روح کا بندھن ہے۔ کیا روحیں ایک دوسرے کو پکارتی ہیں۔ بلاتی ہیں۔ ایک دل کی آواز دوسرے دل کی آواز محسوس کرتی ہے اور دونوں آوازیں مل کر محبت کا گیت بن جاتی ہیں جس کا لطیف سرود اور شیریں بازگشت دل کے ایوانوں میں گونجتی ہیں نشہ اور سرور بخشتی چلی جاتی ہیں۔

سہیل خاموش کھڑا تھا۔

شبیلہ بھی چپ چاپ تھی۔

اور

تمثیلہ انھیں غور سے دیکھتی ہوئی معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"بھئی! اسے" وہ نغمہ بار آواز میں بولی۔ "قرابت داری کا بھید تو کھل گیا

اب کچھ بولو بھی۔ کیا کوئی بات ہی نہیں رہ گئی۔"

"باتوں کے لیے بہت وقت پڑا ہے۔" تصور بیزاری سے بولا۔ "پہلے انھیں ممی سے ملنا چاہیے۔" اس نے شبیلہ کی طرف اشارہ کیا۔

"ضرور ـــــ ضرور ـــــ" تمثیلہ ہنسی۔ اور سہیل اور شبیلہ کے چہرے پر خفت کا رنگ بکھر گیا۔

"آیئے شبیلہ بہن! ـــــ" تصور آگے قدم بڑھا کر بولا۔ "ممی کے کمرے میں چلیں۔"

وہ بڑے مضمحل انداز میں قدم اٹھاتی ہوئی تصور کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ سہیل بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں کا یہ ٹکراؤ بڑا سنسنی خیز تھا۔ دونوں کے جسم برقی رو سے مرتعش ہو گئے مگر دوسرے لمحے یہ رودِ م توڑ چکی تھی۔ اس کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ باہر چلی گئی تھی۔ اور ڈرائنگ روم میں تمثیلہ اور سہیل اکیلے رہ گئے تھے۔

تصور اور شبیلہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے شکیلہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھی تھیں۔ ڈاکٹر تھوڑی دیر پہلے ہی انھیں انجکشن لگا کر گیا تھا۔ پہلے کی نسبت اب ان کی حالت قدرے بہتر تھی۔ قدموں کی آہٹ پا انہوں نے بجھی بجھی سی نگاہیں اٹھا کر دیکھا اور شبیلہ کو دیکھ کر بھونچکی رہ گئیں۔ ان کے پیار چہرے پر حیرت کی لکیریں بکھر گئیں تھیں۔

"شبیلہ!" وہ بے ساختہ بولیں۔

"جی!" شبیلہ ان کے قریب آکر اپنائیت سے بولیں۔ "پیاری آنٹی جان کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟ ـــــ"

"ممی! ـــــ" تصور بھی قریب آگیا تھا۔ اس نے کہا۔ "یہ تجمی کی بڑی بہن ہیں ـــــ"

حیرت کی جگہ شفقت نے لے لی۔ جس میں ہلکی سی شرمندگی کا بھی عکس تھا۔

"شبیلہ! ــــ" وہ مشفقانہ انداز میں بولی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اپنی ہی بیٹی ہو۔ جیسی رابعہ بیگم تھیں ویسی ہیں، رابعہ بیگم میری عزیز ترین سہیلی ہیں۔ پھر ان کا لہجہ غمگین ہو گیا۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ معاف کر دینا بیٹی۔ کہ مری میں مرا رویہ تمہارے ساتھ رسمی سا رہا تھا۔ دراصل مجھے پتہ نہ تھا اور نہ تم نے ہی تعارف کرایا تھا۔"

"آپ تو بڑی محبت سے پیش آئی تھیں ــــ" وہ انکساری سے کام لے کر بولی، "آنٹی جان! آپ معافی مانگ کر کیوں شرمندہ کرتی ہیں ــــ آپ میری ماں ہیں۔"

"تمہاری سعادتمندی سے میرا دل خوش ہو گیا ہے بیٹی! ــــ" پھر وہ تھوڑی دیر رک کر بولیں "تمہارے گھر میں تو سب طرح خیریت ہے نا۔" ان کے لہجے میں نقاہت کا عنصر تھا۔

"جی آنٹی جان۔" اس نے شیریں لہجے میں کہا، "ابا جان بیمار ہو گئے تھے، اب رو بصحت ہیں۔"

"خدا انھیں تندرست رکھے بیٹی۔" وہ تمہارے انکل کے بڑے گہرے دوستوں میں ہیں۔"

"ابا جان نے بتایا تھا آنٹی جان! ــــ" وہ خلوص بھرے لہجے میں بولی۔

"تمہارے چہرے سے سفر کی تھکن جھلک رہی ہے" وہ ممتا بھری آواز میں بولیں "منہ ہاتھ دھو کر چائے پی لو۔ پھر آجانا۔" ــــ پھر انہوں نے تصور کی طرف دیکھا "تصور بیٹا! شبیلہ کو باتھ روم دکھا دو۔" پھر انہوں نے شبیلہ کی طرف پیار سے

دیکھ کر کہا: "نجمی تو ٹھیک ہے نا. کالج جاتی ہے. تم دونوں کو اس وقت دیکھا تھا جب تم چھوٹی چھوٹی تھیں۔"

"نجمی ٹھیک ہے آنٹی جان اور کالج جاتی ہے۔"

نجمی کے ذکر سے تصور کے چہرے پر گلابی رنگ پھیل گیا تھا، اور وہ فوراً اٹھ کر چلنے لگا تھا۔ شبیلہ بھی اس کے پیچھے پیچھے قدم اٹھانے لگی تھی۔ کمرے سے باہر نکلتے ہی ایک تصور نے سامنے اشارہ کیا۔

"وہ سامنے باتھ روم ہے ۔۔۔" وہ مسکرایا: "میرے خیال میں آپ نے دیکھ لیا ہے۔"

"بالکل دیکھ لیا ہے۔" وہ بھی مسکرائی اور آگے چل دی۔ وہ پلٹا اور شکیلہ بیگم کے کمرے میں آ گیا۔

شبیلہ

ڈرائنگ روم کے آگے سے گزری۔ دفعتاً اس کے کانوں میں سہیل اور تمثیلہ کے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ اس نے آگے بڑھ جانا چاہا۔ مگر تجسس کے فطری جذبے نے اس کے قدم روک لیے اور وہ دروازے سے کان لگا کر کھڑی ہو گئی۔ دروازہ اچھی طرح بند نہ تھا۔ ذرا سی درز تھی۔ اور وہ ہمہ تن سماعت بنی ہوئی تھی۔

"شبیلہ سے آپ کی رشتے داری کا بھید تو کھل گیا ہے سہیل۔" تمثیلہ معنی خیز انداز میں بولی۔

"کیا مطلب؟" سہیل جیسے کچھ نہ سمجھا: "یہ آپ نے کیسے جانا کہ شبیلہ میری عزیزہ نہیں ہے۔"

"آپ اب بھی اسے عزیزہ مانتے ہیں؟" وہ مسکرائی۔ "تو بتلایئے اس سے آپ کی کیا قرابت داری ہے؟"

"وہ میرے انکل کی بیٹی ہے۔" وہ بات بنا کر بولا۔

"کیا نام ہے شبیلہ کے والد کا؟" وہ اُسے غور سے دیکھ کر مسکرائی۔ وہ اس غیر متوقع سوال سے ایک دم گھبرا گیا۔

اگرچہ فسریم کے کاغذات میں شبیلہ کے والد کا نام درج تھا، مگر اُسے کبھی ایسا اتفاق ہی نہیں ہوا تھا۔ کہ وہ اس کی ملازمت کے کاغذات دیکھتا۔ اس کا رنگ ایک دم بدل گیا اور تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر اس نے زور سے قہقہہ لگایا۔

"تعجب ہے۔" زیرلب ہنس کر بولی۔ "آپ کو اپنے انکل کا نام یاد نہیں۔"

وہ خاموش کھڑا تھا۔ اور چہرے پر ندامت کے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ دروازے پر کھڑی ہوئی شبیلہ کی ذہانت کا قائل ہونا پڑا۔ اس نے سوال ہی اس قسم کا کیا تھا۔ کہ سہیل کا سمجھ جانا ایک لازمی امر تھا۔ اور وہ اچھا اچھا پریشان کھڑا تھا۔ اُسے کوئی جواب نہ سوجھ رہا تھا وہ بڑی کشمکش میں گرفتار تھا۔ تمثیلہ کی اس بات نے شبیلہ کو بھی گھبرا دیا تھا۔

"یوں کہیے نا" وہ سنجیدگی سے بولی "مسٹر سہیل! کہ آپ شبیلہ کو پیار و محبت کی کہانیاں سنانے کو گھر ہی لے گئے تھے میں تو اسی روز سمجھ گئی تھی۔ جھجکی جھجکی نظروں کے تیر بہکی بہکی مسکراہٹیں۔ شرمیلی شرمیلی ادائیں۔ ان سب کے امتزاج نے آپ کی محبت کا راز فاش کر دیا تھا مگر مجھے کوئی ایسا موقع نہ ملا تھا۔ کہ میں آپ کی محبت کا افسانہ سن سکتی۔ میرا شک اپنی جگہ قائم رہا اور اس کے بعد آج مکمل یقین میں بدلا ہے۔" پھر اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہا "مجھے افسوس ہے کہ آپ نے مجھے دھوکہ میں رکھا۔"

"میں نے کبھی کسی کو دھوکہ میں نہیں رکھا۔ سہیل جو شیلے لہجے میں بولا۔ "نہ مجھے کسی کو

دھوکے میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ تمام شرمندگی اس کے دل سے ہٹ گئی تھی۔ اور اس کی جگہ ایک جوش نے لے لی تھی۔

"اگر آپ کا شک یقین میں بدل گیا ہے۔ تو اس یقین کو اور مستحکم کر لیجیے میں شبیلہ سے محبت کرتا ہوں، اور تا زندگی کرتا رہوں گا۔ اس کی محبت میرے دل سے عمر کے کسی حصے میں بھی ختم نہ ہو گی اور نہ کوئی دوسری لڑکی ہی اس کے سوا میرے دل میں جگہ لے سکے گی۔ شبیلہ مجھ سے خواہ کتنی دور ہے مگر میں اسے اپنے دل کے قریب ہی محسوس کرتا ہوں۔"

"اور ــــ میں ــــ" وہ لیا یک چیخی ــــ "میں تمہیں اپنے دل کے قریب پاتی ہوں۔" جیسے تمثیلہ کو اپنے دل پر اختیار نہیں رہا تھا۔ وہ ایک اہم بات یونہی کہہ گئی تھی۔ شبیلہ سے سہیل کی محبت کے اظہار نے اسے غصے اور جوش سے بھر دیا تھا۔

"مس تمثیلہ! میری خالہ کی لڑکی فاخرہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے۔" وہ ذرا رک کر بولا۔ "اور آپ نے بھی اپنی محبت کا اظہار کر دیا ہے۔ دنیا کی کوئی بھی لڑکی مجھ سے محبت کرے اور میں اس کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتا۔ شبیلہ کی محبت کے سوا اور کسی کی محبت میرے دل میں جگہ نہیں پا سکتی۔ آپ غلط امیدیں اپنے دل سے نکال دیجیے۔ آپ کے لیے یہی بہتر ہو گا۔ سایے کے پیچھے بھاگنے والے اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ انھیں منزل کبھی نہیں ملتی ــــ کبھی نہیں ــــ"

وہ جوش بھرے لہجے میں بولے جا رہا تھا۔

"مس تمثیلہ! آپ مجھ سے وابستہ خیال کو دل کی گہرائیوں سے نکال دیجیے۔ میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں کہ ہر روز ایک نئی محبت کی داغ بیل ڈالوں، ہر آن ایک نیا سوانگ رچاؤں۔ محبت ایک ایسے احساس کا نام ہے جو خود بخود جنم لیتا ہے۔ ورنہ پروان چڑھتا ہے۔ اس میں کوئی زور یا کسی زبردستی کو دخل نہیں ہوتا۔ میں آپ کو

محبت کرتا ہوں۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ رہی محبت، سو اس کی توقع آپ مجھ سے نہ رکھیں۔"
تمثیلہ پھر بھی بھٹی تنور کی طرح گرجی۔
"نہیں ـــــ نہیں ـــــ ہرگز نہیں! ـــــ" میں اپنی محبت کی توہین برداشت نہیں کر سکتی۔"
چند لمحے سکوت رہا۔ پھر تمثیلہ کی آواز آئی۔
"میری محبت کو ٹھکرانے سے پہلے شاید آپ کو اپنے وہ الفاظ یاد نہیں کہ شبیلہ آپ سے دور رہتی ہے۔" پھر اس نے طنزیہ انداز میں کہا: "اور دور رہنے والے سکون کا نہیں بلکہ بے چینی کا پیغام دیتے ہیں۔"
"میں شبیلہ کی طرف سے ملی ہوئی بے چینیوں کو تو اپنا سرمایۂ حیات سمجھتا ہوں۔ پھر اسے غصے سے دیکھ کر بولا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ اب میں ہوٹل جاؤں گا۔"
وہ تڑپ کر اس کے راستے میں آ گئی۔
"محبت کو ٹھکرانے کے بعد" وہ افسردہ انداز میں التجا سے بولی: "چائے تو گوارا کر جاؤ۔"
"اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔" وہ متانت سے بولا۔
"تکلف! ـــــ" اس کے ہونٹوں پر حسرت آمیز مسکراہٹ تھی۔ "تکلف تو میں نے محبت کے اظہار میں بھی نہیں کیا۔ جس کی سزا مجھے ٹھوکر ملی۔ پھر چائے میں کیا تکلف۔"
"میں تو اسے تکلف ہی سمجھتا ہوں ـــــ" یہ کہہ کر وہ پھر آگے بڑھنے لگا۔
"میں چائے پئے بغیر آپ کو ہرگز نہیں جانے دوں گی ـــــ" تمثیلہ غمزدہ آواز میں بولی: "اور پھر ممی سے ملنے کا وعدہ کر کے بھی ان سے نہیں ملیں گے۔ اگر آپ ان سے بھی ملنا نہیں چاہتے تو پھر میں آپ کا راستہ نہیں روکوں گی۔"
"چلئے" تو وہ پُرخلوص لہجہ اختیار کر کے بولا: "ان سے تو ضرور ملوں گا۔"

اس کے خاموش ہوتے ہی تمثیلہ سامنے کے دروازے کی طرف چل پڑی۔ اور وہ اس کے ساتھ ساتھ قدم اٹھانے لگا۔

دروازے پر کھڑی ہوئی شبیلہ کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے انگ انگ میں کیف و نشاط کی مسرت بھر دی ہو۔ سہیل اسے کتنا چاہتا تھا۔ اسے آج احساس ہوا۔ اس کی آنکھوں سے خمار چھلکنے لگا۔ اور دل کیف و نشاط سے مخمور ہو گیا۔ چہرے پر خوشیوں کی روشنی جگمگا اٹھی۔ اس نے سہیل کو آزما لیا تھا۔ یہی وہ آزمائش تھی جس کی وہ منتظر تھی۔ سہیل کی محبت اس قدر عظیم تھی۔ روح کا بندھن اَن مٹ تھا۔ بندھن جس میں وہ جکڑے جا چکے تھے۔ اور اب یہ بندھن کبھی نہ ٹوٹ سکے گا۔ اسے یقین ہو گیا تھا سہیل اسے کھلونا نہیں سمجھے گا۔ اس کے دل میں بھی سہیل کی محبت کا دریا موجزن ہو گیا تھا۔ اس نے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس کی چاہت کو قبول کر لیا تھا۔ اس کی اس محبت کو اپنا لیا جو سوائے اس کے اور کسی کی نہ تھی۔ اور نہ کبھی ہو سکتی تھی۔ شبیلہ اسی کی تھی اور ہمیشہ اسی کی رہے گی۔ یہ اس نے اپنے دل سے عہد کر لیا۔ اور وہ فرحت و انبساط میں ہلکورے کھاتی کسی بادہ خوار کی طرح غسل خانے میں چلی گئی۔ اس کی ہر ادا سے خوشیوں کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ انگ انگ پھول کی طرح کھلا جا رہا تھا۔

پھر سب ڈرائینگ روم میں آ گئے۔ سہیل شبیلہ بیگم کی مزاج پرسی کر آیا تھا۔ شکیلہ بیگم نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔ اسے دیکھ کر انھیں شبیلہ کا خیال آ گیا تھا۔ جس کے فوراً بعد انہوں نے تمثیلہ کو عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔

چند رسمی باتوں کے بعد شام کی چائے ختم ہو گئی۔ اور سہیل جانے کے لیے اٹھا۔ سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"آپ کس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں" تمثیلہ پُرخلوص لہجے میں بولی۔ "میں شاید کسی وقت آؤں"۔

"صفدر ہی ہیں ____ عمران ہوٹل۔ کمرہ نمبر بائیس" اس نے کہا اور شبیلہ پر ایک نظر ڈال کر باہر کی طرف چل دیا۔ تمثیلہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چل دی۔ اور قصور شبیلہ کو اس کے کمرے تک چھوڑنے کے لیے اس کے ساتھ ہو لیا۔

شبیلہ نے جاتے ہوئے سہیل پر ایک نظر ڈالی۔

"عمران ہوٹل ____ کمرہ نمبر بائیس ____" وہ زیر لب اس کے کہے ہوئے الفاظ دہرا رہی تھی۔

شبیلہ جھجکتے جھجکتے سے انداز میں ہوٹل عمران کے چمن سے گزر کر اندر عمارت میں داخل ہوئی۔ اور کاؤنٹر کی طرف بڑھی وہ کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا ہوا ایک ہنس مکھ نوجوان اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"فرمائیے:" وہ متبسم انداز میں مجسم اخلاق بن کر بولا۔

"سہیل صاحب سے ملنا ہے کمرہ نمبر بائیس ہیں ——" اس نے شیریں اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ٹھہریئے!" وہ فون کی طرف لپکا۔ "ابھی پتہ کرتا ہوں۔" اس نے ذرا ایک کر فون کے کریڈل سے ریسیور اٹھا لیا۔

"سہیل صاحب!" وہ پکارا۔

چند لمحے بعد وہ پلٹا۔

"وہ کمرے میں موجود ہیں ——" اور اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔"

"ان سے کہیے ۔۔۔" وہ بولی : "تمثیلہ ملنا چاہتی ہے !"

نوجوان نے پھر سہیل سے فون پر رابطہ کیا۔ چند لمحوں بعد اس نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ سے ملنا نہیں چاہتے ۔۔۔" اس کا لہجہ متین تھا۔

وہ زیرِ لب مسکرائی۔

"تمثیلہ نہ سہی" وہ دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "کہیے شبیلہ ملنا چاہتی ہے۔"

"پھر سے سوچ لیجیے ۔۔۔" وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "کہیں پھر سے نام غلط نہ ہو جائے۔"

وہ اس کی نظروں سے گھبرا گئی۔ اور فوراً ہی متین اور شرمیلے انداز میں گردن جھکا لی۔ نوجوان مسکرایا۔

"تمثیلہ نہیں ۔۔۔" وہ مادۂ تہذیب میں بولا "شبیلہ ملنا چاہتی ہیں جناب آپ سے ۔۔۔"

"آپ کو فوراً بلایا ہے ۔۔۔" وہ آپ کے منتظر ہیں" نوجوان کریڈل رکھتے ہوئے بولا۔ پھر اس نے ایک ویٹر کی طرف اشارہ کیا۔

"شینی! ۔۔۔" وہ ویٹر سے مخاطب ہوا ۔۔۔ "کمرہ نمبر بائیس تک ۔۔۔ چھوڑ آؤ ۔۔۔!"

ویٹر چل پڑا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ ایک انجانی سی دہشت اس کے دل میں ابھر رہی تھی۔ مگر اس دہشت میں بھی اسے لطف و سرور کا احساس ہو رہا تھا۔ اور اس کی روح دل سے اٹھنے والی کیف آگیں سرگوشیاں سن کر شادماں ہو رہی تھی۔ گھبراہٹ سے (۲۱) کے قدم صحیح نہ اٹھ رہے تھے۔ اور وہ چلتے ہوئے لڑکھڑا سی رہی تھی۔

سیڑھیاں چڑھنے کے بعد بیرے نے اسے کمرہ نمبر بائیس کے دروازے پر پہنچا دیا۔ اور خود چلا گیا۔ اس نے تھوڑے توقف کے بعد جھجک آمیز انداز میں دروازے پر دستک دی۔

فوراً ہی دروازہ کھلا۔

اس کے سامنے سہیل کھڑا تھا۔

"زہے نصیب! ——— آپ! ——— میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ———"

وہ لجائی لجائی سی آگے بڑھی

"اب تو آپ کو جاگتے میں بھی خواب نظر آنے لگے ہیں۔"

"جی ہاں ——— منزل قریب آکر دور چلی جائے تو پھر انسان خواب دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔"

"خوب ———" شبیلہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"بیٹھئے ———" وہ ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

شبیلہ اس کے متلاطم، جوشیلی اور گرم گرم نظروں کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اُسے جلد ہی اپنا چہرہ جھکا لینا پڑا۔

سہیل اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اور شبیلہ کو اس کی نظریں اپنے جسم میں چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ خاموشی تھی کہ پھیلتی ہی چلی جا رہی تھی۔ سکوت میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ جب اس اضافے کا سلسلہ طویل تر ہو گیا تو سہیل چونکا اور ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔

حیرت ہے۔ میں آپ کو اپنے کمرے میں دیکھ رہا ہوں۔ قسمت بھی کیا کیا گل کھلاتی ہے۔"

شبیلہ نے کسمسا کر نگاہیں اٹھائیں اور جرأت کر کے اس کی نظروں کا مقابلہ کیا۔

اس کے ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی دلنواز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"اب آپ کو میری موجودگی سے بھی حیرت ہونے لگی ہے۔"

"آنکھیں پھیرنے والے اگر اچانک سامنے آجائیں۔ تو تعجب ہونا ہی چاہیئے۔"

"آنکھیں کس نے پھیری تھیں۔"

"آپ نے۔"

"وہم تھا آپ کا۔"

"تبیا! ـــــ" اس کے لہجے میں جذبات کی گہری لرزش تھی۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو تم!"

"ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں۔" وہ پیار سے نظریں جھکا کر بولی۔ حالات نے مجھے دور ہونے پہ مجبور کر دیا تھا۔ مصلحت کے تقاضے مجھے دور لے گئے تھے۔

یکایک اس کی جبلی شوخی ابھری۔ اور خود پر قابو پا کر بالکل سنجیدہ ہو گیا۔

"مگر اب وقت کافی دور جا چکا ہے۔" وہ مصنوعی اداسی سے بولا۔ "گھر والوں نے مجھے فاخرہ کے پلّے باندھنے کا وعدہ کر لیا ہے۔"

سہیل کا خیال تھا کہ وہ اس جملے پر ایک دم افسردہ ہو جائے گی۔ مگر اس کا یہ خیال حقیقت کا روپ نہ دھار سکا۔

وہ مسکرائے جا رہی تھی۔ اس پر سہیل کو سخت حیرت ہوئی۔ مگر اس نے اپنے افسردہ تاثرات کو برقرار ہی رکھا۔

"اب میں سوچتا ہوں" ـــ وہ بولا ـــ "فاخرہ کیا بری ہے گھر والوں نے ٹھیک ہی فیصلہ کیا ہے۔"

"میرے خیال میں بھی ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔" وہ چنچل لہجے میں بولی۔ اس کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ اور اس میں پریشانی کے عناصر بھی شامل ہوتے جا رہے تھے۔ وہ متعجب تھا

کہ وہ اس کی بات سے ناراض کیوں نہیں ہوتی۔ بیٹیا کیوں نہیں جاتی۔ سچ تو یہ کہ کیوں نہیں ہوجاتی وہ تو پہلے سے بھی زیادہ شوخ اور مسرور ہوگئی تھی۔

"اس فیصلے سے تمہیں ذرا افسوس نہیں ہوا؟ ——" وہ انتہائی حیرت سے بولا۔

"ذرا بھی نہیں! —— سچ جانیے بالکل نہیں۔"

سہیل کی پریشانی اور حیرت اب الجھن میں تبدیل ہوگئی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ کہ شبیلہ جیسی تنک مزاج اور جذباتی لڑکی ذرا بھی خفا نہیں ہوئی۔ پریشان کن سوچ کی ایک بھی لکیر اس کی خوبصورت پیشانی پر ہویدا نہیں ہوئی۔ وہ حیران ہورہا تھا تذبذب، تردد اور کشمکش اس کے چہرے پر پھیلتی ہی جارہی تھی۔

ہونٹوں پر دبی دبی نشاط انگیز مسکراہٹ لیے اُسے قاتل آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اس کے انداز میں التفات تھا۔ وہ اس کے التفات سے ندامت سی محسوس کرنے لگا۔ اس کا چہرہ کانوں تک سُرخ ہوگیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر اس نے بے ساختہ قہقہہ۔۔ لگایا۔ وہ ہنستی ہی چلی گئی سہیل کو یوں لگا جیسے کتنے ہی ملکوتی گیت اس کے ساعت کے پردے سے سرور انگیز انداز میں ٹکرا رہے لگا ہوں۔ وہ ہنستی ہوئی شبیلہ کو مبہوت بنا دیکھتا ہی رہا۔ وہ ہنستی ہوئی اسے بہت ہی رعنا دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ اسی طرح کھلکھلا کر ہنستی رہے۔ اور وہ اُسے دیکھتا رہے۔ صدیاں گزر جائیں۔ زمانے بیت جائیں۔"

پھر وہ اسے اپنی طرف بے خودی کے عالم میں دیکھتی ہوئی سنبھل گئی۔ اس کے معصوم قہقہے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں بدل گئے۔ اس کے ساتھ ہی سہیل کی وارفتگی کا عالم بھی قدرے کم ہوگیا۔

"اب اس اداکاری کو جانے دیجیے۔"

"کیا مطلب؟ —" وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے متعجبانہ بولا۔ "کیسی اداکاری؟"

"خواہ مخواہ سنجیدہ بننے کی۔" وہ دلنواز ہنسی ہونٹوں پر لا کر بولی۔ "کل ڈرامیٹک ڈوم میں ہونے والی تمثیلہ سے تمام گفتگو میں سن چکی ہوں۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے تمثیلہ اور فاخرہ سے کتنی محبت ہے آپ کو۔"

"اوہ — شبیلا! —" اس کے لہجے میں پیار بھری لرزش تھی۔ "تو تم نے مجھے آزما لیا۔ وقت نے میرے حق میں فیصلہ دے دیا۔ بے شمار تلخ منزلوں کے بعد مجھے اپنی منزل مل ہی گئی۔ میں تمہاری آزمائش میں پورا اتر ہی گیا۔ شکر ہے قدرت نے میرے دل کی آواز کو سن لیا۔"

اس نے سرشاری کے عالم میں اس کے گداز ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ اور شبیلا کو یوں لگا جیسے ایک برقی رو اس کے جسم میں سرایت کر گئی ہو۔ وہ نشاط انگیز کیف و سرور اپنے دل میں اترتا محسوس کرنے لگی۔ اس کے انگ انگ میں خوشیاں نغموں کی لہریں کر بکھرنے لگیں۔ سرسرانے لگیں۔ اور ایک مستی بھرے انداز میں سہیل کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

"میرا خیال تھا —" وہ بے خودی کے عالم میں بولی۔ "آخری منزل نہیں ہے۔"

"شبیلا! —" وہ پیار سے مسرور ہو کر بولا۔ "تم ہی تو میری آخری منزل ہو۔ مجھے تمہاری محبت مل گئی سب کچھ مل گیا۔"

اس نے پیار سے شبیلہ کے ہاتھ دبائے اور وہ بڑھتی ہوئی مسرتوں سے مسرور ہو کر مسکرائی۔ لجائی اور سمٹ سی گئی۔ اس کے چہرے پر فرحتوں کی شفق چمک رہی تھی۔

"آخری منزل کا فیصلہ تو ہمارے والدین کریں گے —" اس کے لہجے میں ہلکی سی تشویش ابھری۔

"اوہ! —" وہ بہت ہی پیار سے بولا۔ "تم اس کی فکر نہ کرو۔ میرے ڈیڈی

میری پسند کو کبھی نہیں ٹھکرائیں گے۔ اور وہ اس کا اظہار بھی کر چکے ہیں۔ میری اپنی پسند پر بھی کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"کس پسند کے بارے میں کہو گے ـــــــ" اس نے نظریں جھکا کر نغمہ بار آواز میں کہا۔

"ناصرہ کے بارے میں ۔" وہ شوخی سے بولا۔

اس نے فوراً نظریں اٹھائیں اور اسے پیار سے گھورا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ شبیلہ ہنسنے لگی

"دل سے کہہ رہے ہو ـــــــ" وہ شرمیلی اداؤں کا مظاہرہ کر کے بولی۔

"دل تو تمہارے پاس ہے ۔" وہ برجستہ بولا۔

"جب دل میرے پاس ہے ۔" اس نے ادا سے آنکھیں مٹکائیں۔ "تو ناصرہ کو کیا دو گے۔"

"روح ـــــــ وہ یکایک سنجیدہ ہوگیا ـــــــ" کہتے ہیں روح کے بندھن بہت مضبوط ہوتے ہیں۔

"وہ کانپ گئی۔ اس کے انداز سے شبیلہ کا دل ہول کھانے لگا۔

"اگر روح کے بندھن اتنے ہی مضبوط تھے ـــــــ" وہ تلخ لہجے میں بولی ـــ "تو مجھے کیوں بے چین کرتے رہے ہو۔" اس نے اس کے تلخ لہجے کو محسوس کیا اور دل ہی دل میں ہنسا۔

"کوئی خود ہی بے چین ہو جائے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" اس کا لہجہ خشک تھا۔

شبیلہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر تلخیوں کے انبار لگ گئے، بے ساختہ اس کا دل بھر آیا۔ اور آنسو لمبی لمبی پلکوں کے حصار توڑ کر رخساروں پر بہنے لگے۔

سہیل بے ساختہ آگے بڑھا اور بڑے ہی پیار بھرے انداز میں شبیلہ کو اپنے بانہوں میں کھینچ لیا۔

"شبیلا!" ــــــ اس کے لہجے میں اَن گنت پیار گھل رہے تھے۔ "میں تو مذاق کر رہا تھا۔ میری عادت کو جانتی بھی ہو تم۔ ــ تم! تمہیں تو میری منزل ہو ــــ آخری منزل۔ تمہارے بغیر یقین جانو یہ سنسار میرے لیے ایک کھنڈر سے زیادہ کچھ نہیں"

وہ سسکیاں بھرتی ہوئی بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔

"میں بہت حساس ہوں سہیل! وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔" مجھ سے دل جلانے والی شوخی نہ کیا کرنا ورنہ میں مر جاؤں گی۔ مر جاؤں گی سہیل ــــ"

"مرنے کی باتیں نہ کرو" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر بولا۔ "زندگی نے ہمیں خوشیاں بخش دی ہیں" پھر اس نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ "لاؤ یہ آنسو پونچھ دوں۔ جو میری محبت میں پہلی بار بہے ہیں" وہ اپنا رومال نکال کر اس کے آنسو پونچھنے لگا۔

"پہلی بار۔ سہیل کاش تم یہ جان سکو یہ آنسو کتنی بار بہے ہیں۔ یہ آنکھیں کتنی مدت ــــ اشک بار رہی ہیں"

"اوہ ــــ اچھا ــــ اب مسکرا دو" وہ اس کے آنسو پونچھ کر بولا۔

وہ چپ چاپ کھڑی رہی

"اب مسکراؤ گی بھی نہیں۔ وہ برا سا منہ بنا کر معصومیت سے بولا۔ اور وہ اس کے اس انداز پہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"ہاں۔۔!" وہ خوش کن لہجے میں بولا ــــ "یہ ہیں محبت کے انداز"

وہ اس کی اس بات پہ شرما گئی۔ اور سہمے سمٹے سے انداز میں اسے محبت سے لبریز نگاہوں سے دیکھا۔

"بنانا خوب جانتے ہیں آپ!" وہ ہونٹوں کے زاویے بدل کر اداۓ دلفریب سے بولی

"ہاں لوگ کہتے ہیں۔" وہ فخر سے بولا۔ "میں اس فن میں ماہر ہوں۔"

"اور محبت کرنے میں بالکل اناڑی ہو ــــــ" اس نے چنچل سی لچک کھاکر کہا۔

"تم تو تجربہ کار ہو نا۔" اس نے برجستہ کہا۔ اور وہ شرم سے کٹ کر رہ گئی۔ وہ یکایک متین ہو گیا۔

"اچھا یہ بتاؤ۔" وہ بولا۔ "اگر میرے ڈیڈی رضامند ہوگئے تو تمہارے والدین کو تو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"میرے خیال میں ــــــ" وہ سوچتے ہوئے بولی ــــــ "انھیں بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"واہ ری قسمت! ــــــ ــــ" اس نے ایک شوخ نعرہ مارا۔ "تب تو پھر محبت کی خوشیوں سے لبریز آخری منزل قریب ہی سمجھو۔ بہت قریب۔"

شکیلہ نے شرما کر نگاہیں جھکا لیں۔ اور سہیل نے پیار سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"ہاں یاد آیا۔" وہ اس طرح اچھلا جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی ہو۔ "ہاں ـ یہ تو بتاؤ تم نے ہوٹل کے ملازم سے یہ کیوں کہا تھا کہ تمثیلہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔"

"کیا شوخ لوگوں سے ــ" وہ لگاوٹ سے بولی۔ "شوخی کا اظہار نہیں کیا جاسکتا۔"

"خوب ادائیں ہیں شوخی کی۔ ــــــ" وہ اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولا۔

"سنجیدگی کے پردے ہٹا کر ایک دم چنچل ہو گئی ہو۔ ــــــ محبت بھی کیا سے کیا بنا دیتی ہے انسان کو۔"

سورج پہاڑوں کے پیچھے غروب ہو رہا تھا۔ اور رات کی تاریکی پھیلنے لگی تھی۔

"اب میں چلتی ہوں" وہ بولی۔ "گھومنے کا بہانہ کر کے نکلی تھی۔ لیکن کافی دیر ہوگئی۔"

"کل صبح میں یہیں انتظار کروں گا۔" وہ مسکرایا۔ "ایوب پارک چلیں گے۔ آؤ گی نا؟"

"ضرور آؤں گی ـــــ" وہ مستحکم لہجے میں بولی ـــــ "اب تو آنا ہی پڑے گا۔ یہ تو روح کے بندھن ہیں نا۔"

"روح کے بندھن ـــــ" سہیل کے لہجے میں نغمات کا رچاؤ تھا۔

دس بج چکے تھے۔

شبیلہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔

سہیل مرقعِ انتظار بنا ہوا بے چینی سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی بے چینی اور اضطراب میں ہر آن اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ بار بار کلائی اونچی کر کے گھڑی دیکھتا۔ اور پھر دروازے کی طرف نظریں لگا دیتا۔

ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔

"آپ سے مس شبیلہ بات کریں گی" ٹیلیفون آپریٹر نے بتایا۔

"نہیں ـــــ نہیں، انہیں کہہ دیں پھر کسی وقت فون کریں۔"

ایک ناگواری اس کے چہرے پر مسلط ہو گئی۔

ساڑھے دس بجے کمرے کے باہر قدموں کی آہٹ ہوئی۔ چند لمحوں بعد شبیلہ اندر داخل ہو گئی۔

"بڑا انتظار کرایا ـــــ"

"کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی ۔"

"انتظار کرنے والے کے دل سے پوچھو!"

"ہوں ۔ ــــ" شبیلہ کا لہجہ متین تھا ۔

وہ قریب ہی کرسی پر بیٹھ گئی ۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے ۔ اور نظروں کے تیر دل میں اتر رہے تھے ۔ زخم لگ رہے تھے ۔ کسک پیدا ہو رہی تھی ۔ ایسی کسک جس سے ٹیس کی بجائے سرور کا ۔۔ احساس ہوتا ہے ۔ جس سے کیف بار راحت ملتی ہے ۔ وہ ایسی راحت کو از خود رفتگی کے عالم میں بیٹھے محسوس کر رہے تھے ۔

"انتظار کتنی ظالم چیز ہے یہ!" ــــ وہ یکایک مسکرایا ۔ وہ اس طرح چونکی جیسے اسے تصورات کی حسین فضا کے اجڑنے کا افسوس ہوا ہو ۔

انتظار ــــ" اس کی آواز میں خواب کی غنودگی تھی ۔ انتظار! بہت سرور انگیز چیز ہے تم اسے ظالم کہہ رہے ہو ۔"

"ہے تو ــــ" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا ۔ "مگر اس وقت تک جب کہ کوفت نہ ہو ۔"

"تو تمہیں ــــ وہ بناوٹی خفگی کا اظہار کر کے بولی ۔ "میرے انتظار سے کوفت محسوس ہوتی ہے ۔"

اس نے منہ بنا لیا ۔ اور ہونٹوں کے زاویے جلد جلد بدلنے لگی ۔

"روٹھ گئیں! ــــ" وہ پیار سے بولا ۔ کہو تو ساری زندگی انتظار ہی کرتا رہوں تھوڑی تھوڑی مشق تو اب ہو ہی چکی ہے ۔"

"ایسی چاہت کو اپنے پاس رہنے دو ۔" وہ ناز بھرے انداز میں بولی ۔ اور اب چلنے کی تیاری کرو ۔ تین گھنٹے کے بعد گھر جا کر آنٹی کو دوا پلانی ہے ۔ ان سے دو گھنٹوں کی

کی اجازت لے کر آئی ہوں۔"

"ہوں ۔" ـــــ وہ سنجیدگی سے بولا۔ ۔ "ان کے ہاں ملازم ہو گئی ہو کیا؟ ـــ"

"ملازمت کیسی؟ ـــــ" وہ پیار سے بولی۔ "شکیلہ بیگم ابا جان کے مرحوم دوست کی بیگم ہیں۔ اس لیے انہوں نے مجھے ان کی تیمارداری کے لیے بھیج دیا ہے۔" پھر وہ خود بخود شرما گئی۔ "ویسے بھی ابا اور امی کا خیال ہے، کہ تصور سے نجمی کی شادی کر دی جائے۔ دو ایک دوسرے کو چاہتے بھی ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔"

"میرا؟" وہ چونک کر مسکرا دیا۔ "اگر وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں تو شادی کرنے میں کیا قباحت ہے۔" پھر اس نے شبیلہ کو غور سے دیکھا اور شرارت آمیز لہجے میں بولا۔ "نجمی بھی چھوٹی ہے نا۔"

"مجھ سے چھوٹی ـــ"

"پھر تو تمہاری شادی پہلے ہونی چاہیئے ـــــ" وہ شوخ لہجے میں بولا۔ شبیلہ کا حسین پیکر ایک دم گہرے حجاب سے سمٹ گیا۔ اور اس کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا۔

"منہ دھو رکھیئے۔" وہ نرم لہجے میں نظر جھکا کر بولی۔

"ارے ـــــ آ ـــ" وہ مسکرا کر بولا ـــــ "شیروں کے منہ بھی کسی نے دھلائے ہیں ـــ"

"دیکھیئے ـــــ" اس نے بھی چنچل لہجہ اختیار کیا۔ "مسٹر شیر! اب وقت ضائع نہ کیجیئے۔"

"یہ کوئی آفس نہیں ہے۔" اس نے آنکھوں میں شوخی کی چمک لا کر کہا۔ "کہ تمہارا وقت ضائع ہو گا۔ اور بھائی جان کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا: تم وہ نوکری کب کی چھوڑ چکی ہو۔"

وہ ایک دم گھبرا سی گئی۔ اس کے تصورات کی رو راحیل کی طرف منتقل ہو گئی اور

راحیل کی پرخلوص صورت پردۂ ذہن پر منعکس ہونے لگی۔ وہ کتنا پرخلوص اور بھلا انسان ہے۔ اس نے بُرے وقت میں اس کی مدد کی تھی۔ وہ اس کی ہمدردی اور اخلاق کو کبھی فراموش نہ کرسکتی تھی۔

وہ اسے سوچوں میں پڑے دیکھ کر زور سے ہنسا۔

"بھائی جان! ـــــ" اس کا لہجہ شریر تھا۔" یاد آرہے ہیں کیا ـــــ"

"ہاں! ـــــ" اس نے مضمحل لہجے میں کہا۔" وہی یاد آرہے ہیں"

اس جملے پر اس کی تمام شوخی اور طراری ختم ہوگئی۔

"ہوں! ـــــ" اس کا لہجہ خشک ہوگیا۔" اس لیے کہ وہ تمہیں تنہائیوں میں یاد آتے ہیں، لے جاتے تھے۔ میرے خیال میں تو وہ تم سے پیار کرتے ہیں ..... اور تم ....."

وہ خاموش ہوگیا۔ بات پوری نہ کرسکا۔

"یہ بھی کہہ دیجئے کہ میں بھی ان سے پیار کرتی ہوں۔" اس کا لہجہ بہت ہی متین ہوگیا۔ "پیار اور احسان شناسی میں بڑا فرق ہوتا ہے تنگ مزاج سہیل صاحب! راحیل صاحب کی ہمدردی اور خلوص کو فراموش نہیں کرسکتی۔ وہ مجسم اخلاق ہیں۔ نیکی کا فرشتہ ہیں عظیم انسان ہیں۔ میں ان کی عزت کرتی ہوں۔ قدر کرتی ہوں۔ عقیدت کی حد تک، انہوں نے اپنی مہربانیوں سے میرے بُرے حالات کو پلٹنے کی کوشش کی تھی۔"

"اور میرا کوئی خیال نہیں ہے" وہ اس کے انداز تکلم سے مسرور ہو کر بولا۔" جو تمہاری زندگی میں خوشیوں کا پیغام لے کر بھیگی ہوئی رات میں داخل ہوا تھا۔ اس احسان کی تم نے کوئی داد نہیں دی۔ میری کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی ـــــ"

"یہ حوصلہ افزائی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کے لہجے میں ناز تھا۔ میں نے اپنی زندگی ہی تمہیں دے دی ہے۔"

"زندگی کے بدلے زندگی کا سودا کیا ہے۔" وہ اسے شوخ نگاہوں سے دیکھ کر

بولا: یہ تو سودا ہے حوصلہ افزائی کیسی؟"

"ہوں! میں غلط کہہ گئی ہوں!" وہ سٹپٹا سی گئی۔ اور جھنجلا کر بولی۔ "چلو! حوصلہ شکنی سمجھ لو!"

وہ اسے عمیق نظروں سے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ اسے مسکراتے دیکھ کر اور جھلا گئی۔

"اب وقت ہی ضائع کئے جاؤ گے۔۔۔" وہ بولی۔۔۔ "یا چلو گے بھی؟"

"پیار بھری باتوں کو تم وقت ضائع کرنا کہتی ہو۔"

"اللہ!۔۔۔" وہ چڑ چڑ ہو کر بولی۔ "اب زیادہ باتیں نہ بناؤ۔"

اس نے شوخ انداز میں شنیلہ کی نقل اتاری۔

"اللہ۔۔۔ اب زیادہ باتیں نہ بناؤ۔" "ساری عورتوں کو بس یہی ایک جملہ آتا ہے"

وہ شرم سے کٹ کر رہ گئی۔ دبی دبی مسکراہٹ اس کی یاقوتی ہونٹوں پر مچلنے لگی۔

"بہت تنگ کرتے ہو۔ بہت ستاتے ہو۔" اس نے منہ بنایا۔ "اب چلو بھی نا!"

"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔" وہ چند قدم چلا پھر رک گیا۔ "چائے نہ پی لیں۔۔۔"

اس نے پیار سے سہیل کا ہاتھ تھام لیا۔ اور اسے آگے کی طرف کھینچا۔

"نہ۔۔۔" وہ ادا سے پلک جھکا کر بولی۔ "یہاں نہیں!"

"شیبا!۔۔۔" اس نے پیار بھری سرگوشی کی۔

"جی!۔۔۔" اس نے بھی سرگوشی میں بے ساختہ کہا۔ جیسے وہ نشیلی فضاؤں میں اڑنے لگی ہو۔ اور اس کا پیکر مجسم سرور بن گیا ہو۔ نشہ ہی نشہ اس کے گرد پھیل گیا تھا۔ اور وہ اس کے لپیٹ میں آتی جا رہی تھی اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے اس کے شعور کو ایک کیف بار سے طلسم نے خوابیدہ کر دیا ہو۔ وہ مدہوش ہوتی جا رہی تھی۔ آنکھوں

میں خمار جیسی کیفیت چھا رہی تھی۔

"شیبا ـــــ" جیسے دور کہیں سے آواز آئی ہو۔ ـــــ "اب مجھے جدائی کے داغ نہ دینا۔ اب کسی آزمائش سے دوچار نہ کرنا۔"

وہ کچھ نہ بولی اور اُسے ترچھی نظروں سے دیکھتی رہی۔ وہ بھی اسے دیکھ رہا تھا وہ شرمائی، لجائی بہت خوبرو دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے جھیل میں بہتا کنول۔ جیسے گلاب کی شاخ پر جھولتی ہوئی سرخ کلی۔ جیسے ستاروں کی روشنی میں عطر ریز ہواؤں کی مہکار۔ جیسے بادلوں کے آغوش میں چھپتا نکلتا چاند کا ٹکڑا۔ اس کے سیپ جیسے حسن کی دلکشی میں کھویا ہوا تھا۔

"خیالوں کی دنیا سے باہر نکل کر دیکھو۔" اس نے اس کا بازو پکڑ کر پیار سے ہلایا۔ ہم ابھی تک کہاں کھڑے ہیں۔

"چاند کی دنیا میں ـــــ" وہ تصوراتی لہجے میں بڑبڑایا۔ جیسے خود سے ہمکلام ہو۔

"چاند کی دنیا میں نہیں ہوٹل کے کمرے میں۔" وہ مسکرا کر بولی۔ اور اس کے بازو کو زور سے ہلایا۔

"اوہ!ـــــ" وہ اُسے گہری چاہت سے دیکھ کر بولا۔ ـــــ "کتنا حسین تصور تھا!ـــــ"

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ اور اس کے خوبرو چہرے پر میٹھی نظریں دوڑانے لگا۔ شیبا نے قدم آگے بڑھایا۔ اور اس کے بازو کو جھٹکا دیا۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔

دونوں چپ چاپ لاؤنج سے گزر کر باہر آگئے۔ لمبے پورچ میں کھڑی ہوئی اس نے اپنی کار کا دروازہ کھولا۔

"بیٹھئے نا ــــ" وہ پیار بھری آواز میں بولا۔ شبیلہ نے اسے مسرت بھری حیرت سے دیکھا۔

"گاڑی بھی لے کر آئے ہیں جناب؟ ــــ" وہ نزاکت سے بولی ــــ"

"مجھے پتہ تھا" اس کی شوخی پھر عود کر آئی "تمہیں سیر کرانی پڑے گی۔ اسی لیے گاڑی لے کر آیا ہوں"

"جھوٹے کہیں کے!" وہ لگاوٹ سے بولی۔

دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ شبیلہ ــــ ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی نشست پر بیٹھ گئی۔ وہ بھی سیٹی بجاتا ہوا اپنی سیٹ پر آ بیٹھا۔ اس نے بڑے چنچل انداز میں گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے بھگا کر ہوٹل کے گیٹ سے باہر نکلا۔

کار تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ سرمئی سڑک طویل ہوتی جا رہی تھی۔ وہ خاموش بیٹھے تھے۔

"اوہ! ــــ کوئی بات کرو نا ــــ" وہ ذرا سا رُخ پھیر کر دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا بات کروں؟" وہ یونہی بولی۔

"تو پھر میری باتوں کا جواب دو" وہ مسکرایا۔

"کہیے" باتیں! ــــ" وہ ناز سے بولی۔

"گھر میں تمہی کے علاوہ کتنے بہن بھائی ہیں۔" وہ اس کی فیملی سے متعارف ہونے کی غرض سے بولا۔

"کوئی نہیں! ــــ" وہ ذرا اداس ہو کر بولی۔ گھر کے چار افراد ہیں ــــ میں، بجی، امی اور ابا جان! ــــ ابا جان بنک میں ملازم ہیں۔ بیماری کے دنوں میں گھر پر پڑے رہتے تھے اب رو بصحت ہیں اور باقاعدگی سے بنک جا رہے ہیں"۔

"ہوں!" ——— پھر وہ مطمئن انداز میں بولا۔ "بھئی! ہماری فیملی تو خاصی ہنگامہ خیز ہے۔" ڈیڈی ہیں، بھائی جان۔ ایم جو بی۔ اے کی طالبہ ہے چھوٹی بہن ہے۔ ایک اور بہن ہے ایشا ہرہ! بڑی شریر ہے۔ مجھ جیسی۔ اور مجھ سے بہت محبت کرتی ہے ——— امی کا انتقال کئی برس پہلے ہو چکا ہے۔"

امی کے ذکر سے وہ کچھ اداس ہو گیا۔

اسے دیکھ کر وہ بھی غمزدہ ہو گئی۔ اسی خاموشی میں وہ ایوب پارک پہنچ گئے

———

سہیل

آہستہ سے پارکنگ میں کار ٹھہرا دی۔ دونوں گاڑی سے نیچے اتر آئے۔ شبیلہ مسکراتی ہوئی ایوب پارک کو پرشوق نظروں سے دیکھنے لگی۔ ہلکی ہلکی مست ہوا چل رہی تھی چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے ایوب پارک میں کافی رونق تھی۔ کھیلتے ہوئے بچوں کے نقرئی قہقہے ایک سامعہ نواز گونج پیدا کرتے ہوئے فضا کی وسعتوں میں معدوم ہو رہے تھے۔ ایک سحر سا پھیلا ہوا تھا دھوپ کی خوشگوار تمازت انجانی راحتوں جیسا سکون بخش رہی تھی۔ امنگوں بھرے دلوں میں کیف سا اتر رہا تھا۔ ماحول بڑا ہی دلفریب بڑا ہی پیارا تھا۔ حسین جوڑے پارک میں ادھر ادھر بکھرے زندگی کے حسن سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

کہیں قہقہے لگ رہے تھے، کہیں آنکھوں کے دلکش اشارے ہو رہے تھے اور کہیں محبت بھری سرگوشیاں ہو رہی تھیں فطرت اپنی پوری رعنائیوں سے ایوب

پارک میں جلوہ گر تھی۔ ہر چیز مسرت بھری انگڑائی لیتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

"کتنا شاندار موسم ہے ——" وہ خواب گوں آواز میں بولی۔

"وہ کیف بار آواز میں بولا ——" یہ زندگی واقعی حسین ہے۔"

"واقعی! ——" وہ بھی مسرور کن لہجے میں بولی۔ "آج تو مجھے بھی یہ زندگی بہت خوب صورت لگ رہی ہے۔"

"زندگی کا حسن پیار میں مضمر ہے۔ اس سے پہلے یہی زندگی تلخیوں کے سوا کچھ بھی نہ تھی۔"

"یہ فلسفہ بھی خوب ہے ——" وہ پیار سے بولی۔ "زندگی کی رعنائی کا تعلق دلوں کے جذبات سے ہے۔ جب دلوں میں راحتیں ہوں تو زندگی کا دلکش احساس ہونا ایک قدرتی امر ہے۔"

دونوں نے سرشارانہ انداز میں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر پہاڑوں کی طرف نگاہیں جما دیں۔ اور لمبے لمبے سانس لے کر رومان پرور سرور محسوس کرنے لگے۔

"میں آج کتنا خوش ہوں ——" وہ اس کی طرف گھوم کر نشیلی آواز میں بولا۔ "میری خوشی کا آج ٹھکانا نہیں ہے۔ یہ دلکش فضا، یہ پہاڑ، یہ شجر و حجر، یہ کیاریوں میں ہنستے ہوئے پھول اور خوشگوار انداز میں یہ دمکتا ہوا آفتاب سب کچھ کتنا سرور بخش ہے۔"

جب دلوں میں خوشیاں ناچ رہی ہوں —— وہ بھی نشہ آور لہجے میں بولی تو ہر چیز رقص کرتی ہوئی دکھائی دیتی اور سرگوشی کے انداز میں جھومتی ہوئی نظر آتی ہے۔"

"تو ہم بھی مارے خوشی کے جھومنے لگیں۔" وہ مست انداز میں مسکرایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے کی طرف چل دیا۔

وہ بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ خواب کے سے عالم میں، نشیلے انداز میں۔ مدھر

جذبوں کے سہارے ان کے قدم بہک بہک کر ساتھ رہے تھے۔ اور لڑکی قہقہوں کی گونج انھیں ہر آن طلسم انگیز نشہ ودیعت کر رہی تھی۔ انھیں زندگی ایک نشے اور سرور کے سوا کچھ اور محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

وہ چلتے چلتے ایک جگہ رکے اور ہری ہری گھاس کے بیچ پڑے ہوئے ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔ ان کے بازو بینچ پر بیٹھتے ہی ایک دوسرے کی رفاقت کو چھوڑ چکے تھے مگر دلوں میں پیدا ہونے والی رفاقت کم نہ ہوئی تھی، بلکہ وہ تو ہر ساعت بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اور انھیں قریب سے قریب تر لا رہی تھی۔ ایک بن جانے کے لیے۔ دو قالب ایک جان ہونے کے لیے۔

"مقدس پیار کی لگن کتنی شدید ہوتی ہے" وہ مسرورانہ بولا۔ "دو پیار کرنے والے ایک دوسرے کی طرف مقناطیسی کشش لیے کھینچے چلے آتے ہیں۔

جیسے ہم کھنچے چلے آئے ہیں ـــــ" شبیلہ نے مست انداز میں تائید کی۔

"کہاں آکر ہماری امنگوں، خواہشوں اور ارمانوں نے خوشیوں کا لبادہ اوڑھا ہے"۔ اس کے لہجے میں کیف تھا کہ یقین تھا کہ دفتر کی گھٹی گھٹی فضا میں بچھڑنے والے یوں ان کو ہماری فضا کی رنگینی میں ایک دوسرے سے مل سکیں گے۔ ایک دوسرے کے ہو کر نئی منزلوں کے راہی بن جائیں گے اور ہمیشہ کے لیے ایک ہونے کا عہد کریں گے۔"

نئی منزلوں کے راہی ـــــ" وہ محبت بھری سسکی لے کر بولی۔ کتنا پیارا جملہ ہے خوشبوؤں میں تھر تھراتے ہوئے حسین پیکر کی۔ طرح نشہ انگیز۔

یہ راہی ـــــ یہ فضائیں ـــــ یہ پہاڑ ـــــ یہ ٹیڑھے میڑھے راستے یہ سبزہ زار، یہ اونچے اونچے ہوا میں جھومتے ہوئے درخت اور رنگ برنگے ہنستے ہوئے پھول ہماری محبت کے گواہ ہیں۔ ہمارے پاکیزہ جذبات کے امین ہیں ـــــ

ہمارے یہ جذبات ان چیزوں کے جسموں میں اتر جائیں گے اور جب کبھی ہم یہاں سے گزریں گے تو یہ پکار پکار کر کہیں گے۔ یہ ہیں وہ پیار کے مقدس جذبات رکھنے والے لوگ جنھوں نے ہماری مسکراہٹ کے جلو میں محبت نبھانے کا عہد کیا تھا۔

"سچی محبت ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ ـــ" وہ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

"اور ہمیشہ زندہ رہے گی ـــ" وہ اس کی تائید میں گہرے وثوق سے بولی۔

"ہمارے فنا ہو جانے کے بعد بھی محبت زندہ رہے گی ـــ"

دفعتاً ایک آواز گونجی۔

دونوں نے گھبرا کر پیچھے دیکھا۔ ایک نوجوان بینچ کے پیچھے سے کود کر سامنے آگیا۔ یہ تصور تھا۔ اس کی آنکھیں شوخی سے چمک رہی تھیں۔ اور ہونٹوں پر ایک سنسنی خیز دلکش سی مسکراہٹ تھی۔

"دیکھیے شبیلہ بہن! میں نے آپ کو تلاش کر ہی لیا۔"

شبیلہ کا چہرہ زرد ہو گیا اور سہیل نادم سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ اس غیر متوقع مداخلت سے بھونچکے رہ گئے تھے۔ حسین تصورات ایکدم فنا ہو گئے تھے۔ ایک بے کلی اور ایک بے چینی سی سرور انگیز دلوں میں اتر آئی تھی۔

وہ کچھ کہہ ہی نہ سکے۔ اور ایک دوسرے کو حجاب آلود نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر قدرے حیرت کم ہونے پر انہوں نے جھجکی جھجکی سی شرم آلود نگاہیں اٹھا کر تصور کو دیکھا۔

"اب زیادہ شرمائیے نہیں ـــ" وہ اُن کے چہرے کے ندامت آمیز جذبات

سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا: "محبت تو بچہ ہے ــــــ اور بچہ زندگی ہے ــــــ پھر اپنی زندگی سے کون منہ موڑ سکتا ہے۔ محبت کے بغیر تو انسان کی بھی تکمیل نہیں ہوتی۔ دنیا کی ہر چیز محبت کی ہی پروردہ ہے مجھے اپنا دوست سمجھئے۔ ایک ایسا دوست بے غرض اور بے لوث، جو رازداں بن کر راز کی حفاظت کر سکے اور دو چاہنے والوں کو ایک دوسرے کے قریب اور قریب لا سکے۔"

سہیل چونک کر محویت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ تصور کے خلوص بھرے جذبات نے اُسے بہت متاثر کیا تھا۔ اس نے اُسے ممنونیت سے دیکھا ــــــ اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"تو پھر آج سے ہم دوست ہوئے ــــــ" اس کی آواز میں خلوص کی چاشنی تھی ــــــ"

"بہت ہی گہرے دوست ــــــ" تصور سہیل کا ہاتھ گرمجوشی سے اپنے ہاتھ میں لے کر بولا۔

"آج تو قدرت بہت ہی مہربان ہے ــــــ" وہ خوشی سے بولا: "ایک خلوص بھرا دل رکھنے والا دوست بھی مل گیا۔ جس کی مجھے حسرت تھی:"

"میری بھی یہی تمنا تھی:" وہ اس کا ہاتھ دبا کر بولا۔ "کوئی بھائی نہ تھا۔ دوست کے روپ میں بھائی مل گیا:"

"بھائی جان! ــــــ" شبیلہ بھی اس اثناء میں اپنے پشیمان جذبات کو قابو میں کر چکی تھی: "آپ یہاں کہاں چھپے بیٹھے ہیں؟"

"چھٹی کے دن میری یہاں اسی پارک میں آنا ہے ــــــ" وہ مسکرا کر بولا۔ "میں یہاں آکر کسی نہ کسی بینچ کی پشت سے ٹیک لگا کر پڑھنے لگتا ہوں۔"

"ہوں! ــــــ" وہ ہنسی۔ "کیا پڑھتے ہیں آپ؟ ــــــ"

"زندہ کتابیں، چلتی پھرتی داستانیں" وہ بولا۔

"اور آج ـــــ" سہیل شبیلہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا "ہماری داستان کا مطالعہ ہی کر بیٹھے" پھر اس نے شوخی سے کہا "یہاں آکر مطالعہ کرنے سے کچھ معلومات میں اضافہ بھی ہوا"

"بے بہا اضافہ" ـــــ اس نے قہقہہ لگایا۔ اگر چاہوں تو آپ لوگوں کو بلیک میل کر سکتا ہوں"

اس پر سہیل اور شبیلہ بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے۔

"چلیے" ـــــ وہ بولا۔ اب میں آپ لوگوں کو گھماتا ہوں۔

قصور نے انھیں پارک میں بنی ہوئی مصنوعی نہر میں کشتی کی سیر کرائی۔ وہ انھیں خوب گھماتا رہا۔ جب وہ پارک کے اونچے نیچے سبزہ زاروں میں گھومتے گھومتے تھک گئے تو انھیں چائے پلانے کے لیے ہوٹل کامران لے آیا۔

وہ چائے سے فارغ ہوئے ہی تھے۔ کہ قصور کا ایک دوست مل گیا۔ اس نے شبیلہ اور سہیل سے رخصت لی۔

وہ بھی اپنی کار کی طرف آئے اور ہوٹل کی جانب ہو لیے۔ مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی کار ہوٹل کے گیٹ میں داخل ہو کر پورٹیکو میں آکر رک گئی۔

"اتریے محترمہ! ـــــ" وہ شوخ انداز میں بولا۔ آپ کی منزل آگئی۔ میرا بل مجھے دیجیے۔"

وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر مسکرا اٹھا ـــــ اور وہ نیچی نظریں کیے ہونٹوں میں دبا دبا تبسم لیے دل کی دھڑکنیں سن رہی تھی۔ اس کا ہاتھ اس کی نظروں کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔ یکایک اس نے سر اٹھایا۔

"ڈرائیور! ـــــ ہماری یہ منزل نہیں" وہ متانت اور تحکمانہ لہجے میں بولی۔

ہم اپنے بنگلہ پر جانا چاہتے ہیں۔"

"چائے پینے کے بعد ــــ" اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پیار سے کہا "ڈرائیور اس حکم کی تعمیل کرے گا۔"

"مہربان ڈرائیور! ــــ" وہ بولی: "ہم بار بار چائے پینے کے عادی نہیں ہیں اور نہ اب زیادہ دیر یہاں ہی ٹھہر سکتے ہیں۔" ــــ اپنی گاڑی سنبھالیے ــ ہم چلے۔"

"چائے نہ پیجیے گا۔ کھانا کھا لیجیے گا۔"

"دیر ہو گئی ہے۔ ــــ" وہ بچوں جیسی معصومیت سے بولی۔ "پھر کبھی سہی۔"

"کچھ بھی ہو ــــ" وہ بضد ہو کر بولا "تھوڑی دیر تو تمہیں میرے کمرے میں ٹھہرنا ہی پڑے گا۔

"اس نے اپنے ہونٹوں پر ایک ہلکی ہلکی مسکراہٹ پھیلائی اور نیچے اتر گئی۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہی نیچے اتر آیا۔ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر اندر جانے لگے۔

وہ اندر جا رہے تھے اور دو حسین آنکھیں تذبذب کے عالم میں انھیں گھور رہی تھیں۔ ان میں قہر، غضب، کشمکش اور ذہنی خلفشار کے تاثرات تھے۔ جن میں درد کی ہلکی سی جھلک بھی تھی۔ یہ آنکھیں تمثیلہ کی آنکھیں تھیں۔ جو تیسری بار اپنی کار میں بیٹھ کر اس سے ملنے ہوٹل آئی تھی۔ اور سہیل کو شبیلہ کے ساتھ دیکھ کر۔ اسے آگ ہی تو لگ گئی تھی۔ آنکھوں میں غصہ سے چنگاریاں سی سلگنے لگیں تھیں۔ وہ اپنی کار سہیل کی کار کے پیچھے ٹھہرا چکی تھی۔ اور دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جہاں سہیل اور شبیلہ اندر جا کر غائب ہو گئے تھے۔

اس کے دل میں نفرت اور کدورت سر ابھار رہے تھے۔ آنکھیں متلاطم تھیں چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ذہن کے پردے پر سوچوں کے ہیولے تیزی سے منعکس ہو رہے

تھے ان کا عکس اتنی تیزی سے پڑ رہا تھا کہ وہ دیوانی ہوئی جا رہی تھی

وہ ایک طنطنہ سے جھٹکا کھا کر اپنی سیٹ سے اٹھی اور پرجوش انداز میں کھڑکی کھول کر باہر نکلی۔ اس کے قدم تیزی سے اندر کی طرف اٹھنے لگے۔ اندر جاتے جاتے اس کی چال اتنی تیز ہو گئی تھی۔ جیسے وہ بھاگ رہی ہو۔ کئی نظروں نے اسے استعجابیہ انداز میں دیکھا تھا۔

اس نے جلدی جلدی سیڑھیاں پھلانگیں اور سہیل کے کمرے کے قریب پہنچ کر بے قراری سے دروازہ کھولا۔ اور وحشیانہ انداز میں اندر گھستی چلی گئی۔ وہ کسی بات پر کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔ ان کی ہنسی نے جلتے پر تیل کا کام کیا۔ اور اس کے سینے میں سلگتی ہوئی آگ میں شعلے بھڑک اٹھے۔ اس نے قہر آلود انداز میں شبیلہ کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں چنگاریاں چمک رہی تھی۔ غضب اور جوش کی چنگاریاں۔

"آپ! ـــــ سہیل کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ اور ممتیلہ کو دیکھ کر شبیلہ کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اس کے جسم میں کپکپی دوڑ گئی تھی۔ اور دل نامعلوم خدشوں سے دھڑکنے لگا تھا۔

بدنامی کے خیال سے وہ سراسیمہ ہو گئی تھی۔

"تو یہاں رنگ رلیاں منائی جا رہی ہیں ـــــ" وہ تھوڑی دیر شبیلہ کو گھور کر بولی۔

"ممتیلہ بہن ـــــ" وہ دہشت سے حلق میں پھنستی آواز میں بولی۔

"بہن ـــــ" وہ رعونت سے بولی۔ تمہاری بہن! ـــــ تم جیسے کنگلوں سے میرا کیا رشتہ! اپنی حیثیت پہچانو ـــــ جھونپڑی میں رہ کر محلوں کے خواب مت دیکھو۔ ورنہ جھونپڑی بھی جلی ہوئی پاؤ گی۔ سنا ہے تم بہت غریب ہو اور غریب خاندان کی لڑکی کو کیا حق پہنچتا ہے ـــــ ایک امیرزادے سے عشق اور محبت کی پینگیں۔

پڑھائے ـــــــ "رئیس زادے ایسے کھیل روز ہی کھیلتے ہیں ـــــــ روز ہی محبت کرتے ہیں۔ روز ہی اپنے پیار کے مرکز بدلتے ہیں۔"

"تمثیلہ! ـــــــ" وہ غصہ میں بھر کر دو قدم آگے بڑھا۔ اس کے ہونٹوں سے نکلی ہوئی بلند آواز چیخ بن گئی: "کتنی کم ظرف ہو تم ـــــــ تم محبت کو دولت کی ترازو میں تولتی ہو۔ دوسروں کے کرداروں پر کیچڑ اچھالتی ہو۔ دوسروں کی عزت کو داغدار کرتی ہو۔ چلی جاؤ یہاں سے پھر مجھے صورت مت دکھانا۔"

اس نے پلٹ کر سہیل کو غصے بھرے انداز میں گھورا

"چلی جاتی ہوں" وہ جوشیلے درد بھرے انداز میں بولی: "میں بار پہلے بھی تمہارے کمرے کا دروازہ بند دیکھ کر جا چکی ہوں۔ اب بھی چلی جاؤں گی۔ مگر اپنے دل کی آواز سنا کر جاؤں گی۔"

"یہاں کوئی تمہارے دل کی پکار سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ "جاؤ اپنے دل کی پکار ان دوستوں کو سناؤ جو تمہارے ساتھ کلبوں میں ڈانس کرتے ہیں۔ ہر روز لڑکیاں بدلتے ہیں۔ جن کے پہلو میں ڈانس کرتے ہوئے تمہیں سکون ملتا ہے۔ یہاں تمہارے دل کی پکار کوئی نہیں سنے گا۔ اپنے دل کی پکار اپنی اس مکروہ تہذیب کو سناؤ جس میں تم متعفن بھرے سانس لے رہی ہو۔ مغربی تہذیب تمہارے دل کی پکار سننے کے لیے بے تاب ہے۔"

"تمثیلہ نے کچھ کہنے کے لیے اپنے ہونٹ کھولے۔ وہ اس کی طرف تیزی سے لپکا۔ اور قریب پہنچ گیا۔ وہ غصہ اور جوش و غضب میں تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"نکل جاؤ ـــــــ" وہ چیخا ورنہ ذلیل ہو کر نکلو گی۔"

"ذلیل ہونے میں کیا کوئی کسر باقی رہ گئی ہے؟" وہ روہانسی ہو کر بولی۔ پھر اس نے غضبناک نظروں سے شنیلہ کی طرف دیکھا۔ اس کی باتیں سن کر شنیلہ کے دل سے

دہشت بالکل مٹ گئی تھی اور اس کی جگہ نفرت جوش اور حقارت نے لی تھی۔ تمثیلہ اسے بہت ہی نیچ دکھائی دے رہی تھی اور ایسے کمینے لوگوں سے سخت نفرت تھی۔ اب اسے اپنی بدنامی کا ڈر بھی نہیں رہا تھا۔ وہ جھجک اور خوف مٹ گیا تھا جو اسے تمثیلہ کے آنے سے ہوا تھا۔ ان باتوں سے اس کے دل میں تنفر کا لاوا ابھرنے لگا تھا۔

نظروں سے نظریں ٹکرائیں۔ شعلے بھڑکے۔ اور بجلیاں کوندیں ــــــ

" تم ممی کی تیمارداری کے لیے آئی ہو" وہ حقارت سے بولی۔ " یا فحاشی کی دکان سجانے۔"

" تم سے زیادہ! ــــ" اس کے لہجے میں جوش بھری حقارت تھی۔ کون۔ فاحشہ ہو گی۔ معلوم ہو گیا تم عورت نہیں ہو بلکہ عورت کا مذاق ہو ــــ" شبیلہ نے پہلی بار لب کشائی کی تھی ــــ

" شبیلہ! ــــ" وہ غصہ سے چیخی۔ تمہاری یہ جرأت ایک معمولی لڑکی مجھ سے ٹکر لینے چلی ہے ــــ" میری پاکیزہ بیگم اگر تمہیں اس کا مزہ نہ چکھایا تو میرا بھی نام تمثیلہ نہیں! ــــ"

مضطرب لہر کی طرح جوش سے بل کھاتی ہوئی تمثیلہ کمرہ سے باہر نکل گئی۔

تمثیلہ کے کمرے سے جانے کے چند منٹ بعد وہ بھی نپے تلے انداز میں دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

" میں چلی جاؤں گی ــــ" وہ نرم لہجے میں بولی۔ " تم کیا کرو گے جا کر میرے ساتھ ــــ"

" تمہیں پہنچا کر آؤں گا۔" وہ پیار سے بولا۔ " کہیں وہ کمینی تمہیں زک پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔"

" وہ کیا بگاڑ سکتی ہے میرا" اس کے لہجے میں اعتماد یقین اور بھروسہ تھا۔ " تم فکر

ساتھ ہو تو ایسی کتنی ہی سرپھری لڑکیاں باہم مل کر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔"

"میں تمہارے ساتھ ہوں ——" اس کے لہجے میں گہرا پیار تھا۔ —— "اور ہمیشہ ساتھ رہوں گا۔"

سہیل کے یقین بھرے لہجے سے اس کے چہرے پر اطمینان بھری لہریں بکھر گئیں اور مطمئن انداز میں اس کے ساتھ کمرے سے باہر نکلی۔

"میں اب یہاں نہ ٹھہروں گی" وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر کر بولی۔ "ابھی واپس لاہور چلی جاؤں گی ——" وہ قدم اٹھاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

شبیلہ مضمحل انداز میں ٹہلتی ہوئی ڈرائنگ روم کے پاس سے گزری۔ تصور بیتابی سے اس کا منتظر تھا۔ وہ اپنی ممی کو بھی سہارا دے کر ڈرائنگ روم میں لے آیا تھا۔ اگرچہ انہوں نے کمزوری کی بنا پر آنے سے انکار کیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ آج سب مل کر لنچ کریں۔

تصور نے نظریں پھیرے اور تھکی تھکی سی چال سے گزرتی ہوئی شبیلہ کو تعجب اور پریشانی سے دیکھا۔

"شبیلہ بہن! ——" اس نے بڑے خلوص سے پکارا۔ خلوص بھری آواز سے اس کے قدم رک گئے۔ اور اس نے نظریں گھما کر ادھر دیکھا۔ اور وہیں کھڑی رہی۔ اس کے چہرے پہ زمانے بھر کی اداسیاں بکھری ہوئی تھیں۔

"وہاں کھڑی ہو ——" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "اندر آؤ نا! لنچ نہیں کرو گی؟ ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ تمثیلہ بھی آتی ہی ہوگی۔"

"تمثیلہ کا نام سن کر اس کے قدم وہیں رک گئے۔ اسے اس کے نام سے شدید نفرت

کا احساس ہوا تھا۔ اسے کشمکش اور تذبذب میں دیکھ کر وہ اپنی سیٹ سے اٹھا۔ اور اس کے قریب آ گیا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانے لگا۔ اور اسے کرسی پر بٹھا دیا شبیلہ کے چہرے پر غموں کے سائے لہرا رہے تھے۔

"اتنی اداس کیوں ـــ ہو بیٹی! ....." شکیلہ بیگم شفقت سے بولیں۔

کمرے میں داخل ہوتی ممتشیلہ نے ان کی آواز سن لی اور وہ جوش میں بھری ہوئی ڈائننگ ٹیبل کے قریب آ گئی۔

"اس لیے اداس ہے ـ ـــ" وہ نفرت سے بولی "کہ ہم نے اسے ہوٹل میں سہیل کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے دیکھ لیا ہے۔"

"شبیلہ نے چہرہ اٹھا کر اسے جوشیلی نظروں سے دیکھا۔

"میں ایسی بکواس سننے کی عادی نہیں ہوں" ـــــــ شبیلہ غصہ میں بھر کر بولی۔

"سچی بات بکواس ہے ..." اس کا لہجہ تلخ تھا۔

"ممتشیلہ میں تمہاری سچی بات کو خوب سمجھتا ہوں ـــ" تصور نے اسے غصہ سے گھور کر کہا "سہیل تمہارا نہ ہو سکا اس لیے تم شبیلہ سے جل گئی ہو۔ تمہارے سینے میں دشمنی کی لہریں دوڑ رہی ہیں ـــ" وہ ذرا دیر کے لیے رکا۔ پھر بولا "یہ تمہارا قصور نہیں ہے بلکہ مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کا قصور ہے جس نے تمہیں گمراہ کر دیا ہے۔ تمہیں بگاڑ کر رکھ دیا ہے شبیلہ اور سہیل کافی عرصے سے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ تم ان کے درمیان میں آنے کی کوشش کر کے اپنا مان کے نیچے سے ہٹ جاؤ۔ ورنہ بری طرح ٹھوکر کھاؤ گی۔ زندگی بھر تڑپو گی۔ اور کچھ بھی نہ حاصل کر سکو گی۔

"مگر سہیل میرا نہ ہوا تو ـ" وہ حقارت سے بولی "تو شبیلہ بھی سہیل کی نہ ہو سکے گی۔

"شیبا کو یوں لگا جیسے اس کے سینہ میں تیر پیوست ہوگیا ہو۔ اس نے شکیلہ کو نفرت سے دیکھا۔

"شیبا تو سہیل کی ہی ہو جائے گی مگر تم کسی کی نہ ہو سکو گی، کیونکہ تم نے راستے ہی ایسے غلط اپنائے ہیں کہ صحیح منزل کا نشان ہی نہیں مل سکتا"۔ تنویر کا لہجہ اور سخت ہوگیا۔

"بھائی جان! آپ کو مجھ سے ہمیشہ شکایت رہی ہے۔ کبھی کبھی مجھے یوں لگنے لگتا ہے کہ میں آپ کی بہن نہیں دشمن ہوں، جو فیشن کیا کرنے لگی ہوں۔ زندگی ہی اجیرن ہوگئی ہے لوگ ماڈرن ہوتے جا رہے ہیں، اور ہمارا گھر پرانی ڈگر کو ابھی تک نہیں چھوڑ سکا۔ اگر ممی بھی اس گھر میں میری ہم خیال نہ ہوتیں تو مجھے اتنی آزادی بھی نصیب نہ ہوتی"۔ اس نے شکیلہ بیگم کی طرف ہمدردی طلب نگاہوں سے دیکھا مگر ان کے چہرے پر سرد سی لہر دیکھ کر اس کا دل کانپ گیا، چہرے پر تاریکیاں پھیل گئیں۔ دوسرے لمحے تاریکیوں میں باغیانہ تاثرات پیدا ہوئے اور ان تاریکیوں کو جوش کی چمک نے نگل لیا۔

"آپ کو بھی مجھ سے کوئی شکایت ہوگئی ہے ممی!" ـــــــ وہ اپنے لہجے کو تاسف سے پُر کر کے بولی۔ "آپ خاموش ہیں، میری کسی بات کی آپ نے تائید نہیں کی۔ آپ ہی نے تو مجھے ان راہوں پر چلایا ہے۔ ہوٹلوں اور کلبوں کی فضا سے آشنا کیا ہے، رقص کے نئے نئے زاویے آپ ہی سے تو میں نے سیکھے ہیں"۔

وہ خاموشی سے شکیلہ بیگم کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بھی چپ چاپ بیٹھی اسے دیکھ رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا، جیسے ان کے چہرے پر بیزار کن تاثرات پھیلنے لگے ہوں۔

"بے شک!" ـــــــ وہ تلخ لہجے میں بولیں۔ "میں مغربی تہذیب کے گندے ماحول میں رچ بس گئی تھی۔ اور تمہیں بھی پوری آزادی دے دی تھی۔ تمہیں کلبوں اور ہوٹلوں میں ساتھ لے کر جاتی تھی۔ مرد دوستوں سے ملاقات پر تمہیں پورا پورا اختیار تھا۔ اب سوچتی ہوں میں نے جو کچھ کیا تھا غلط کیا تھا۔ تمہاری اس بے راہ روی کی میں ہی ذمہ دار ہوں

ہوں۔ اب پچھتا رہی ہوں کہ میں نے اتنے غلط قدم کیوں اٹھائے۔ یہیں یہ بیگانی فضا راس نہیں آسکتی۔ ہمارا معاشرہ مغربی تہذیب کی فضا کو کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ مشرق اور مغرب کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تم آزادی کا غلط مطلب نکالو گی۔ تمہاری غیرت اور شرم و حیا بالکل مٹ جائے گی۔ تم اتنی بے حیا اور بے غیرت ہو گئی ہو کہ اپنے بڑے بھائی سے بھی بدکلامی پہ اتر آئی ہو۔ تمہیں شرم آنی چاہیئے۔ جب سہیل شبیلہ کو پسند کرتا ہے تو تم اسے کیوں ناپسند کرتی ہو۔"

تمثیلہ نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں چہرہ اٹھایا۔ اس کے چہرے پر تلخیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

"ممی! ـــــــ آپ مجھے چاہے کتنا ہی برا بھلا کہہ لیں" وہ زہر آلود لہجے میں بولی۔ "مگر میں شبیلہ کو اس گھر میں نہیں رہنے دوں گی۔"

شبیلہ ایک اضطراب انگیز لچک کھا کر اٹھی۔

میں خود بھی تمہاری موجودگی میں اب یہاں رہنا نہیں چاہتی ـــــــ اس نے گہرے تنفر سے کہا۔

"کیا بک رہی ہے بدتمیز لڑکی ـــــــ" شکیلہ بیگم نے تمثیلہ کو چیخنے کے سے انداز میں ڈانٹا۔ "مہمانوں سے اس طرح کا سلوک کیا جاتا ہے۔"

"ممی! ـــــــ" وہ کسی قسم کی پرواہ کئے بغیر طنزیہ انداز میں تلخی سے بولی۔ "ان جیسے مہمانوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہونا چاہیئے۔ شبیلہ کے یہاں سے جانے کے بعد مجھے راحت ملے گی۔"

شبیلہ کے قدم دروازے کی طرف اٹھنے لگے۔ یہ دیکھ کر تنویر اس کی طرف لپکا۔ اور اسے بازو سے پکڑ لیا۔

"چھوڑ دیجیے ـــــــ" وہ مضطرب انداز میں خود کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے

بولی۔ "میں نادم ہو کر یہاں نہیں رہ سکتی۔"

"شکیلہ یہ بلائی مہمان نہیں ہے شکیلہ۔ اس کا لہجہ تلخ اور غصیلا تھا۔ اسے میں نے ممی کے مشورے سے بلایا تھا۔"

"اور ممی کے مشورے ہی سے اس کی چھوٹی بہن نجمی سے شادی کرنے پر تلے ہوئے ہو۔"

اسے جیسے طنز کے سوا کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا وہ دیوانی سی ہوئی جا رہی تھی۔ محبت کی ناکامی نے اسے بدحواس سا کر دیا تھا۔

"ہاں! ———" شکیلہ بیگم گمبھیر آواز میں فیصلہ کن انداز سے بولیں "یہ شادی میری مرضی سے ہوگی اور ضرور ہو جائے گی۔"

"اسی لیے بھائی جان ———" وہ تلخی سے بولی۔ "اپنی خوشیوں اور کامرانیوں کے لیے مجھے ہمیشہ کے لیے اندھیرے راستوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دینا چاہتے ہو۔"

"تم خود اندھیروں میں بھٹکنے لگو تو اس کا کیا علاج ہے۔ سہیل کے علاوہ تم جہاں چاہو میں تمہاری شادی کا بندوبست کر سکتا ہوں۔"

"سہیل کے سوا اب میری زندگی کا کوئی شریک نہیں بن سکتا ———" وہ جوش سے بولی: "میں سہیل کی آخری دم تک خواہش کروں گی۔ یہ میری ضد ہے ——— پاگل تمنا ہے ——— دیوانی آرزو ہے ——— اور دیوانی امیدوں کو کامران کرنے کے لیے خود بھی دیوانہ بننا پڑتا ہے۔"

مغرب کی پوری بے حیائی اور آوارگی اس کے لبوں پر رقصاں تھی۔

"تم سچ مچ دیوانی ہو گئی ہو ———" شکیلہ بیگم اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔ "اس خیالِ خام کو دل سے نکال دو اور اپنے بڑے بھائی کا کہا مان لو۔ اپنے دوستوں میں سے کسی ایک کو اپنی زندگی کا ہمسفر چن لو۔ ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا ———"

"میں سہیل کے سوا کسی اور کو پسند نہیں کرتی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" وہ اٹھتے

ہوئے بولی "اب میرا کوئی دوست یہاں نہیں آئے گا۔ کسی قسم کا رقص نہ ہوگا۔ میں سب کو چھوڑ دوں گی۔ اور سہیل کو اپنانے کے لیے زندگی کی بازی لگا دوں گی۔"

"اور میں تمہیں سہیل سے دور رکھنے کے لیے زندگی کی بازی لگا دوں گا۔" تقسور نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کون جیتے، یہ بازی کون ہارے گا۔ پھر وہ تقسور کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھ کر تلخی سے مسکرائی۔ "میں یا آپ؟"

ان لفظوں کے ساتھ وہ بپھری ہوئی لہر کی طرح کمرے سے باہر نکل گئی۔ شکیلہ بیگم نے اسے سرد نظروں سے دیکھا۔

تقسور مبہوت سا کھڑا رہا۔

اور شکیلہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

ارشد بڑے خوشگوار موڈ میں افتخار لاج کے گیٹ میں داخل ہوا ـــــ اور آہستہ خرامی کے ساتھ چمن پار کر کے اندر آگیا۔ دو گیلریوں اور ایک لاونج سے گزرنے کے بعد اس نے ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔ گھر میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ نوکر بھی شاید کہیں پیچھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ صرف باورچی خانے سے برتنوں کے ایک دوسرے سے ٹکرانے کی آواز کبھی کبھی آجاتی تھی۔ اور پھر ایک گہرا سکوت گھر کی فضا پر مسلط ہو جاتا۔

"سب لوگ کہاں چلے گئے؟" جیسے وہ خود سے بولا۔ اور سب کمرے دیکھ ڈالے۔ کوئی بھی نہ ملا۔ سب سے پہلے اس نے ڈرائنگ روم میں دیکھا تھا۔ جب اسے وہاں کوئی نہ ملا تھا۔ تب اس نے دوسرے کمروں کا رخ کیا تھا ـــــ اور اب صرف ایک ہی کمرہ رہ گیا تھا جس کی طرف اس نے ابھی تک جانے کی جرأت نہ کی تھی۔ وہ تھا ارم کا کمرہ۔ آخر کار تجسس نے اسے ادھر آنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ دروازے پر پہنچ کر متذبذب کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔ اور کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اس نے دھیمے انداز میں دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟" ـــــ کمرے میں سے ارم کی شیریں آواز آئی۔

"میں! ـــــ" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "ارشد ہوں۔"

"آجائیے! ـــــ" شرمیلے سے لہجے میں اندر سے کہا گیا۔

اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولا۔ اور دھیمے دھیمے قدم رکھتا اندر چلا گیا۔ ارم اسے دیکھ کر گھبرائے ہوئے انداز میں اس کے خیر مقدم کے لیے صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں حیا کی چمک تھی۔ دل کی دھڑکنیں سرگوشیاں بن کر روح کو گرما رہی تھی۔ اسے حیات بخش گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔ ارشد کو دیکھ کر اس کی یہی حالت ہو جایا کرتی تھی۔

ارم سر جھکائے قالین کو دیکھ رہی تھی۔ اور وہ اس کے چہرے پر پھیلتی ہوئی شام کے سورج کی سنہری کرنوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے بال سرخ ربن سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ آسمانی جمپر پر آسمانی ہی رنگ کا ریشمی دوپٹہ پڑا تھا۔ وہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی ایک خوشگوار سا احساس و اضطراب محسوس ہو رہا تھا۔

"گھر کے باقی لوگ کہاں چلے گئے ہیں۔" ارشد جھینپ مٹانے کی غرض سے ملائم آواز میں بولا۔

"بھائی جان سہیل راولپنڈی کسی کام سے گئے ہوئے ہیں۔" وہ آہستگی سے شرمیلے لہجے میں بولی۔

"انکل، راحیل اور شاہدہ کہاں ہیں؟"

"شاہدہ بھائی جان راحیل کے ساتھ شاپنگ کو گئی ہے ـــــ" وہ موسیقی نواز لہجے میں بولی۔ "اور ڈیڈی اپنے کسی دوست سے ملاقات کو ـــــ"

"اچھا اب میں چلوں گا۔ میں تو سہیل بھائی کو لینے آیا تھا۔" وہ اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

ارشد جلد سے جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ وہ تکلف اور احتیاط کی اس دیوار کو گرانا نہیں چاہتا تھا جو اب تک قائم تھی۔ وہ ایک با اصول نوجوان تھا۔ اور حد درجہ محتاط۔ پھر وہ افتخار احمد کی اقتادِ طبع سے بھی واقف تھا جن کے نزدیک دولت ہی وقعت و اہمیت رکھتی تھی۔ اور اس کے سوا ہر چیز ہیچ تھی۔ اس لیے وہ چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو ان کے معیار کے مطابق دولت مند بنا لے اور پھر دل میں چھپے اور دبے ہوئے ان جذبوں کو زبان پر لائے جو ارم نے خاموش نگاہوں سے بارہا اس کے دل میں پیدا کیے تھے۔

"ٹھہریئے!۔۔۔۔۔" ارم انتہائی پیار سے بولی "میں آپ کو چائے پیے بغیر نہ جانے دوں گی۔ اگر اتنی ہی جلدی جانا تھا تو آئے کیوں تھے؟"

اس کے قدم وہیں رک گئے۔ وہ مڑا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے لہجے نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے مصلحتوں سے روگردانی کر کے دل کے تقاضوں کو قبول کر لیا۔۔۔۔ ارم کے جھکے ہوئے حسین چہرے پر یاسیت سی پھیلی ہوئی تھی۔۔۔۔ اس احساس کے ساتھ اس کے ہونٹوں پر ایک شگفتہ تبسم لہرانے لگا۔ وہ اس کے چہرے پر مایوسی دیکھ کر سب طرف سے بے نیاز ہو گیا تھا۔

"آپ چند منٹ کی بات کرتی ہیں۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "میں تو چاہتا ہوں یہاں تمام زندگی بیٹھا رہوں۔"

"تو پھر آپ بھاگتے کیوں رہتے ہیں۔۔۔۔" اس نے نظریں اٹھا کر شرمیلے انداز میں کہا۔

"بھاگتا تو نہیں۔ مجبوراً بھاگنا پڑتا ہے۔"

"کیا مجبوری ہے آپ کو؟"

"جیسے تم کچھ نہیں جانتیں؟"

"ماشاء اللہ ——— آپ بیچ جانئیے کچھ نہیں جانتی ؟"

"تمہارے ڈیڈی ——— میرے یہاں آنے سے ناخوش رہتے ہیں۔"

"تو آپ ان فاصلوں کے پھیلاؤ کو پسند نہیں کرتے۔" وہ جیاوت کرکے اس کے چہرہ پر استفہامیہ نظریں دوڑا کر بولی۔

"نہیں۔" دل میں پھیلنے والے نشے نے اسے دل کی بات کہنے پر مجبور کر دیا۔ "پسند نہیں کرتا۔ مگر میرے پسند نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر افسردگی سے بولا۔

وہ چونکی اور اسے گہری گہری نظروں سے دیکھنے لگی۔ جن کے بیچ عزم جھلک رہا تھا ———

کیوں نہیں روک سکتے —— ارادے پختہ ہوں تو طویل سے طویل فاصلے سمٹ جاتے ہیں منزلیں قریب آجاتی ہیں۔"

ہوگی ——— لیکن ان منزلوں کا ہم سفر ساتھ نبھانے کا وعدہ کرے تب ہی تو۔ ۔۔۔ "

"ہمسفر نے انکار کب کیا؟ شرم و حجاب کی ایک گہری لہر ارم کے چہرے پر سرخی بن کر چھا گئی۔

"راشد والہانہ انداز میں آگے بڑھا۔ جیسے کوئی مقناطیسی کشش اسے آگے گھسیٹ رہی تھی۔ راشد نے بے قرار ہو کر ارم کے گداز ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ پیار کی اس شدت کی تاب نہ لا سکی۔ اور نظریں جھکا دیں۔

"ارم! ۔۔۔"

"ارم! ——— وہ پیار سے بولا۔

"ہوں! ——" اس نے چہرہ اٹھایا اور جذبات بھرے مبہم سے انداز میں کہا ——

"کہیں میری غربت ایک دوسرے سے ہمیں دور نہ کر دے۔" اس نے اپنے محبت بھرے لہجے میں ہلکی سی تشویش بھر کر کہا۔

"غربت تو کیا —— " وہ عزم سے بولی ——، "ہمیں تو موت بھی ایک دوسرے سے دور نہیں کر سکتی۔"

"اوہ! —— وہ مسکرایا۔" تو یہ فیصلے ہیں دل کے ——"

"اب تو یہی فیصلے ہیں ——" وہ بھی ایک لطیف مسکراہٹ اپنے لبوں پر پھیلا کر بولی۔

"اب تو سب بے چینیاں مٹ گئیں ——"

وہ لجائی لجائی نظریں جھکا کر کھڑکی کے کواڑ سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی وہ مسکرانے لگا۔

"ا —— ہائے اللہ! ——" وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی

"میں تو بھول ہی گئی۔"

"کیا بھول گئیں؟"

"نوکر سے چائے کو تو کہا ہی نہیں۔"

وہ ایک لمحے کے لیے رکی اور پھر دروازے سے باہر نکل گئی۔ نوکر کو چائے کہہ کر کچھ دیر بعد وہ پھر کمرے میں آ گئی۔

"یوں لگا تھا ——" وہ اس کے چہرے پر نگاہیں مرتسم کر کے بولا "جیسے تم برسوں کے لیے بچھڑ گئی ہو۔"

"اور جب یہاں سے اپنے گھر میں جاؤ گے۔ وہ اس کی نگاہوں کا مقابلہ کر کے بولی"

"تو پھر کیا محسوس ہوگا؟"

"یوں لگے گا جیسے میں اپنا دل تمہارے کمرے میں چھوڑ آیا ہوں۔"

"کیا دلوں کا تبادلہ بھی تمہیں قرار نہ دے گا؟"

"اگر یہ تبادلہ تنہائی میں کسی کو قرار دے سکتا ہے تو مجھے بھی قرار آجائے گا۔" اس نے ارم کو غور سے دیکھا

"تنہائی میں تو بے چینیاں اور بڑھ جاتی ہیں ــــــ" وہ مضطرب لہجے میں بولی۔

"تو پھر مجھے کیسے قرار آجائے گا؟"

"تو دلوں کے تبادلے اضطراب اور زیادہ سمیٹ لاتے ہیں؟"

"ہاں! ــــــ" وہ گہری آواز میں بولا۔ "اضطراب ہمیشہ لاتے ہیں۔ مگر ان میں جو سرور اور لذت ہوتی ہے۔ وہ دلوں کے تبادلے کے بغیر کہاں حاصل ہوتی ہے۔"

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

نوکر چائے لایا تھا۔

"آجاؤ! ــــــ" ارم نے آواز دی۔ وہ اندر آگیا اور چائے کے قیمتی ظروف میز پر رکھ کر چلا گیا۔ جبکہ میز کے ایک طرف تازہ خوشنما پھولوں کا گلدستہ طلائی گلدان میں سجا بڑا دلکش منظر پیش کر رہا تھا۔ وہ میز کے کنارے رکھا تھا۔

ارم نے چائے بنائی۔ ایک کپ اس کے آگے اور ایک اپنے آگے رکھ لیا ــــــ

نظروں کے میٹھے میٹھے تیر چلنے لگے۔

محبت کی کہانیاں دہرائی جانے لگیں۔

نظروں ہی نظروں میں پیار بھرے افسانے کہے جانے لگے۔ اور چائے ختم ہوگئی۔

انہیں یہ بھی نہ پتا لگا کہ اختیار احمد کی گاڑی کب پورٹیکو میں آکر رکی اور کس وقت ان کے قریب وہ خود پہنچ کر رکے۔

افتخار احمد کھلے دروازے کے سامنے کھڑے انہیں چائے پیتے ہوئے بھی بھی حسرت سے چمکتی ہوئی نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے۔ سیخ پا ہو گئے۔ وہ پہلے ہی ارشد سے کچھ خوش نہ تھے تنہائی میں ارم کے ساتھ چائے پیتے دیکھ کر ان کا غصہ بھڑک اٹھا اور وہ جوش میں بھرے ہوئے اندر آ گئے۔

خالی پیالیاں میز پر رکھ کر انہوں نے قدموں کی آہٹ سے ادھر دیکھا۔ ان کی جان ہی تو نکل گئی۔ رنگ اڑ گئے دل کی دھڑکنوں میں شدید خوف سے اضافہ ہو گیا دلوں کے تیا دلے دھرے رہ گئے محبت کی کہانیاں سو گئیں پیار کے افسانے افسانے بن گئے وہ لرزتے، کپکپاتے غیر ارادی طور پر کھڑے ہو گئے تھے۔

"ڈیڈی! ــــ"

"انکل! ــــ"

وہ انتہائی سراسیمہ ہو گئے تھے۔ افتخار احمد کی آنکھوں سے غصہ کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں ــــ اور وہ سخت جوش بھرے اضطراب میں مبتلا تھے۔ غیظ و غضب سے ان کا جسم لرز رہا تھا۔ انہوں نے ارشد کو قہر آلود نگاہوں سے گھورا ــــ

تو تمہارے حوصلے یہاں تک بڑھ گئے ہیں۔" ان کے لہجے میں تلخی اور حقارت، جوش اور انتہائی غصہ تھا ــــ"

"ہر روز یونہی چلے آتے ہو ــــ" ان کا لہجہ بلند اور جوشیلا تھا۔ تم ایک قلاش آدمی ہو اپنے مقام کو پہچانو۔ اتنا اونچا اڑو، جتنی پرواز کی طاقت رکھتے ہو۔ میں نے اپنی طاقت سے زیادہ اونچے اڑنے والوں کو زمین پر بے بسی کی حالت میں گرتے دیکھا ہے۔"

"ڈیڈی! ــــ" ارم نے مداخلت کرنے کی کوشش کی۔

"تم خاموش رہو ــــ بے وقوف اور نادان لڑکی۔ تمہیں ابھی زمانے کے نشیب و فراز کا علم نہیں ہے۔ تم تو تالاب کی اس مچھلی کی طرح ہو جو تالاب کو سمندر سمجھتی

ہے۔ اگر میں نے آئندہ تمہیں اس قلاش لڑکے کے ساتھ بات کرتے دیکھ لیا تو شوٹ کر دوں گا۔ پھر انہوں نے جوش سے بل کھا کر ارشد کو غضب ناک نظروں سے دیکھا۔ اور کہا۔ اور تم دو ٹکے کے انسان آئندہ اگر کبھی یہاں آئے تو ذلیل کر کے نوکروں سے دھکے دلوا کر باہر نکلوا دوں گا۔ تم نے سمجھ کیا رکھا ہے۔"

ارشد نے بے بس اور غمناک نظروں سے انہیں دیکھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ ارم حسرتناک نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی۔

تصوّر

ہونٹوں پہ ایک شگفتہ مسکراہٹ لیکر شبیلہ کے کمرے میں داخل ہوا مگر اسے کمرے میں اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیا۔ اس کی مسکراہٹ تاریکی دیکھ کر مفقود ہو گئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سوئچ دبایا۔ دوسرے لمحے ہی کمرہ برقی روشنی سے جگمگانے لگا۔ تکیے میں منہ دیئے روتی ہوئی شبیلہ نے دکھ بھری نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"رات کیسی کٹی ہو چکی ———" وہ نرمی سے بولا ——— "پھر بھی کمرہ میں اندھیرا تھا ——"

"دل میں اندھیرا ہو تو کمرے کی روشنی کیا کرے گی۔"

"تمہارے دل میں تو اندھیرا نہیں ہو سکتا۔ تمہارا دل تو محبت کی روشنی سے منور ہے۔"

"مگر یہاں کے ماحول نے یہ روشنیاں اندھیرے میں بدل دی ہیں۔" شبیلہ کا لہجہ دکھی تھا۔

"تم ابھی تک تمثیلہ سے دوپہر کی جھڑپ کو دل سے نہیں نکال سکیں۔" وہ اس کے پلنگ

کے قریب آکر بولا۔

"یہ مجروح ایسی نہیں جو اتنی جلدی دل سے نکل جائے۔ دل پر زخم لگتے ہیں اور زخم فوراً ہی تو مندمل نہیں ہوتے۔

"مجھے نہیں معلوم تھا تم اتنی حساس ہو۔" وہ غمزدہ آواز میں بولا۔ "زندگی میں بڑے بڑے زخم کھانے پڑتے ہیں۔ ناگوار سے ناگوار بات سہنی پڑتی ہے۔ احساس پر ضربیں پڑتی ہیں دل دکھتے ہیں۔ بڑے بڑے ادوار سے گزرنا پڑتا ہے مگر اس کا یہ مقصد نہیں کہ انسان ہمت ہی ہار بیٹھے۔"

شبیلہ کی آنکھیں شدتِ گریہ سے متورم ہو رہی تھیں۔ تصور کو اس کی حالت بڑی قابلِ رحم دکھائی دی اور اس کے دل میں ہمدردی کے گہرے جذبات موجزن ہو گئے۔

اب تمام غم و غصہ دل سے مٹا دو۔"

"آپ نے ناحق مجھے یہاں بلایا۔" وہ رقت آمیز آواز میں بولی۔

"میں نے تمہیں یہاں اس لیے بلایا تھا۔ کہ یہاں گھوم پھر جاؤ گی مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں اس طرح کے ناخوشگوار واقعات رونما ہو جائیں گے۔"

"یہاں تو خوب سیر سپاٹے ہو گئے ہیں ـــــــ" اس نے بپھرے ہوئے تلخ لہجے میں طنز کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے صبح جانے کی اجازت دے ہی دیجئے ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔"

"اتنا رنج نہ کرو ـــــــ اب تمہارے ساتھ تمثیلہ کوئی زیادتی نہ کر سکے گی۔"

"پہلے ہی کیا کم ہوا ہے۔"

"اب غصہ تھوک دو۔ میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔ میری بات مان لو۔"

"بھائی سمجھ کر ہی یہاں آئی تھی۔"

"تو کیا میں اب تمہارا بھائی نہیں رہا؟"

"نہیں!"

"پھر اپنے بڑے بھائی کی بات کیوں ٹھکرا رہی ہو۔! ——— اچھا ——— چلو ——— اب ڈنر کرو۔"

"مجھے بھوک نہیں ———" وہ بوجھل بوجھل آواز میں بولی۔

"اچھا ——— تم نے لنچ بھی نہیں کیا تھا ——— کھانے سے خفگی اچھی نہیں ہوتی۔"

"میں سچ کہتی ہوں ——— مجھے بھوک نہیں ہے ———" وہ متین لہجے میں بولی۔

"آنسوؤں ہی سے پیٹ بھر گیا ہے کیا؟" وہ اسے غور سے دیکھ کر بولا۔ "تمہیں میری قسم ہے۔ چلو تھوڑا سا ہی کھا لینا۔"

"اب قسم ہی ایسی دی ہے ———" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "چلیے!" اور وہ اسے ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ کھانے کی میز پر ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ تمثیلہ نے لنچ بھی نہیں کیا تھا۔ اب ڈنر پر بھی غائب تھی۔ اس کی عدم موجودگی سے تصور کو دکھ تو ہوا مگر اس نے تمثیلہ کا ذکر اس لیے نہیں کیا۔ کہ کہیں شبیلہ کے آبگینۂ دل کو پھر ٹھیس پہنچے۔ دونوں نے اپنے اپنے تصورات میں کھو کر تھوڑا بہت کھانا زہر مار کیا اور ٹیبل سے اٹھ گئے۔

تھوڑی دیر ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر انہوں نے یوں ہی سی باتیں کیں۔ پھر سونے کی غرض سے اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ شبیلہ نے اپنے کمرے میں آکر دروازہ بند کر لیا۔ سامنے کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ آسمان پر چاند پوری تابانی کے ساتھ چمک رہا تھا۔ اور جنون خیز چاندنی پوری کائنات پر نور کی بارش کر رہی تھی۔ سامنے پہاڑ بڑا ہی دلکش منظر پیش کر رہے تھے۔ چاندنی میں نہائے ہوئے پہاڑوں کو دیکھ کر کیف کا احساس جاگتا تھا۔"

شبنم کا دل بجھا بجھا سا تھا پھر بھی اسے پرکیف منظر کو دیکھ کر قدرے تسکین ضرور ملی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کمرے میں آرہی تھی جس سے سردی کا شدید احساس ہوتا تھا۔ کھڑکی چمن میں کھلتی تھی۔ وہ اسے بند کرنے کے لیے آگے بڑھی۔ چمن میں سرو کے درختوں کو دیکھ کر چند لمحوں کے لیے مبہوت سی ہوگئی۔ اُسے سحر انگیز چاندنی میں سرو کے درخت یوں لگ رہے تھے جیسے کتنی ہی مہوشیں سنجیدہ انداز میں کھڑی رنگ برنگے پھولوں کی طرف دیکھ رہی ہوں۔ اس کے ہونٹوں سے ایک سرد آہ نکل گئی۔

اس نے جلدی سے کھڑکی کے پٹ بند کر دیے۔ شٹر لگانے کے لیے ہاتھ اونچا کیا مگر شٹر کے پیچ ڈھیلے تھے۔ وہ اپنے مقام پر فٹ نہ ہو رہا تھا۔ اس نے اُسے لگانے کی بڑی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ پھر وہ تھک ہار کر اپنے پلنگ پر گر گئی۔ نرم ربڑ کا لچکیلا بیڈ اس کے نرم نرم جسم کے لمس سے کسمسایا اور پھر بڑی مسرت سے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔ یکایک اُسے خیال آیا۔ صبح جب اس نے کھڑکی کھولی تھی تو شٹر درست حالت میں تھا۔ پھر یہ اچانک خراب کیسے ہو گیا تھا۔ کسی نے کوئی شرارت تو نہیں کی یا کوئی خطرناک منصوبہ تو نہیں بنا لیا گیا۔ اس کے دل میں دہشت سا ابھرنے لگی۔ کہیں تمثیلہ نے تو کوئی شرارت نہیں کی۔ تمثیلہ جیسی کم ظرف لڑکی سے کوئی بھی بات برائی کی بعید از قیاس نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں سے نیند اچانک ہو گئی۔ وہ کوشش کے باوجود سو نہ سکی۔ وہ بزدل نہ تھی مگر پھر بھی نامعلوم سا ڈر اور انجانے خدشے اس کے ذہن کو اپنے پنجے میں جکڑنے لگے۔ اور اس کے خیالات کی رو تمثیلہ کی طرف مڑ گئی تھی۔

وہ چاہتی تو منصور کو سب کچھ بتا سکتی تھی۔ مگر وہ بزدلی کا طعنہ سننے کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ تمثیلہ پر ظاہر کر دینا چاہتی تھی کہ وہ اپنے سینے میں دلیر دل رکھتی ہے۔ اتنی ہمت کے باوجود بھی خدشے اس کے ذہن سے الگ نہ ہو رہے تھے۔

وہ بستر پر پڑی بے چین کروٹیں بدل رہی تھی۔ مگر نیند اس کی آنکھوں سے

کوسوں دور تھی۔ رات کے گیارہ بجے اچانک کھڑکی کے پٹ زور سے کھلے اور تین سیاہ پوش آدمی یکے بعد دیگرے اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ آنکھوں کے علاوہ ان کے چہرے نقاب میں چھپے ہوئے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں پستول چمک رہے تھے۔ وہ اس کی طرف تیزی سے لپکے۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور انھیں دیکھ کر زور سے چیخ ماری۔ دوسرے لمحے وہ اس کے سر پر پہنچ گئے تھے شبیلہ کے دل کی دھڑکن خوف کی وجہ سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی اور دل تھر تھر کانپ رہا تھا۔ تمام دلیری دھری رہ گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسری چیخ مارتی دو نقاب پوش اسے بازوؤں سے جکڑ چکے تھے۔ اور تیسرے نے اسے کلوروفارم میں بھیگا ہوا رومال سنگھایا تھا۔ اس نے ان سے بچنے کی بڑی جدوجہد کی تھی مگر بچ نہ سکی تھی۔ رومال سونگھنے کے بعد وہ ذرا کسمسائی پھر اس کا جسم ڈھیلا ہو گیا۔ اور ایک نقاب پوش اس کے بے ہوش جسم کو اٹھا کر کھڑکی کی سمت چلا اور اوپر چڑھ کر باہر آ گیا۔ باقی دو بھی اس کے پیچھے ہی کھڑکی کے ذریعہ چمن میں کود ے۔

شبیلہ کی چیخ سن کر تصور سلیپنگ گاؤن میں ملبوس اپنے کمرے سے بھاگا ہوا آیا اور شبیلہ کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔

دروازہ کھٹکھٹانے پر جب اسے کوئی جواب نہ مل سکا تب وہ دروازے کو دھکے دینے لگا۔

"شبیلہ ــــ" وہ پکارا۔ "دروازہ کھولو شبیلہ ـــــ دروازہ کھولو۔"

مگر اسے کوئی جواب نہ مل سکا۔ وہ سخت پریشان ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کی امی چونکہ نیند نہ آنے کی وجہ سے خواب آور گولیوں کا استعمال کرتی تھیں اس لیے وہ نیند سے بیدار ہو ہی نہ سکیں۔ انھیں شبیلہ کی چیخ اور تصور کے دروازہ کھٹکھٹانے سے بھی نہ جاگ سکیں۔ اور وہاں سے نوکروں کے کوارٹر بھی دور تھے۔ وہ بڑا مضطرب

اور الجھا الجھا سا کشمکش و پیچ کی حالت میں کھڑا تھا کہ اچانک اسے موٹر کے انجن کا شور سنائی دیا۔ اور دوسرے لمحے وہ چمن کی طرف بھاگ رہا تھا۔ مگر اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی موٹر اسٹارٹ ہو کر گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ موٹر کی طرف بھاگا موٹر تیزی سے گیٹ سے نکلی لیکن اس نے اتنے میں دیکھ لیا کہ اس میں تین نقاب پوش بیٹھے ہوئے تھے۔ دو آگے اور ایک پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اور وہ قریب ہی سیٹ پر پڑے ہوئے ایک نسوانی جسم کو بھوکی بھوکی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

نسوانی جسم کو دیکھ کر اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ تیزی سے واپس پلٹا اور اس نے چمن کی طرف کھلنے والی کھڑکیوں کی طرف دیکھا۔ شبیلہ کے کمرے کی کھڑکی کھلی تھی جس سے چاندنی اس کے کمرے میں پہنچ رہی تھی۔ گہرے خوف سے اس کے جسم میں کپکپاہٹ سی طاری ہو گئی۔ پھر وہ دل میں ابھرنے والے اندیشوں کے تحت کھڑکی سے کود کر اس کے کمرے میں چلا گیا۔

شبیلہ وہاں نہیں تھی۔ اس نے کمرے میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ اندیشہ کی ایک لہر اس کے سراپا میں دوڑ گئی۔ گہری پریشانی نے اسے پکڑ لیا۔ اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا۔ وہ بدحواسی کے عالم میں دروازے کا شٹر کھول کر باہر گیلری میں آ گیا۔ اس کے بھاگتے ہوئے قدم تمثیلہ کے کمرے کی طرف اٹھ رہے تھے۔ وہ اس کے کمرے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اور زور سے دروازہ دبایا۔ دروازہ فوراً کھل گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے بدترین اندیشوں کی تصدیق ہو گئی۔ کمرے میں روشنی ہو رہی تھی مگر تمثیلہ اپنے کمرے سے غائب تھی۔ بجلی کی سی تیزی سے ایک خیال اس کے ذہن میں لپکا۔ تو تمثیلہ ہی نے شبیلہ کو غائب کرایا ہے۔ اس نے اپنی محبت میں ناکامی کا انتقام اس کمینہ پن سے لیا ہے۔ یہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا ——— ایک عورت ہی عورت کی بربادی کا سبب بنی ہے۔ اسے تمثیلہ سے نفرت ہو گئی۔ اچانک اس کی نگاہ فرش پر پڑے ہوئے ایک میلے سے کاغذ پر

پر پڑی۔ اس نے اسے اٹھا کر صاف کیا۔ اور پڑھنے لگا۔ لکھا تھا "مری روڈ ——— بارھویں میل پر ملو۔"

وہ پلٹ کر اپنے کمرے میں آیا۔ اس نے عجلت میں ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا۔ اور عمران ہوٹل کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد عمران ہوٹل سے فون پر اس کا رابطہ قائم ہو چکا تھا۔

"ہیلو! ——— میں سہیل بول رہا ہوں۔"

"میں ——— تصور بول رہا ہوں ———" تصور کی گھبرائی گھبرائی آواز اسے ریسیور میں سنائی دی۔ "غضب ہو گیا میرے دوست! شیلا کو تمثیلہ نے اغوا کرا دیا ہے۔ تین نقاب پوش اسے کار میں ڈالے ہوئے مری کی طرف روانہ ہوئے ہیں۔ اگر سرخ رنگ کی مزدا تمہارے ہوٹل کے آگے سے گزرے تو فوراً اس کا تعاقب کرو۔ میں پولیس کو لے کر ان کے تعاقب میں نکلتا ہوں۔ سمجھ گئے۔ مزید باتوں کا وقت نہیں۔"

"سمجھ گیا ———" اس نے جلدی سے کہا اور ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔ پھر اس نے بڑی عجلت کے ساتھ سامنے کی کھڑکی کھول دی تاکہ سڑک اس کی نظروں کے سامنے رہے۔ اس نے بڑی عجلت سے سوٹ پہنا اور نکٹائی لگائے بغیر ہی دروازہ کھول کر سیڑھیاں پھلانگیں۔ وہ کھڑکی میں سے سرخ رنگ کی مزدا کو چاندنی میں ہوٹل کے سامنے سے گزرتا دیکھ چکا تھا۔

پورٹیکو میں آیا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر تیزی سے ہوٹل کے مین گیٹ سے نکلا اور آگے جانے والی گاڑی کا تعاقب کرنے لگا۔ سڑک پر ایک میل بھاگنے کے بعد اس نے اپنی گاڑی کی رفتار اسّی میل فی گھنٹہ کر دی تھی۔ اس کی گاڑی ہوا کی سی تیزی سے فراٹے بھرتی ہوئی بھاگ رہی تھی۔

پانچ منٹ کے بعد ہی اسے آگے جانے والی مزدا کی سرخ بتیاں دکھائی دینے لگی

تھیں۔ اللہ کار بھی چاندنی میں آہستہ آہستہ واضح دکھائی دینے لگی تھی۔ راستے میں سرخ گاڑی ایک جگہ چند لمحوں کے لیے رکی اور اس میں ایک نسوانی سایہ داخل ہوگیا۔ گاڑی پھر تیزی سے بھاگنے لگی۔ اور اس کی اسپیڈ پہلے کی طرح تیز ہوگئی

سرخ مزدا گاڑی نے رک کر تمثیلہ کو لیا تھا۔ وہ اس گاڑی کے انتظار ہی میں ہوٹیا کھڑی تھی اس نے اپنے چند دوستوں سے مل کر شام کو پروگرام بنایا تھا۔ کہ شبیلہ کو اغوا کرلیا جائے۔ اور اسے کوہ مری میں لے جایا جائے تاکہ وہاں وہ اس سے اپنی محبت میں ناکامی کا انتقام لے سکے۔

تمثیلہ خوش تھی۔ اس نے اپنی دانست میں معرکہ سر کرلیا تھا۔ اور پچھلی سیٹ پر ایک نقاب پوش نوجوان کے ساتھ بیٹھی شبیلہ کو فاتحانہ نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ پھر یکایک اس نے قہقہہ لگایا۔

"مجھ سے ٹکر لینے چلی تھی ——" اس نے شبیلہ کی طرف حقارت سے دیکھا "ایسا پڑی ہے لے دست و پا ہو کر۔ یہ نہیں جانتی تھی میرا انتقام کتنا خوفناک ہوگا۔"

گاڑی نوّے میل کی رفتار سے اڑی چلی جارہی تھی۔ نقاب پوشوں کو ابھی تک پچھلی گاڑی کے تعاقب کا احساس نہ ہوا تھا۔ وہ بڑے مسرورانہ انداز میں بیٹھے تھے۔ ایک نقاب پوش نے وحشت آمیز قہقہہ لگایا۔

"آج کی رات کوہ مری میں بڑے آرام سے گزرے گی۔"

"مزہ آجائے گا ——"

تمثیلہ کے برابر بیٹھے ہوئے دوسرے آدمی نے ایک آوارہ قہقہہ لگایا —— "دو حوریں —— جنت کی مخلوق ——"

تمثیلہ کا رنگ زرد ہوگیا۔ یکایک اسے نامعلوم اندیشوں نے گھیر لیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی ——

آگے بیٹھے ہوئے دونوں نقاب پوش قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔

"آج ـــــ" ڈرائیور نقاب پوش بولا ـــــ "قسمت بہت ہی مہربان ہے"

تمثیلہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس نے یہ تو سوچا ہی نہ تھا کہ اس کے ساتھ بھی شبیلہ جیسا ہی سلوک ہو سکتا ہے۔ وہ بھی ایک لڑکی تھی۔ ایک حسین لڑکی۔ وہ وحشت سے پیلی پڑتی جا رہی تھی۔ اس کا تمام فاتحانہ غرور کا مراں جذبات آنِ واحد میں مٹ گئے تھے۔ اس کے وہی دوست جن پر اسے کامل بھروسہ تھا اس کی عزت لوٹنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ خواہ وہ کیسی تھی مگر آبرو باختہ نہیں تھی۔ کلبوں اور ہوٹلوں میں آزادی سے گھومتی تھی۔ مگر اس نے کبھی کسی دوست کو ان حدود سے بڑھنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جس سے اس کی عزت پر حرف آتا اور اسے آوارگی جیسے نازیبا الفاظ سے ملوث کیا جاتا۔ وہ خوفزدہ حالت میں سوچوں میں ڈوبی ہوئی اب کوئی ایسی تجویز سوچ رہی تھی کہ جس سے وہ ان بدمعاشوں سے خود کو چھڑا سکے۔ مگر اس کے ذہن میں کوئی ایسی تجویز نہیں آ رہی تھی۔ گاڑی تیزی سے سیاہ سڑک پر بھاگ رہی تھی اور سامنے چاندنی میں نہائے ہوئے فلک بوس پہاڑ دکھائی دے رہے تھے۔

دفعتاً ڈرائیور کے منہ سے اندیشوں سے بھری ہوئی ایک مدھم آواز نکلی

"ہمارے پیچھے ایک تیز رفتار گاڑی آ رہی ہے۔"

"تو تعاقب شروع ہو چکا ہے۔"

"بالکل ـــــ"

وہ سب پریشان ہو گئے۔ اس سے زیادہ رفتار وہ بڑھا نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ گاڑی کے الٹنے کا خطرہ تھا۔ اتنی اسپیڈ میں بھی گاڑی ہلکورے کھا رہی تھی۔ اگر رفتار اور بڑھا دی جاتی تو یقیناً کار الٹ جاتی۔ ان کی پریشانی میں ہر آن اضافہ ہو رہا تھا۔ پیچھوں گھبراہٹ میں دیکھ کر تمثیلہ کو قدرے سکون ہوا تھا۔

وہ گھبرائے گھبرائے انداز میں بار بار پلٹ کر پچھلی سڑک پر دیکھنے لگتے تھے۔ موڑوں کی وجہ سے پچھلی گاڑی ابھی تک واضح طور پر سامنے نہیں آئی تھی۔ جب موڑ کم ہوگئے اور سیدھی سڑک آگئی تب تعاقب میں آنے والی کار انھیں صاف دکھائی دینے لگی۔ تمثیلہ نے بھی تعاقب میں آتی ہوئی انتہائی تیز رفتار گاڑی دیکھ لی تھی۔

ڈرائیور کے علاوہ دونوں بدمعاشوں نے اپنے پستول نکال کر کھڑکی کے ذریعہ پیچھے فائر کرنے شروع کردیئے تھے۔ پے در پے فائر ہو رہے تھے۔ مگر پیچھے سے آنے والی کار بغیر کسی اندیشے کے بڑھتی چلی آرہی تھی۔ ابھی تک بدمعاشوں کے کسی فائر نے اسے نقصان نہ پہنچایا تھا۔ آخرکار وہ بالکل قریب آگئی۔ بدمعاشوں نے اپنی کار کی رفتار اور بڑھادی فاصلہ ذرا بڑھ گیا۔ اور تھوڑی دور لے جاکر کار انہوں نے سڑک کے کنارے کھڑی کردی اور تینوں اپنے اپنے پستول لے کر گاڑی سے اتر آئے۔

تعاقب میں آنے والی کار بھی تھوڑے فاصلہ پر آکر رک گئی اور اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر ایک نوجوان باہر نکلا۔ تمثیلہ نے دیکھا، کار سے اترنے والا سہیل تھا۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

نقاب پوشوں نے اندھا دھند سہیل پر فائر کرنے شروع کردیئے لیکن وہ بڑی چستی سے ہٹا اور کار کی اوٹ میں ہوگیا۔

تمثیلہ جو بے ہوش شبیلہ کے ساتھ اگلی گاڑی میں تنہا بیٹھی تھی دفعتاً دروازہ کھول کر باہر نکلی اور سہیل کی گاڑی کی طرف بھاگنے لگی۔

"سہیل!۔۔۔۔۔ سہیل!۔۔۔۔۔" وہ چیخ رہی تھی۔

سہیل نے گاڑی کی اوٹ سے ذرا اچک کر اس کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھا۔

"میری طرف مت آنا۔۔۔۔۔" وہ نفرت سے چیخا: "ذلیل لڑکی! یہ سب تمہارا

کیا دھرا ہے۔"

بدمعاش نے اسے چلاتے دیکھ کر فوراً فائر کر دیا۔ تمثیلہ اس کے سامنے پہنچ گئی اور سہیل کی طرف آنے والی گولی تمثیلہ کی پشت میں پیوست ہو گئی۔

"سہیل ا ـــــ" وہ ایک دلدوز چیخ کے ساتھ وہیں ڈھیر ہو گئی اور سہیل غصہ سے دانت پیسنے لگا۔ اور فوراً نیچے ہو گیا۔ وہ گاڑی کے عقب میں چھپا بدمعاشوں سے نپٹنے کی کوئی تجویز سوچ رہا تھا۔ اور بدمعاش اس کی گاڑی کی طرف اندھا دھند فائرنگ کر رہے چاندنی رات میں پستولوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ گاڑی کے شیشے چکنا چور ہو چکے تھے

سہیل کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کہ وہ کیا کرے۔ تمثیلہ کی موت نے اسے کچھ ہراساں بھی کر دیا تھا۔ اس کے پاس کوئی چیز ایسی نہ تھی۔ جس سے وہ بدمعاشوں کا مقابلہ کر سکتا۔ وہ بالکل خالی ہاتھ تھا۔ اور اسے خالی ہاتھ دیکھ کر بدمعاش اس کی کار کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے۔

ایک بدمعاش لپک کر اس کے پیچھے آ گیا۔ مگر وہ اس سے غافل نہیں تھا۔ اس نے فائر کیا وہ نیچے جھک گیا۔ اور گولی سنسناتی ہوئی اوپر سے گزر گئی۔ اسے ذرا سا وقفہ مل گیا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے بدمعاش کی طرف لپکا۔ اور اس کے چہرے پر ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ بدمعاش تیورا کر نیچے گرا۔ اور اسے دوسرا فائر کرنے کی مہلت نہ مل سکی پھر اس نے جھپٹ کر سڑک پر گرا ہوا پستول اٹھا لیا۔ دوسرے بدمعاش بھی اس کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ اس نے ان کی طرف فائر جھونک دیئے۔ بدمعاش فوراً بھاگ کر گاڑی کی دوسری طرف ہو گئے۔ گولیوں کا تبادلہ ہونے لگا۔

دفعتاً کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی سڑک پر پھیلتی ہوئی دکھائی دی۔ جو تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ بدمعاش روشنی دیکھ کر فوراً اپنی کار کی طرف بڑھے۔ اور اسے اسٹارٹ کرنے لگے۔ سہیل نے ان کی گاڑی کے ٹائروں پر فائر کئے۔ جس سے گاڑی کے دو

نائر مناشرع ہوگئے اور وہ گاڑی سے پھر باہر نکل آئے اور اس کی طرف فائر کرتے ہوئے پہاڑوں کی طرف بھاگنے لگے۔

اس اثناء میں سڑک پر پھیلتی ہوئی روشنی قریب آگئی تھی۔ سہیل نے گھوم کر دیکھا وہ پولیس کی گاڑی تھی۔ پولیس کی گاڑی اس کے قریب آکر رک گئی۔

وہ تصور کو دیکھ کر اس کی طرف لپکا۔ تصور نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔

بدمعاش کہاں ہیں" ؟ تصور نے پریشانی سے پوچھا

"وہ جا رہے ہیں ـــــ" سہیل نے بھاگتے ہوئے سایوں کی طرف اشارہ کیا۔ پولیس انسپکٹر نے انھیں بھاگتے ہوئے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ اور پولیس انسپکٹر کے حکم پر پوزیشن لے کر ان کی طرف بھاگ رہی تھی۔ انہوں نے چند منٹوں میں ہی بدمعاشوں کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ بدمعاش اس لیے آسانی سے قابو میں آگئے کہ ان کے پستولوں میں گولیاں ختم ہوگئی تھیں۔ پولیس انھیں گھیر کر جیپ کی طرف لے آئی اور انھیں ہتھکڑیاں پہنا دیں۔

بے ہوش اور بے خبر پڑی ہوئی شبیلہ کو گاڑی سے نکال کر سہیل کی گاڑی میں پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ اور تمثیلہ کی لاش کو جیپ میں رکھ کر واپس ہوگئے۔ تصور کو اپنی بہن کی موت کا بہت صدمہ تھا۔ اور اس کا دل بھر بھر آتا تھا۔ بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ سہیل نے اُسے تسلی دی۔ اور اُسے اپنے پاس والی سیٹ پر بٹھا لیا۔ پھر وہ پولیس اسٹیشن آگئے۔ ڈاکٹر کو بلا کر شبیلہ کو ہوش میں لایا گیا۔

چند گھنٹوں میں اُن کے بیانات قلمبند ہوگئے۔ اور پوسٹ مارٹم کے بعد دوسرے روز بارہ بجے لاش ان کے حوالے کر دی گئی۔

جیسے ہی لاش کوٹھی پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ نوکر زار و قطار رونے لگے۔ شکیلہ بیگم نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے جوان بیٹی کی لاش کو دیکھا۔ انھیں گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ یکا یک

ان کے لب ہلے۔

"تو ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا مل ہی گئی۔" ان لفظوں کے ساتھ ہی ان کا ہارٹ فیل ہوگیا۔ اور ان کا جسم بے جان ہو کر فرش پر گر پڑا۔ سب گھبرا گئے۔ انھیں اٹھا کر پلنگ پر لٹا دیا گیا مگر روح اُن کے جسدِ خاکی سے پرواز کر چکی تھی۔

طوفان آیا اور گزر گیا!

شبیلہ اور سہیل لاہور پہنچ چکے تھے۔

راولپنڈی کا حادثہ کافی دِنوں بحث، صدمے اور چہ میگوئیوں کا سبب بن کر ماضی کی اتھاہ گہرائیوں میں دفن ہو گیا تھا۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ دِنوں سے ہفتے، ہفتوں سے مہینے، اور مہینے سال کا روپ دھار گئے تھے۔

شبیلہ اور سہیل کی محبت وقت کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتی چلی جا رہی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے بہت ہی قریب ہو گئے تھے جیسے دو روحیں ایک قالب ——— محبت اپنی نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تھی۔ ان کی ملاقاتیں ہوتی ہی رہتی تھیں۔ کبھی پارکوں میں کبھی دریا کے کنارے اور کبھی پکچر ہاؤس میں لیکن اس قربت کے باوجود انھوں نے اشارے کنائے سے بھی گھر والوں سے اپنی پسند کے بارے میں کوئی اظہار نہیں کیا تھا شبیلہ پر تو فطری حیا غالب تھی۔ اور سہیل کاروباری الجھنوں کی وجہ سے اپنی پسند

کے بارے میں اپنے ڈیڈی سے کوئی ذکر نہ کیا تھا۔ ان کا کاروبار بہت ہی مخدوش دور سے گذر رہا تھا۔ قریب قریب بالکل ہی ختم ہو گیا تھا۔ جب سے افتخار احمد نے کاروبار کا نظام اپنے ہاتھ میں لیا تھا فرم خسارے میں جا رہی تھی۔

سہیل اور راحیل پریشان رہنے لگے تھے۔ انھیں کاروبار کی بہتری کے علاوہ کچھ اور سوجھتا ہی نہ تھا۔ کبھی کبھی اندھیروں سے نکل کر شبیلہ کی یاد کی چنگاری راحیل کے دل میں آگ بھڑکا جاتی تھی اور بس ـــــ"

نصور نے لاہور ہی میں ایک کوٹھی لے کر سکونت اختیار کر لی تھی۔ نجمی سے اس کی باقاعدہ منگنی ہو چکی تھی۔ راولپنڈی کا کاروبار اس نے ملازموں کے سپرد کر دیا تھا۔ اور لاہور میں ایک اور فیکٹری لگائی تھی۔ لاہور میں بھی اس کا کاروبار خوب چمک اٹھا تھا۔

ارشد، فاطمہ اور اس کی امی نے افتخار احمد کے گھر بالکل آنا جانا چھوڑ دیا تھا۔ ناخرہ جب کبھی گھومنے کے لیے نکلتی تھی تو شبیلہ اور سہیل اسے ہوٹلوں یا پارکوں میں محبت بھرے قہقہے لگاتے ہوئے دکھائی دے جاتے تھے جس سے اس کے دل پر چوٹ پڑتی تھی۔ اور وہ سرد آہیں بھرتی ہوئی گھر آ جاتی تھی۔ وہ شبیلہ سے محبت کرتا تھا۔ اور وہ اس سے محبت کرتی تھی۔ وہ کتنے خطرناک مقام پر کھڑی تھی۔ جہاں سے اس کا لڑھک جانا یقینی تھا۔

ایک رات ڈنر کے بعد افتخار احمد نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے کمرے میں بلایا۔"

رات کے نو بج گئے تھے۔ گھر میں سکوت سا پھیلا ہوا تھا۔

جس وقت سہیل اور راحیل ان کے کمرے میں داخل ہوئے ـــــ وہ بیقراری کے عالم میں اپنے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ ان کے قدموں کی آہٹ سے انھوں نے چونک کر ادھر دیکھا۔

"آؤ میرے بچو! ـــــ

وہ خاموشی سے ان کے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ ان کے درمیان سکوت پھیلا رہا۔

"ڈیڈی ۔۔۔۔" راحیل ملامت سے بولا "کیا بات ہے آپ بڑے بے چین دکھائی دے رہے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے کاروبار کی بربادی نے آپ کو مضطرب کر رکھا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر کاروبار کو ہو کیا گیا ہے۔ آپ کو شاید کاروبار کی فکر کھا نہیں رہی ہے۔"

وہ خاموش رہے۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ بجھی بجھی نظروں سے راحیل اور سہیل کو دیکھتے رہے۔

"میرا دماغ مفلوج ہو گیا ہے۔" وہ جیسے دل ہی دل میں بڑھے ہوئے اضطراب سے چیخ پڑے۔ "میری تمام کاروباری صلاحیتیں مر گئی ہیں۔ میں تمہارا باپ نہیں تمہارا مجرم ہوں۔"

یہ الفاظ نہیں تھے، جو عین ان کے سروں پر پھٹے تھے۔ حیرت اور شدید پریشانی ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ وہ سراسیمہ سے ہو گئے تھے اور مبہوت ہو کر اپنے ڈیڈی کو دیکھنے لگے تھے۔ انہیں اپنے باپ کے دماغی توازن پر شک گزرا تھا۔۔۔

"ڈیڈی! ۔۔۔" سہیل پردرد لہجے میں بولا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ڈیڈی! ۔۔۔" راحیل کے لہجے میں حیرت اور پریشانی تھی "آپ اور مجرم؟"

انھوں نے پریشان نظروں سے انھیں غور سے دیکھا تو گہرا سانس لیا۔

"ہاں میرے بچو! ۔۔۔" ان کا لہجہ کربناک تھا "میں تمہارا مجرم ہوں۔ تمہارا گناہ گار ہوں۔ مجھ سے بہت بڑی تقصیر ہوئی ہے۔ میں نے تمہیں برباد کر کے رکھ دیا ہے۔"

"آخر کس طرح ڈیڈی!" راحیل دکھی لہجے میں پکارا۔

"میں چھپ کے چوری چوری ریس کھیلتا رہا ہوں ۔۔۔" وہ اضطراب انگیز لہجے میں بولے۔ "جوا کھیلتا رہا ہوں۔ شراب پیتا رہا ہوں۔ لاکھوں روپیہ میں نے ان بدعادتوں کی نذر کر دیا ہے۔ دونوں ملوں کے واسطے لاکھوں روپیہ قرض ہو گیا تھا اس لیے فروخت کرنا پڑی تھیں۔ مگر ابھی بنک کا لاکھوں روپیہ واجب الادا ہے۔" وہ ایک کاغذ آگے بڑھا کر بڑی ہی بے قراری سے بولے۔

'بینک کا نوٹس آج ہی موصول ہوا ہے۔ ایک ماہ کے اندر اندر دس لاکھ روپیہ دینا ہیں اور ہمارے پاس فرم سمیت چھ لاکھ کی ہی جائیداد بنتی ہے۔'

وہ خاموش ہو گئے تھے۔ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے نم ہو گئیں تھیں اور چھلکنے کے لیے بے تاب تھیں۔ سہیل اور راحیل سہمے ہوئے سے بیٹھے تھے ان کے دل میں خوف اور دہشت اُبھر آئی تھی۔ وہ بالکل تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ سب کچھ ہی لٹ گیا تھا ——— اور لٹنے والا کون تھا۔ ان کا باپ اب ان کا اپنا کچھ بھی نہ رہا تھا۔ اس بات کا انھیں غم نہیں تھا کہ سب کچھ لٹ چکا ہے۔ وہ تو ان کے باپ کی اپنی پیدا کردہ جائیداد تھی۔ لٹا دی تو کیا ہوا لیکن بقایا جو چار لاکھ روپیہ انھیں ادا کرنا تھا۔ اس نے انھیں خوفزدہ کر دیا تھا۔ گھبرا دیا تھا۔ چار لاکھ روپیہ کہاں سے آئے گا ان کی عزت چوراہے میں نیلام ہو جائے گی۔

برسوں کا بنا بنایا بھرم خاک میں مل جائے گا۔ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے وہ بوکھلا گئے تھے۔ ذہن پریشان تھے۔ دل مضطرب تھے۔ اور خوف سے رنگ پیلے پڑتے جا رہے تھے۔ انھیں چار لاکھ روپے کی ادائیگی کی فکر نے بے قرار کر دیا تھا۔ راحیل نے نوٹس کھول کر پڑھا پھر اس نے سہیل کو دے دیا۔ اس نے بھی پڑھا پھر خاموشی پھیل گئی۔

کچھ دیر بعد ایک دوسرے سے کچھ کہے بغیر راحیل اور سہیل ——— اپنے اپنے کمرے میں آ گئے۔

ایک ماہ گزر گیا۔ مگر پوری تگ و دو کے بعد بھی چار لاکھ روپے کا بندوبست نہ ہو سکا نوٹس کی میعاد گزرتے ہی ان کی فرم کا دیوالیہ اخبار کی ایک اہم سرخی بن گیا۔ اشتیاق احمد کی تصویر بھی خبر کے ساتھ چھپی تھی۔ ان کی عزت نیلام ہو گئی تھی۔ بھرم آخر لٹ ہی گیا تھا۔

اس روز ان کے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ کسی نے کچھ کھایا نہ پیا۔ سوائے رنج و غم کے اور انھیں کچھ بھی یاد نہ تھا۔ لوگوں کے فون بار بار آ رہے تھے۔ مگر وہ کسی فون کا جواب نہ دے رہے تھے۔ ایک ماہ میں ہی اشتیاق احمد کی صحت بہت خراب ہو گئی تھی۔ وہ برسوں کے

بیمار لگے تھے۔ اب جلد ہی بینک ان کی تمام جائیداد اپنے قبضہ میں لے لے گا۔ یہ صدمہ ان کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ انھیں جان لیوا دکھ دے رہا تھا۔ سہیل اور راحیل بھی انتہائی پریشان تھے۔ ارم اور شاہدہ کو بھی صحیح حالات کا علم ہو چکا تھا۔ مگر وہ بھی انھیں دیکھ کر سہمی سہمی سی رہنے لگی تھیں۔ پریشانیوں نے انھیں بھی گھیر لیا تھا۔

اگلی صبح افتخار احمد نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے تازہ اخبار دیکھا۔ ان کے چہرے پر تعجب اور حیرت پھیلی ہوئی تھی۔ اخبار کے پہلے صفحے پر ایک شخص ارشاد احمد کی تصویر چھپی ہوئی تھی اور اس کے نیچے درج تھا۔ ارشاد احمد کو اس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے کہ انہوں نے افتخار احمد کے کاغذات کی بینک فائل خورد برد کر دی ہے۔ اب ان کی جائیداد نیلام نہ ہو سکتی تھی۔ اب فائل دوبارہ بننے پر ہی کیس ہو سکتا تھا۔ اور فائل دوبارہ بنانے کے لیے کافی وقت لگ سکتا تھا

ارشاد احمد حوالات میں تھا۔ اور پولیس نے اس کا ریمانڈ لے لیا تھا۔

افتخار احمد بے قراری سے لپک کر اپنی جگہ سے اٹھے اور نوکر کو آواز دی۔ نوکر ان کی آواز سن کر فوراً آگیا۔ انہوں نے سہیل اور راحیل کو بلانے کے لیے کہا اور نوکر کے جانے کے چند منٹوں بعد ان کے کمرے میں آگئے۔ ان کے چہرے پر اذیت ناک آزردہ تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ وہ بڑے ہی مایوس اور ملول دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کو دکھ بھری نظروں سے دیکھا اور ایک لمبا سانس لیا۔ پھر اخبار ان کی طرف کر دیا۔

"اس تصویر کو دیکھو ——" انہوں نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ پھر تصویر کے نیچے لکھی ہوئی عبارت کو دیکھ کر کہا: "اور اس کے نیچے لکھی ہوئی خبر کو پڑھو ——"

سہیل اور راحیل نے گہری نظروں سے تصویر کو دیکھ کر تحریر پڑھی۔ وہ ششدر رہ گئے۔ سہیل نے اخبار سے نظریں اٹھا کر اپنے والد کو استفہامیہ انداز میں دیکھا۔ راحیل بھی ایسی ہی نظروں سے اپنے والد کو دیکھنے لگا تھا

"ڈیڈی! ——" سہیل بولا: "یہ کون صاحب ہیں جنھوں نے ہم پر اتنا بڑا احسان

کیا ہے۔"

"یہ غریب انسان ہے ــــــ" وہ سنجیدہ آواز میں بولے: "جسے میں نے برسوں پہلے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔"

یکا یک وہ خاموش ہو گئے اور باری باری غور سے سہیل اور راحیل کے چہرے کو دیکھا۔

"اب جلدی سے چلو ــــــ" وہ عجلت سے بولے: "ہمیں اس فرشتہ سیرت انسان کی ملاقات کو جانا ہے۔ وہاں جا کر تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس نے ہمارے خاندان پر اتنا بڑا احسان کیوں کیا ہے۔ اس نے ہماری عزت بچانے کے لیے اپنی آزادی کو کیوں داؤ پر لگا دیا ہے۔"

ان کے چہرے پر مستفسرانہ تاثرات پھیلے رہے مگر انہوں نے کچھ نہ پوچھا۔ اور اپنے والد کے ساتھ کار میں بیٹھ کر حوالات کی طرف ہو لیے۔

بڑی مشکل سے انہیں ملاقات کی اجازت ملی۔ اور وہ ایک گیلری پار کر کے حوالات کے سامنے جا کر رک گئے۔ سہیل اور راحیل کے سامنے ایک ایسا نظارہ تھا جسے دیکھ کر ان کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ شبیلہ اور تحمی نے ان کے قدموں کی آہٹ سے پلٹ کر انہیں دیکھا تھا۔ بلکہ سب ہی تو جتنے لوگ وہاں موجود تھے ان کو تعجب سے دیکھا تھا۔ تقصور اور تحمی کی امی بھی شبیلہ اور تحمی کے ہمراہ وہاں کھڑی تھیں۔ سلاخوں کے پیچھے سے ارشاد احمد نے افتخار احمد کو بغور دیکھا تھا۔ ان کے چہرے پر روشنی کی ہلکی سی "رمق" پیدا ہو گئی تھی۔ اور دل سے امڈنے والے پرشوق جذبات کی نمی آنکھوں میں لیے ہوئے تھے۔ بالکل یہی حالت افتخار احمد کی تھی۔ دونوں بغور ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"میرے پیارے بھائی! ــــــ" افتخار احمد نے کہا اور لپک کر انہی سلاخوں کے قریب آ گئے۔

"بھائی جان! ــــــ" ارشاد احمد کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی اور پھر ملے دونوں بھائی

محبت سے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام چکے تھے۔
دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔
میرے پیارے بھائی ــــ" افتخار احمد بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔" مجھے معاف کر دینا۔ میں نے تمہیں سمجھا نہیں تھا۔ میں مجرم ہوں ــــ سب کا مجرم ہوں"
"خود کو مجرم کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں۔ آپ نے جو کچھ کیا تھا میں اسے بھول گیا ہوں۔ اور اب میں نے جو کچھ کیا ہے اپنے خاندان کی عزت کو بچانے کی کوشش میں کیا ہے۔ یہ میرا فرض تھا۔" ارشاد احمد نے رقت آمیز آواز میں کہا۔
دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اور بار بار جوش و محبت سے دبائے جاتے تھے۔ عفو اور درگزر کا یہ منظر اتنا دلگداز تھا جس نے سب کو تڑپا دیا تھا۔ سب کی آنکھیں پرنم ہو گئی تھیں۔
تھوڑی دیر کے بعد افتخار احمد نے سہیل اور راحیل کی طرف رخ کیا۔
"میرے بچو! یہ تمہارے چچا ہیں جنہیں میں نے آج سے بائیس برس پہلے جھگڑ کر گھر سے نکال دیا تھا۔ اور کبھی پھر تعلقات استوار کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ یہ میری کتنی بڑی بھول تھی۔ بھائی، بھائی ہی ہوتا ہے۔ یہ مجھے آج معلوم ہوا ہے۔ اب تو میرے اور ارشاد کے رشتے کا تمہیں پتہ چل گیا ہے نا!"
راحیل اور سہیل نے اثبات میں سر ہلایا۔
اور چند لمحوں بعد سب نے حیرت سے دیکھا کہ ارشد، فاطمہ اور اس کی امی بھی آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کی طرف آرہے تھے۔ انھیں بھی اخبارات سے سب کچھ پتہ چل گیا تھا۔
راحیل، سہیل، شبیلہ اور نجمی نے ایک دوسرے کی طرف استفسار طلب نظروں سے دیکھا۔
تھوڑی دیر کے بعد سب کا آپس میں تعارف ہو گیا۔ اور سب ایک دوسرے سے مل

کہ بہت خوش ہوتے۔

انیس سال قبل ارشاد احمد اور نصرت بھائی افتخار احمد سے جھگڑنے کے بعد راولپنڈی چلے گئے تھے ـــــ وہیں انہوں نے شادی کی تھی۔ پھر چند سال کے بعد لاہور میں آکر اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ اور انھوں نے اپنے تمام رشتہ داروں سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ کبھی کسی رشتہ دار سے نہ ملے تھے۔ بالکل الگ تھلگ ہو گئے تھے۔

ناصرہ کی نانی اور ارشد نے اپنی اپنی جائیدادوں کے کاغذات نکال کر افتخار احمد کے سامنے کر دیئے۔ اور کہا۔

"یہ ہماری جائیداد کے کاغذات ہیں۔ ہماری جائیداد فروخت کر کے اپنا کام چلائیے۔"

ان کے اس جذبے پر افتخار احمد بڑے شرمندہ ہوئے۔ اور بڑے خلوص سے ان سے معافی مانگی۔

"اپنا اپنا ہی ہوتا ہے۔" وہ پیار سے بولے۔ "خواہ کتنا ہی غریب ہو مجھے دولت نے کتنا متکبر بنا دیا تھا۔ پھر وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولے۔ "دس لاکھ روپیہ ادا کرنا ہے۔ اتنی سی جائیداد سے کیا ہوگا۔ اپنے کاغذات اپنے ہی پاس رکھو۔"

چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ اور سب ایک دوسرے کو الجھی الجھی نظروں سے دیکھنے لگے۔

"میری دولت کس کام آئے گی۔ تقو افتخار احمد کی طرف دیکھ کر بولا۔" میں کل رقم بنک کو ادا کر دوں گا۔ سہیل کو میں نے دوست کہا ہے میرے ہوتے ہوئے میرا دوست اور دوست کا خاندان کسی مصیبت میں نہیں الجھ سکتا۔"

"نہیں بیٹے! ـــــ افتخار احمد نے ندامت سے کہا۔ مجھے اپنے گناہوں کی سزا بھگت ہی لینے دو۔"

"شرمندہ نہ کیجیے۔ انکل۔" وہ خلوص سے بولا۔ "میرے ہوتے ہوئے آپ کی عزت پر

حرفِ شکن نہیں آتا۔

وہ خاموش ہو گئے اور سب نے اسے تشکر بھری نظروں سے دیکھا۔ سہیل اور شکیلہ کنکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر زیرِ لب مسکرائے پھر انہوں نے فوراً ہی چہرے جھکا لیے۔ سب اپنے اپنے خیالوں میں الجھے ہوئے تھے کسی نے بھی ان کی اس حرکت کو نہ دیکھا۔

قرض ادا کر دیا گیا اور شام سے پہلے ہی ارشاد احمد رہا کر دیئے گئے۔ انھیں روپیہ دینے کے بعد بھی رہا کرانے میں بڑے اثر و رسوخ سے کام لینا پڑا تھا اور یہ سب کام منصور نے کیا تھا سب نے اس کے حسنِ سلوک کو پاکیزہ جذبات سے قبول کیا تھا۔ اور بڑے پُرخلوص الفاظ سے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

آج افتخار احمد نے اپنے سب عزیزوں کو دعوت دی تھی۔

ڈنر بڑا ہی پرتکلف تھا۔ سفید وردی پوش نوکر ڈرائنگ روم میں ٹیبل کے اردگرد کھڑے پوری تندہی سے خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ ڈنر کے دوران میں ہنسی، خوشی مذاق، ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ اور سنجیدہ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ برسوں کے بعد خاندان کے سب لوگ اکٹھے ہوئے تھے۔ سب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ شاہدہ اپنی معصوم باتوں سے سب کو ہنسا رہی تھی۔ سب ہنس رہے تھے۔ ساری کائنات ہنس رہی تھی۔ فارغ البالی پھر افتخار لاج پر مہربان ہو گئی تھی۔ اور اپنی مسکراہٹ اس پر فراخ دلی سے نچھاور کر رہی تھی۔ دل نشیں مسکراہٹوں اور پیاری پیاری باتوں کے پھول مہک رہے تھے۔

افتخار احمد اپنی عمیق نظریں ارشاد احمد کے چہرے پر جمادیں کچھ دیر دیکھتے رہے۔

"ارشاد تم تصور کو اپنا بیٹا بنا ہی چکے ہو۔ اس خوشی کے موقع پر راحیل کو بھی اپنا بیٹا بنالو راحیل اور شبیلہ کی جوڑی بہت اچھی رہے گی۔"

ارشاد احمد مسکرانے لگے۔ رابعہ بیگم بھی مسکرا رہی تھیں۔ فاختہ کے ہونٹوں پر ایک

دلنواز تبسم تھا۔ فاخرہ کی امی کے ہونٹوں پر بھی ہنسی کھیلنے لگی تھی۔ راحیل نے شرم سے سرخ ہوتا چہرہ جھکا لیا تھا۔ مگر تصور، سہیل اور شبیلہ کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ ان کے چہرے پیلے پڑ گئے تھے۔ وہ ایک دم افسردہ ہو گئے تھے۔ خوف اور دہشت کی ایک لہر اُن کے دل میں اتر گئی۔ انہوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور ارشاد احمد کی طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ ان کی موت کا فیصلہ سنانے والے ہوں۔

ارشاد احمد تھوڑے توقف کے بعد مسکرائے۔

"شبیلہ! آپ کی بیٹی ہے مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

آخر اُن کی موت کا فیصلہ سنا ہی دیا گیا۔ انہیں مایوسیوں اور ویرانیوں نے گھیر لیا۔ تصور نے اپنے دوست سہیل کی محبت کو کامیاب بنانے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ اس نے سوچا وہ یہ شادی کبھی نہ ہونے دے گا۔ بڑا بھائی چھوٹے بھائی کی محبت پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتا۔ یہ ظلم ہے اندھیر ہے۔ سراسر ناانصافی ہے۔ وہ انصاف کے تقاضوں کو کبھی نہ مرنے دے گا۔ وہ سوچوں میں گھرا ہوا تھا۔ سہیل اور شبیلہ ایک دوسرے کو خوف زدہ اور پریشان نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"رابعہ بہن!" ——— ارشاد احمد رابعہ بیگم کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ "آپ نے تو کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ بھی تو کچھ کہیے۔"

"ہماری اس سے بڑی اور کیا خوش قسمتی ہو گی ———" وہ نرم لہجے میں بولیں۔ "کہ ہماری بیٹی اپنوں میں چلی جائے گی۔"

سب کے چہروں پر مسرتیں جگمگا رہی تھیں ———

مگر

تصور، سہیل اور شبیلہ کے چہرے تاریک تھے چہروں کی طرح دلوں میں بھی اندھیرا تھا ذرا سی دیر میں ہی اُن کی خوشیاں برباد ہو کر رہ گئیں۔ محبت کے وہ محلات زمین بوس ہو گئے۔

دکھائی دے رہے تھے۔ جو انہوں نے بڑی جدوجہد کے بعد پائے تھے۔ ان میں ارمانوں، تمناؤں اور خواہشوں کے پھول مہک رہے تھے۔

نصور اور سہیل کے علاوہ سب نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ سہیل مبارک سلامت کی آوازوں میں تیزی سے اٹھا اور ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔ اس کے اس طرح اٹھ کر جانے کو سب نے حیرت سے دیکھا۔ شبیلہ کا دل بھی وہاں سے اٹھ کر جانے کو چاہ رہا تھا مگر ایک جھجک سی مانع رہی تھی۔ وہ اٹھ کر نہ جا سکی۔ وہ دوسروں کو کسی قسم کے شک کا موقع نہ دینا چاہتی تھی۔ چہرے پہ پریشانیاں تھیں۔ اور دل ہول کھا رہا تھا۔ وہ مایوس و دلگیر سی ہو رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ نصور بھی خواہش رکھنے کے باوجود مصلحتوں کی بنا پہ وہاں سے اٹھ نہ سکا تھا۔

راحیل نے سہیل کو اس طرح اٹھ کر جاتے ہوئے تعجب سے دیکھا تھا۔ اس کے اداس چہرے سے اس کے دل پر چوٹ سی پڑی تھی۔ اور وہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے چلا گیا تھا۔

سہیل اپنے کمرہ میں آ کر کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔ اور آسمان پر ٹمٹماتے ہوئے ستاروں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی اسے اپنی ہی طرح بے بس دکھائی دے رہے تھے۔

قدموں کی آہٹ سے وہ چونکا اور گھوم کر کھڑا ہو گیا۔ وہ کمرے کی روشنی میں اپنے بھائی کو آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ راحیل چند قدموں کے فاصلے پر رک گیا اور اسے گہری گہری متفکرانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"بڑے پریشان دکھائی دے رہے ہو۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ معلوم ہوتا ہے میری شادی کی خبر تمہیں خوشی نہ دے سکی۔ "تم نے مجھے مبارکباد بھی نہیں دی۔"

اس نے تھوڑی دیر اپنے بھائی کی نظروں سے نظریں ملائیں اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دوسروں کی خوشیوں کے پھولوں سے اپنے گلدان سجانے والوں کو کون مبارکباد دے

سکتا ہے۔"

اس کا لہجہ تلخ تھا۔ سہیل کے اس لہجے سے راحیل لرز گیا۔ اس نے اسے گھورا۔

"میں اتنا سنگدل نہیں ہوں۔" وہ تیکھے لہجے میں بولا۔ اپنی بات واضح کرنے کی کوشش کرو۔"

"بات بالکل واضح ہے۔" اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ آگئی۔ "آپ نے شبیلہ کی خواہشوں کو فنا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی تمناؤں کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ ڈیڈی کا فیصلہ ہے۔" وہ ذرا رک کر بولا۔ "اور پھر بھلا شبیلہ کی تمنائیں کس طرح برباد ہو گئیں؟"

راحیل سہیل کو گہری گہری نظروں سے گھور رہا تھا۔ اور سہیل چپ چاپ کھڑا تھا۔ پھر وہ کھسایا۔

"بربادیاں بتا سکتا ہوں۔" اس نے جسارت کر کے کہا۔

"تو بتاؤ ــــــ" وہ سرد لہجے میں بولا۔ "میں سننے کے لیے تیار ہوں۔"

"شبیلہ کسی اور کو چاہتی ہے ــــــ" وہ تلخی سے بولا۔ "درخت کوئی لگائے پھل کوئی کھائے۔ اس دنیا کا دستور بھی نرالا ہے۔ عجیب ہے یہ دنیا ــــــ"

اس بات سے راحیل کے دل میں نامعلوم سے خدشے سرسرانے لگے تھے اور اس کا رنگ اڑ گیا تھا۔

"وہ کس کو چاہتی ہے؟"

دونوں ایک دوسرے کو سرد نظروں سے دیکھنے لگے۔

"تمہارے بھائی کو چاہتی ہے۔" اس نے حوصلہ کر کے کہہ ہی دیا۔ "مجھے چاہتی ہے۔"

"تمہیں چاہتی ہے ــــــ" راحیل کے ہونٹوں پر طنز آمیز تلخ تبسم ابھرا۔ اور اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"اور آپ ہیں کہ اسے میری بھابی بنانے جا رہے ہیں ——" سہیل جیسے جوش، غم، اور غصے سے پاگل سا ہو رہا تھا۔ "حالانکہ اسے آپ کی بھابی بننا چاہیے تھا:"

راحیل کا ضبط جواب دے گیا۔ سہیل کے تخاطب کے اس انداز نے اسے سیخ پا کر دیا۔ وہ اس کی اس جرأت سے جوش میں آ گیا، اور غصے سے بے قابو سا ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ سہیل کے رخسار پر ایک بھرپور تھپڑ لگا چکا تھا۔ تھپڑ کھا کر سہیل بھی بے قابو ہو گیا۔ اس کے حواس پہلے ہی جواب دے رہے تھے۔ وہ نیم دیوانگی کے عالم میں پہلے ہی تھا تھپڑ نے اسے اور جھنجھلا دیا۔ احترام و آداب کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

اس کا ہاتھ اٹھا اور اپنے بڑے بھائی کے رخسار پر تھپڑ کا نشان بنا کر پیچھے ہٹ گیا راحیل نے اپنے رخسار پر ہاتھ رکھ کر دکھ بھری نظروں سے سہیل کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے تھے —— دکھ کے آنسو ——

تم نے عزت و احترام کے سب بندھن توڑ دیے ہیں ——" راحیل بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مگر خدا کے لیے اس بات کا کسی کو پتہ نہ چلے ——"

سہیل نے اپنے بھائی کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ دوسرے لمحے اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے۔ اور اس نے زور سے کئی بار سر کو جھٹکا دیا جیسے اس فعل پر اس کا ضمیر اسے زبردست ملامت کر رہا ہو۔

وہ جوشیلے انداز میں روتی ہوئی آنکھوں سے اپنے بھائی کو ایک نظر دیکھ کر گھوما۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتا اپنی میز کے قریب چلا گیا۔ اور دراز سے پستول نکال لیا۔ اس کے بھائی نے چونک کر پستول سہیل کے ہاتھ میں دیکھا۔ اس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟" خوف سے اس کی آواز لرز رہی تھی۔ "اپنے بڑے بھائی کی جان لینا چاہتے ہو؟"

سہیل نے آنسوؤں سے لبریز دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں، میں اب اتنا نا سمجھ بھی نہیں ہوں" اس نے پستول کی نالی اپنے ہی ہاتھ کی طرف کر دی اور بھرائی ہوئی بوجھل آواز میں بولا۔ "میں اس ہاتھ کو سزا دینا چاہتا ہوں جو آپ کی طرف اٹھا تھا ——— میں اس ہاتھ کو اڑا دینا چاہتا ہوں جس نے تنظیم کے پردے چاک کر دیئے تھے"

راحیل بجلی کی سی تیزی سے سہیل کی طرف جھپٹا اور اس سے پہلے کہ وہ ٹریگر دباتا راحیل سہیل کا ہاتھ جس میں پستول دبا ہوا تھا پکڑ چکا تھا۔

"یہ کیا نادانی کر رہے ہو ———" یہ کہہ کر اس نے پستول چھیننے کی کوشش کی۔

"چھوڑ دیجیے بھائی جان! ———" وہ رقت آمیز آواز میں بولا "اس ہاتھ کو سزا مل ہی جانی چاہیئے"

تھوڑی دیر کی جدوجہد سے ہی راحیل نے اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا۔ پستول دے کر اس نے اپنے بڑے بھائی کو روتی ہوئی کرب ناک آنکھوں سے بغور دیکھا۔

"اگر ہو سکے تو میری اس گستاخی کو معاف کر دینا بھائی جان! میں بہت بے ادب ہوں ———"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

"سہیل ——— !" راحیل کے لبوں سے بے اختیار بھرائی ہوئی آواز نکلی۔ اور اس کی آنکھوں سے تیزی کے ساتھ آنسو رواں ہو گئے۔ پھر وہ نڈھال سا ہو کر کرسی پر گر پڑا۔

سہیل کار میں کچھ دیر سڑکوں پر یونہی گھومتا رہا۔ مگر اس کے دل میں سلگتی ہوئی آگ ٹھنڈی نہ ہو سکی۔ وہ بھڑکتی جا رہی تھی۔ ایک گھنٹہ آوارہ گردی میں سرگرداں رہنے کے بعد اس نے اپنے دوست راشد کے مکان کا رخ کیا۔ اور چند لمحوں میں اس گلی کے موڑ پر پہنچ گیا جس گلی میں اس کے دوست کا مکان تھا۔ اس نے کار موڑ پر ہی کھڑی کر دی اور خود راشد کو ملنے اس کے مکان کا رخ کیا۔

راشد نے پریشان نگاہوں سے اسے دیکھا سہیل اسے تھکا تھکا سا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر کسلمندانہ اور اذیت ناک تاثرات بکھرے ہوئے تھے۔ جن کا۔ اس نے گہری نظروں سے جائزہ لیا۔

"کیا بات ہے؟ ــــــ" وہ مسکرایا۔ "آج تو بالکل ہی بجھے بجھے دکھائی دے رہے ہو"

"زندگی اب بار محسوس ہونے لگی ہے دوست۔" ہر موڑ پر گہرے سے گہرا غم ملتا ہے۔"

کیا بنک کا مسئلہ ابھی حل نہیں ہوا۔" اس نے متانت سے کہا۔

"سب کچھ ہی درست ہو گیا۔" اس کا لہجہ اضطراب انگیز تھا۔ "مگر اپنا سب کچھ برباد ہو گیا۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو ــــ" وہ اسے متحیرانہ دیکھ کر بولا "کہ تمام جائیداد فروخت کرنا پڑ گئی ــــ"

اس نے اسے غور سے دیکھ کر نفی میں سر ہلا یا۔ "نہیں کچھ بھی فروخت نہیں کرنا پڑا۔" وہ تلخی سے بولا۔ "عزت جائیداد سب کچھ ہی بچ گیا۔ مگر کچھ نہ بچ سکا تو دل ہی نہ بچ سکا۔" میری قسمت کا کارواں عین منزل پر پہنچ کر لٹا ہے دوست۔"

"کیا شعیلہ کی شادی کہیں اور ہو گئی۔ وہ چونک کر بولا۔

"کہیں نہیں ہوئی ابھی ـــ" اس کا لہجہ بے حد رنجیدہ تھا۔ "مگر جلد ہی ہو جائیگی۔ سچائی جان کے ساتھ۔ "سہیل نے آخری جملہ اس کے چہرے کو بغور دیکھ کر کہا۔

"راحیل کے ساتھ ـــ" حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور چہرے پر الجھن بکھر گئی

"ہاں میرے دوست! ــــ" وہ تڑپ گیا "یہ کہتا اذیت ناک مرحلہ ہے جو تقدیر نے مجھے بخشا ہے۔ غم سے میرا کلیجہ شق ہوا جا رہا ہے۔ جی چاہتا ہے مر جاؤں۔"

"ایسی باتیں نہیں سوچا کرتے۔" اس نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی۔"
کیا شبیلہ بھی راحیل سے شادی کرنے پر رضامند ہوگئی ہے۔"
"نہیں" وہ بولا "جب ڈیڈی اور انکل نے شبیلہ اور راحیل کی شادی کا فیصلہ سنایا
تو اس کے چہرے پر تلخیاں بکھر گئیں۔"
"تو پھر گھبراؤ نہیں!" اس نے اسے حوصلہ دیا "شبیلہ تمہاری ہے۔" ہاں یہ بتاؤ کہ
کیا راحیل کو پتہ ہے کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے۔"
"بھائی جان کو پہلے تو کچھ معلوم نہیں تھا۔ لیکن اب میں نے بتا دیا ہے۔ بڑا تلخ۔۔
ماحول پیدا ہوگیا تھا۔ مگر میں معافی مانگ کر چلا آیا ہوں۔"
"تو پھر گھبرانے کی کیا بات ہے" وہ مسکرایا۔ "بس سمجھ لو فیصلہ تمہارے حق میں ہوگیا۔
راحیل دل کا برا نہیں ہے۔ اور پھر تم اس کے بہت ہی پیارے بھائی ہو۔ وہ تمہارے
ارمانوں کے خون کو اپنی شادی کی سیج نہیں بننے دے گا۔"
کمرے میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

سہیل پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے تھکے تھکے سے قدم اٹھاتا اپنے کمرے میں پہنچا۔ رات کے دس بج چکے تھے۔ مگر شبیلہ اپنے کمرے میں اس کی منتظر تھی۔ افتخار احمد نے اصرار کر کے سب کو روک لیا تھا اور انھیں رات بسر کرنے کے لیے سجے سجائے کمرے دے دیئے تھے۔ کوٹھی میں کمروں کی کمی نہ تھی۔ سب کے حصے میں ایک ایک کمرہ آگیا تھا۔ شبیلہ نے ارم سے سہیل کے کمرے کی بابت دریافت کر لیا تھا۔ اُسے جو کمرہ ملا تھا وہ سہیل کے کمرہ کے بالکل سامنے تھا۔ شبیلہ کھڑکی کے قریب کرسی پر بیٹھی اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ جیسا سہیل کو اپنے کمرے میں گئے ہوئے چند منٹ گزر گئے تو وہ بھی کرسی سے اٹھ کر اپنے کمرے سے باہر نکلی اس نے اس کے کمرے تک پہنچتے پہنچتے آنکھیں پونچھ لی تھیں۔ آنکھیں جو شام سے ایک جھیل بن چکی تھیں۔ آنسوؤں کی جھیل۔

اسے کیا معلوم تھا کہ یاسمین کی افسردہ نگاہیں ان کی محبت کا راز جاننے کے لیے بے چین ہیں۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کھولے اسی بات کا تو منتظر تھا۔ وہ یہی تو جاننا چاہتا تھا۔ کہ انھیں ایک دوسرے سے محبت ہے بھی یا نہیں۔ وہ یقین کرنا چاہتا تھا۔ کہ کہیں

صرف سہیل ہی تو شبیلہ سے محبت نہیں کرتا ہو

اسی اضطراب نے اسے ابھی تک پلنگ پر لیٹنے نہیں دیا تھا۔ شبیلہ کو سہیل کے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اُسے یقین ہو گیا کہ وہ ابھی اس سے محبت کرتی ہے۔

راحیل دل میں ابھرنے والے جذبہ تجسس کے تحت چمن میں کھلنے والی کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ وہ کھڑکی سہیل کے کمرے کی تھی۔ راحیل وہاں کھڑے ہو کر ان کی باتیں سننا چاہتا تھا۔ شبیلہ کو سہیل کے کمرے میں جاتے دیکھ کر اس کے دل پر زبردست چوٹ پڑی تھی۔ اُسے پریشانیوں نے گھیر لیا تھا۔ وہ بہت ہی مضطرب اور افسردہ حالت میں کھڑا تھا۔ کھڑکی پوری بند نہ تھی معمولی سی کھلی ہوئی تھی۔ راحیل نے درز پر اپنی ایک آنکھ ٹکا دی

سہیل شبیلہ کے قدموں کی آہٹ پا کر پلٹا اور اُسے غمگین نظروں سے دیکھنے لگا کوٹ اتار کر اس نے ایک طرف پھینک دیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں گلے سے اتاری ہوئی ٹائی تھی۔ وہ اسے انگلیوں پر لپیٹ رہا تھا۔ شبیلہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئی تھی۔ اس کا چہرہ اداسیوں اور ویرانیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ شدتِ گریہ سے آنکھیں سرخ اور متورم ہو رہی تھیں۔ اس نے سرخ سرخ آنکھوں سے سہیل کی آنکھوں میں جھانکا۔ ایک گہرا سانس لیا۔ اور لبوں سے ایک ٹھنڈی آہ نکلی۔

کمرے میں سکوت پھیلا ہوا تھا۔

"تم رو رہی ہو شاید!" سہیل کی خفیف سی آواز ابھری۔

"ایسا تو شاید زندگی بھر رونا ہی پڑے گا!"

"تقدیر نے حالات تو ایسے ہی پیدا کر دیئے ہیں۔"

"سنا ہے پختہ ارادے تقدیر پلٹ کر رکھ دیتے ہیں۔"

"تو کیا تم حالات سے نپٹنے کا فیصلہ کر چکی ہو۔"

"پوری طرح۔ مگر تمہارے لہجے کے سکون نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔"

"یہ ویسا ہی سکون ہے جیسا طوفان آنے سے پہلے سمندر میں ہوتا ہے۔ لیکن یہ طوفان شاید نہ ہی آسکے۔" سہیل سنبھل سنبھل کر بات کر رہا تھا۔

"کیوں؟" شیبا کی آواز میں حیرت اور پریشانی تھی۔

"شیبا! اس طوفان کی لپیٹ میں میرا بڑا بھائی آسکتا ہے۔" اس نے رنجیدہ لہجے میں کہا۔ "اور مجھے بھائی جان سے بہت پیار ہے۔ میں ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر سکوں گا۔ دور ہی دور رہوں گا۔ اگر سامنے آیا تو طوفان آنے کا خطرہ ہے۔ مجھے اس خطرے سے بچنے کی کوشش کرنی ہو گی۔ اگر نہ بچ سکا تو یقیناً طوفان آ جائے گا۔ خاندان کی عزت اور بھائی کی محبت سب کچھ ہی تو اس طوفان کی نذر ہو جائے گی۔"

"میری محبت؟" اس نے تلخی سے کہا۔ "اپنے بھائی کی محبت پر قربان کر دو گے۔"

"خوشی سے ایسا نہیں کر سکتا۔" اس نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہ تو خودکشی ہے۔ جو مجبوراً کرنا پڑ رہی ہے۔"

"تمہیں مجبوری ہو تو ہو۔" وہ عزم سے بولی۔ "مجھے کوئی مجبوری نہیں۔"

"میرا دل کہتا ہے۔" وہ تڑپ کر بولا۔ "بھائی جان تمہیں مجھ سے زیادہ چاہتے ہیں۔"

"مگر میں تو انہیں نہیں چاہتی۔" وہ بے قراری سے بولی۔ "لیکن یہ تو ثابت ہوا کہ تم مجھ سے صرف دکھاوے کی محبت کرتے تھے۔ تمہاری پیار بھری باتیں سب فریب تھیں۔ سب دھوکہ تھا۔ خوبصورت دھوکہ ۔۔۔ ورنہ ۔۔۔ ورنہ تم اتنی جلدی اپنا دامن جھٹک کر الگ ہو جانے کی کوشش نہ کرتے۔"

"اوہ! ۔۔۔" وہ گہرے رنج سے بولا۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو شیبا! میں تمہارے سوا کسی کو نہیں چاہتا۔ تم میری راہوں کی چاندنی ہو۔ تمہاری محبت میری زندگی کے چمن کا مہکتا ہوا پھول ہے۔ بدنصیبی زندگی کو کس دوراہے پر لے آئی ہے۔ میں بڑا

الجھن میں پھنس گیا ہوں میں تمہیں چھوڑ بھی نہیں سکتا اپنا بھی نہیں سکتا جن دو بھائیوں کی تلواریں ٹکراتی ہیں تو ایک کا سر گرتا ہے۔ اگر تم سرنگوں دیکھنا چاہتی ہو۔ تو اپنی خواہشات کو مجھ سے منسوب کر لو۔"

"کچھ بھی ہو، لیکن ــــــ لیکن ــــ اگر تم میرے نہ ہوئے تو میں خودکشی کر لوں گی میرے مرنے سے تو یہ جھگڑا مٹ جائے گا۔"

"تمہارے مرنے سے ہی یہ جھگڑا نہیں مٹے گا نا اس کا لہجہ بہت ہی غمگین تھا۔ بلکہ ۔ خاندان بھی برباد ہو جائے گا۔ میں بھی زندہ نہ رہ سکوں گا۔"

"تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتی۔" اس کی آواز یکایک بھرا گئی اور وہ سسکیاں لیتی ہوئی لپکی۔ اور اس سے لپٹ گئی۔ میری زندگی میں تم سے دور رہ کر مر جاؤں گی۔ مر جاؤں گی میں تم سے دور رہ کر ــــــ" سہیل تم سمجھتے کیوں نہیں۔"

شیبا کیا بچوں کی طرح رونے لگی ہو۔ حوصلہ کرو۔"

"حوصلے سب لوٹ گئے ہیں۔" وہ اسے زور سے بھینچ کر روتی ہوئی بولی۔" میں بھی امی اور ابا جان سے کہہ دوں گی مجھے یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔ جو بات تم نہ کر سکے وہ میں کروں گی۔ مجھے انجام کی کوئی فکر نہیں۔"

"اگر تم میں اتنی جرأت تھی" وہ اسے پیار سے دیکھ کر بولا۔" تو اسی وقت کیوں نہ انکار کیا۔ جب ڈیڈی نے رشتے کی بات کی تھی۔"

"اتنے لوگوں کے سامنے کیسے کہہ دیتی۔" وہ آنسو پیتے ہوئے بولی۔" اب اتنی بے حیا بھی نہ بن سکتی تھی۔ جھجک بھی تو کچھ ہوتی ہے آخر۔"

"تم کہتے ہوئے جھجک نہ ہو گی۔" پہلی بار سہیل کے لبوں پر مسکراہٹ کی جھلک

سی لکیر ابھری تھی۔

"نہیں! میں تنہائی میں اُن سے بات کروں گی۔" وہ میری اس تمنا کو کسی حال میں نہ ٹھکرائیں گے؟

اچانک سہیل کی نظریں کھڑکی کی طرف اُٹھ گئیں۔ ایک سایہ کھڑکی کے سامنے سے گذر رہا تھا۔ اس نے باہر دیکھا۔ چند قدم کے فاصلے پر راحیل سر جھکائے چلا جا رہا تھا۔

وہ سب کچھ سُن چکا تھا۔

سب کچھ دیکھ چکا تھا۔

صبح ناشتے کے بعد افتخار احمد اور ارشاد احمد اٹھ کر لائبریری روم میں چلے گئے۔ جو رختہ بات انہوں نے طے کیا تھا۔ اس کے متعلق باتیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ اطمینان سے گدے دار کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اور اپنے اپنے سگریٹ سلگا لیے۔
اس سے پہلے کہ وہ کسی قسم کی بات کرتے تصور انہیں تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ وہ بڑا اداس اور الجھا الجھا دکھائی دے رہا تھا۔ انہوں نے اس کے چہرے کو تعجب سے دیکھا۔

"آؤ! ــــــ بیٹھو بیٹے! ــــــ" افتخار احمد نے مشفقانہ انداز میں کہا۔ "تم کچھ گھبرائے گھبرائے سے لگ رہے ہو؟"

وہ خاموش بیٹھا رہا۔ کشمکش کے آثار اس کے چہرے پر اور گہرے ہو گئے۔

"جواب دو نا بیٹے! ــــــ کیا بات ہے آخر؟"

"اگر آپ گستاخی نہ سمجھیں۔" وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ "تو میں عرض کروں۔"

"گستاخی کیسی؟ ـــــــ افتخار احمد نے کہا ـــــ جو کچھ بھی کہنا ہے بے دھڑک کہو۔"

اجازت ملنے کے باوجود بھی وہ چند لمحے چپ سا رہا ـــــ آخر کار اس نے حوصلہ کر ہی لیا۔

"آپ حضرات نے جو فیصلہ رات کیا ہے۔ وہ کچھ درست نہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ ـــــــ" افتخار احمد متعجبانہ بولے "شبیلہ اور راحیل کی شادی نہیں ہونی چاہیئے؟"

"جی انکل!" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں آخر؟" ارشاد احمد گھبرا کر بولے ـــــــ "اس میں کیا قباحت ہے ـــــ"

"سب سے بڑی قباحت یہ ہے ـــــ" کہ یہ شادی شبیلہ کی مرضی کے خلاف ہے" وہ نظریں جھکا کر بولا۔

"شبیلہ کی مرضی کے کیوں خلاف ہے۔ ارشاد احمد پریشانی سے بولے۔"

"وہ سہیل کو چاہتی ہے ـــــــ" لقمان نے بالآخر دھیمے لہجے میں کہہ ہی دیا ـــــ"

ارشاد احمد پر یہ خبر بجلی کی طرح گری۔ ان کا رنگ پہلے زرد ہوا۔ پھر ایک دم سرخ ہو گیا۔ ان کی آنکھیں لال انگارے کی مانند ہو گئیں۔ چہرے پر غم و غصے کے تاثرات پھیل گئے

افتخار احمد بھی اس خبر سے بوکھلا گئے۔

"نفور! ـــــــ" وہ جوشیلے لہجے میں بولے۔ "تم ہوش میں تو ہو؟"

"جی چچا جان! ـــــــ" وہ سکون سے بولا ـــــ" میں پورے ہوش و حواس میں ہوں"ـــــ

"وہ بدبخت اتنی خودسر ہوگئی ہے ـــــــ" ارشاد احمد غضبناک لہجے میں بولے۔

وہ غصہ میں بھر کر اُٹھے اور باہر کی طرف جانے لگے۔

افتخار احمد نے لپک کر انھیں پکڑ لیا۔ اور زبردستی کرسی پر بٹھا دیا۔

"پاگل ہو گئے ہو ارشاد! ـــــــ" انہوں نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا: "راحیل نہ سہی سہیل سہی۔ دونوں میرے بیٹے ہیں۔ دونوں تمہارے بھتیجے ہیں۔ تمہارا خون ہے۔ گھر کی بات گھر میں رہنی چاہیے۔ کسی غیر نے تو ابھی رشتے کی بات نہیں سنی۔ ہم ابھی اعلان کر دیتے ہیں۔ کہ شبیلہ کا رشتہ سہیل سے ہوگا۔

"میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اتنی خودسر ہو جائے گی" اُن کا لہجہ بہت رنجیدہ تھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ سب کچھ ہوا کیونکر۔"

ارشاد احمد بہت ہی رنجیدہ خاطر تھے۔

دفعتاً راحیل کمرے میں داخل ہوا۔ وہ دروازے پر کھڑا ہو کر ان کے مابین ہونے والی تمام گفتگو سن چکا تھا۔ وہ انھیں تلاش کرتا ہوا وہاں اس لیے آیا تھا۔ کہ شبیلہ کو اپنی شریکِ حیات بنانے سے انکار کر دے مگر اس کی توقع کے خلاف اندر پہلے ہی اس موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ سب کچھ سن چکا تھا۔ اب اس

کا درواز ے پہ کھڑا رہنا بے کار تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا۔ ان کے قریب پہنچ کر ٹھہر گیا
ان کی نگاہیں اسی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"چچا جان! ——— " راحیل ارشاد احمد کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میں بتاتا ہوں
آپ کو، یہ سب کیسے کر رہا۔ شبیلہ نے ہماری فرم موٹر ٹریڈرز میں ملازمت کی
تھی۔ کام کے سلسلے میں شبیلہ سہیل کے پاس بھی آتی جاتی تھی۔ میل جول سے
محبت کا ہو جانا ایک فطری امر ہے۔" پھر اس نے نظریں جھکالیں۔ "اس سے
آگے اور میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ مجھے بھی معلوم ہو چکا ہے۔ میں ان کی باتیں سن
چکا ہوں۔ وہ واقعی ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ اور مجھے اس سے خوشی ہوگی
کہ وہ شریک زندگی بن جائیں"۔

اب کسی کے پاس بھی کچھ کہنے کو نہیں رہ گیا تھا۔

لنچ میں سہیل اور شبیلہ کے رشتے کے بارے میں سب کو بتایا گیا۔ سب نے
حیرت کا اظہار کیا۔ مگر جلد ہی سہیل اور شبیلہ کو مسکراتے دیکھ کر اس رشتے کی نوعیت
کو سمجھ لیا گیا ——— سب حیرت کے بجائے شادمانی کا اظہار کرنے لگے لیکن
ان مسرتوں اور شادمانیوں کے بیچ کچھ افسردگیاں بھی تھیں۔

دو چہرے ایسے بھی تھے جو تاریک اور ویران تھے جن کے لیے یہ خبر
اندوہناک بن گئی تھی۔

ایک چہرہ فاطمہ کا اور دوسرا چہرہ اس کی امی رشیدہ بیگم کا تھا۔
وہ فاطمہ کے لیے سہیل کی آس لگائے بیٹھی تھیں۔ ان کی یہ آس
جلد دم توڑ گئی۔

فائزہ کے ذہن میں امید کا چراغ جو ساحل اور شمیلہ کے رشتے کا سن کر روشن ہوا تھا بجھ گیا ــــــــ

فائزہ پریشان اور افسردہ، اور دل برداشتہ سی ہو کر سب مہمانوں سے پہلے اپنی امی کے ساتھ اٹھی اور سب سے اجازت لی۔ اس کی امی آگے تھیں اور وہ ذرا پیچھے۔ سہیل ڈرائنگ روم میں داخل ہو رہا تھا۔ فائزہ سے اس کی نظریں ملیں۔ فائزہ کی نظروں میں گہرا غم تھا۔ بجھے ہوئے چراغ سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

"یہ اچانک کامیابی مبارک ہو۔"

اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تمھیں بھی ــــــــ"

وہ مسکرایا۔

"یہ کہنے سے بہتر تھا کہ تم میرے سینے میں خنجر اتار دیتے ــــــــ"

وہ زہر آلود لہجے میں بولی۔

اور

جھلائی ہوئی دروازے سے باہر نکل گئی

سہیل کچھ نہ سمجھ کر رہ گیا۔

پھر ایک عجیب سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

مسکراہٹ ــــــــ

جس میں فتح مندی کا نشہ تھا ـــــ
محبت کا غرور تھا ـــــ
اور ـــــ
کامیابی و کامرانی کا اثر۔
شمیا ـــــ ایک مترنم لفظ خود بخود اس کی زبان پر آگیا۔

خاتم شد